U21260

Title - MAKARUMUL AKHLAQ.

Creator - Mohd. Zaka ullah.

Publisher - Matba Murtaza (Delhi).

Date — 1891

Pages — 344

Subject — Islam - ~~Akhal~~ Akhlaqiyaat.

مکارم الاخلاق

مولفہ

خان بہادر شمس العلما مولوی محمد ذکاء اللہ فیلو الٰہ آباد یونی ورسٹی

اس کتاب میں اہلِ اسلام کی اعلیٰ درجہ کے علم اخلاق کی عربی فارسی کتابوں سے

دوسو چھتیس "۲۳۶" مضامین اخلاق اور دس مضامین مختلف لکھے گئے

ہیں

سنہ ۱۸۹۱ عیسوی
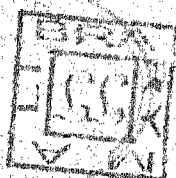
مطبع مرتضوی میں باہتمام حافظ محمد عزیز الدین منتظم طبع ہوئی

قیمت فی جلد ۱۲ ار

اشتہار

اردو انشا پردازی کی تحصیل آسان کرنے کا

ممالک مغربی و پنجاب و اودھ میں روز بروز انگریزی علم ادب کی تقلید پر اردو زبان کی انشا پردازی کا رواج ہوتا جا[تا ہے] اور آیندہ اور زیادہ ہوگا میں نے اسکے واسطے اپنی سمجھ کے موافق اسباب و مصالح تیار کرنے کا ارادہ کیا ہے ابتدا اُس کی اس طرح کی ہے کہ علم انشا پردازی کے قواعد بالترتیب بلحاظ آسان و مشکل بکار آمد و سود مند ہونے کے چار حصوں میں لکھے ہیں جنمیں سے دو چھپ گئے ہیں اُن کا نام مبادی الانشا حصۂ اول و دوم ہے اُن کی کیفیت اشتہار ذیل سے معلوم ہوگی۔ اور آریاؤں ہندوں اہل اسلام اور اہل فرنگ کی سیکڑوں کتابوں کو مطالعہ کر[کے] اُن میں سے نو دس قسم کے مضامین ڈھائی تین ہزار کے قریب انتخاب کیے۔ اُن میں سے مضامین اخلاق اول اسلئے چھاپے ہیں کہ آج کل مدرسوں میں علم اخلاق کی تعلیم کا بڑا چرچا ہو رہا ہے اِن میں سے دو حصے چھپ گئے اور تیسرا حصہ چھپ رہا ہے۔ باقی اور قسم کے مضامین بھی اسی ترتیب سے چھاپے جائیں گے۔ اب جو کتابیں چھپ کر تیار ہو گئی ہیں اُن کا اشتہار جدا جدا چھاپا جاتا ہے + محمد ذکاء اللہ

محصول ۱؎	اشتہار مکارم الاخلاق	قیمت ۱۲؎

نہایت مستند و معتبر اعلیٰ درجہ کی علم اخلاق کی بیس عربی فارسی کتابوں سے انتخاب کر[کے] ۲۳۶ مضامین اخلاق گیارہ بابوں میں لکھے ہیں اور ایک باب میں دس مضامین متفرق لکھے باب اول سے خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ و حکمت بالغہ اور اُس کا فضل و کرم جو انسا[ن پر] ہے معلوم ہوتا ہے۔ باب دوم سے تہذیب اخلاق کے اصول۔ باب سوم سے علم و عمل و عقل [کی] کیفیت۔ باب چہارم سے کہنے سُننے کا حال۔ باب پنجم سے عشق و محبت۔ باب ششم سے گ[ناہ و] توبہ کا حال۔ باب ہفتم سے دُنیا اور محبت دُنیا کی کیفیات۔ باب ہشتم سے معاملات د[نیا] کے حالات۔ باب نہم سے رذائل و فضائل اخلاق۔ باب دہم سے وقت۔ عمر موت [کا] حال۔ باب یازدہم سے حکایات۔ کل اس کتاب کے ۳۵۲ صفحے ہیں قیمت ۱۲؎ محصول

محمد عطاء اللہ

دہلی چیلوں کا کوچہ

کے خیالات کا مختصر مجموعہ نہیں بنتا وہ روشن دماغ اور روشن ضمیر نہیں ہو سکتا۔ نیک سچے خیالات کیا ہیں
سچی دولت کے خزانے۔ آب حیات کے چشمے۔ نور کے فرشتے۔ جواہر کے حقے جنکی چمک کبھی ماند نہیں ہوتی
خوشنما و معطر پھولوں کے گلدستے جنپر کبھی پژمردگی نہیں آتی۔ خصائل و عادات انسانی کی سیر
ساری قوموں کے حصن حصین۔ دل و دماغ کے زیور۔ علم و عمل کے بیجوں کی اصل۔ تہذیب اخلاق کے
سانچے۔ انسان کو اشرف المخلوقات کے تخت پر بٹھانے والے۔ سیرت و طینت و نیت کو پاک بنانے والے
اُن سے زیادہ عمدہ کوئی ورثہ زمانہ کے ہاتھ سے انسان کو ابتک نہیں ملا۔ نیک و رحق خیالات پر سیاہی
کے قطرے بھی اعجاز کرتے ہیں جب وہ الفاظ کا لباس زیب تن کر کے ہوا میں اُڑتے ہیں تو یہ قطرے
اُس کی طرح پڑ کر اُن کی صورت کو ایسا پائدار کر دیتے ہیں کہ وہ ایسی امنٹ ہو جاتی ہے کہ جن کی مدتوں
تک زمانہ زیارت کیا کرے اور ارباب خیال اپنے ذہن کو اُن سے پر کیا کریں۔

جب میں نے دیکھا کہ انسان کی تعلیم و تہذیب کی تکمیل جب تک نہیں ہوتی کہ اُس کا دماغ سچے حق
خیالات کا مخزن نہ ہو تو میں نے یہ ارادہ کیا کہ اپنی زبان میں ان خیالات کو بیان کروں۔ اس
مطلب کے واسطے میں نے اُن مشہور کتابوں کا باغ اپنے ذہن کی آنکھوں کے روبرو لگایا کہ جنکے
اندر ایسے خیالات بلند موجود تھے کہ جنکو زمانہ دراز سے بے شمار آدمی پڑھتے چلے آتے ہیں اور
معلوم نہیں کب تک پڑھتے چلے جائینگے۔ جب یہ باغ مرتب ہو گیا تو میں نے اول اپنے ذہن سے
کہا کہ تو اس باغ میں باغبان بنکے جا اور جو پھول تجھکو پسند آئیں اُن کو مع شاخ اور پتوں کے
قلم کر کے اپنے تاگے سے باندھ کے اُن کا گلدستہ بنا دے (یعنی اصلی خیالات کو انتخاب کر کے اپنی زبان
میں نقل کر دے) پھر میں نے اُس سے کہا کہ اب تو گلفروش بن کر اُس باغ میں جا اور اپنے پسند کے پھول توڑ
اور اُنکا گہنا۔ بدھی۔ سہرا۔ ہار۔ گجرا بنا (یعنی خیالات کی کچھ صورت بدل) بعد ازاں میں نے کہا کہ تو شہد
کی مکھی بن کے جا اور خوب گلگشت کر کے پھولوں کا رس چوس اور اپنے معدہ میں شہد بنا۔ (یعنی خیالات
کی ایسی نئی صورت بنا دے کہ کوئی پہچانے نہیں کہ پہلے اُن کی کیا صورت تھی) مگر مجھے معلوم نہیں کہ
[illegible] م۔ اہل مذاق اسکو انگلی لگا کے زبان پر رکھیں۔ اگر انکو لذیذ معلوم ہو تو اس سے

لذت اُٹھائیں نہیں تھوک دیں۔ ذہن نے مجھسے یہ بھی فرمائش کی کہ اب مجھے مکڑی بن کے جانے کی اجازت دیجئے کہ میں اپنے معدے سے مادہ نکال کر جال پھیلاؤں میں نے اُسے منع کیا کہ جو جالا تو خود تنے گا وہ ہوا کے جھونکوں میں اُڑ جائیگا خود اُس میں پھنس کر مُردہ کی طرح لٹکے گا۔ مکھیاں بھی معلوم نہیں اُس میں پھنسا سکے گا یا نہیں (کوئی خیال بنا اصلی میں نے نہیں لکھا) ہاں میں نے اِن خیالات کے باغ میں مضامین کی قلمیں تراشیں (یعنی پڑھا) پھر اُنکو ہضم کیا (دل بہلایا) اُن کا ذخیرہ اپنے حافظہ میں ایک بلند مقام پر جمع کیا اور اُسکی شیرینی کے ایسے مزے اُڑائے کہ جس سے میری زندگانی کی تلخیاں کم ہو گئیں پس یہ ثمرہ مجھے اپنی ریاضت کا مل گیا۔ اسی پر قناعت کرتا ہوں۔ کچھ اور زیادہ طمع نہیں کرتا خلاصہ یہ ہے کہ میں نے اِن خیالات کے بیج بتا دئے ہیں کہ جن سے اہل خیال نئے خیالات کے کھیت کے کھیت ہرے بھرے پھولے پھلے جتنے بڑے اور زرخیز چاہیں لگائیں۔

میں نے اس کتاب میں شرقی و مغربی خیالات کی دو تصویریں ایسی بنائی ہیں کہ پیٹھ سے پیٹھ لگائے بیٹھی ہیں ایک مشرق کی طرف دیکھ رہی ہے یعنی پیچھے کی طرف اور دوسری مغرب کی طرف یعنی آگے یوں وہ دونو اپنی صورتوں سے اگلے پچھلے خیالات کو بیان کر رہی ہیں۔ گو خیالات بہت اقسام کے ہو سکتے ہیں مگر میں اپنی کتاب کا آغاز ان خیالات سے شروع کرتا ہوں جو اخلاق کی تہذیب سے متعلق ہیں اور اُن کے وہ اصول بیان کرتا ہوں کہ جنہیں قانون قدرت اور سُنت الٰہی کی طرح تبدیل اور تحویل نہیں نہ کبھی زمانہ اُنکو بدل سکا نہ بدل سکے گا۔ تہذیب اخلاق کے خیالات بداخلاقی پر لعنت کرتے ہیں اور خوش اخلاقی کی نخوت پر ملامت کرتے ہیں اسلئے انسان کو بالطبع وہ ایسے ناگوار معلوم ہوتے ہیں جیسے کہ عیب بتلانے والے آدمی۔ مگر جب تک انسان اپنے بچپنے کی بیوقوفیوں کی جوانی میں اور جوانی کی شہوت پرستیوں کی بڑھاپے میں اصلاح نہیں کرتا وہ پیرانہ سالی میں لڑکوں کا سا احمق اور جوانوں کا سا شہوت پرست رہتا ہے۔ اسلئے تہذیب نفس اور تزکیہ قلب کے لئے اِن خیالات کی تقدیم ضرور ہے۔ تہذیب اخلاق میں مذہب کو بڑا دخل ہے۔ ہر قوم کا اخلاق اسکے مذہب کا نتیجہ ہے جنہوں نے مذہب کو چھوڑ دیا اور نتیجہ کو لے لیا۔ آم کھائے اور پیڑ نہیں گنے۔ اصل درخت کو چھوڑ دیا پھلوں

لے لیا یعنی احکام و عقاید مذہبی بیان کرکے دوزخ و بہشت کی راہ نہیں بتلائی کہ کسی کو جنت میں بھیجا نہ کسی کو
دوزخ میں ڈالا۔ بلکہ بدیوں کی برائیاں و نیکیوں کی خوبیاں بیان کیں اور یہ بتلایا کہ ان کی کمشتگتا دور
ہونے سے اس سنسار میں آدمی کو کیا ہاتھ لگتا ہے۔ اس کتاب کے پہلے حصہ کا نام تہذیب الاخلاق آریاورت ہے
اُس میں آریا ہند یعنی ہنود کی مقدس و معتبر و مستند کتابوں سے ایک سو اڑتیس مضمون انتخاب کرکے لکھے ہیں
دوسرے حصہ کا نام مکارم الاخلاق ہے۔ اُسمیں مضامین مسلمانوں کی کتابوں سے انتخاب کرکے لکھے ہیں
تیسرے حصہ کا نام محاسن الاخلاق ہے۔ اُس میں مضامین اہل فرنگ کی کتابوں سے اخذ کرکے لکھے ہیں
ہر حصہ کے آخر میں ضمیمے لکھے ہیں جسمیں متفرق مضامین ہیں۔ یہ حصے علیحدہ علیحدہ ہیں کچھ ایک دوسرے
پر موقوف نہیں اور وہ ایک مجموعہ میں بھی شامل ہیں۔ مضامین کے بزرگ مصنفوں کا نام بھی میں نے
اول لکھدیا ہے جس سے مضامین کی عظمت ہو۔ جب تک لوگ مضمون کے مصنف کو نہیں جانتے اسکی
قدر و منزلت نہیں کرتے۔ اسمیں تو شبہ نہیں کہ خیالات ایسے مقدس بزرگوں کے ہیں کہ وہ لوگوں کے
دلوں پر تاثیر ضرور کرینگے۔ مگر کلام اسمیں ہے کہ میں نے بھی اُن کا حق اپنی زبان میں ادا کیا یا نہیں۔
میں نے خواہ حق ادا کیا ہو یا نہ کیا ہو مگر طالب العلموں کو اُن مضامین کے پڑھنے سے یہ ایک نئی طرح کی بصیرت
حاصل ہوگی کہ ہزاروں تشبیہات و استعارات و تمثیلات و محاورات مشرقی و مغربی زبانوں کے
ایسے معلوم ہونگے جو پہلے کبھی اُن کے کانوں نے نہ سُنے ہونگے۔ اور مشرقی و مغربی خیالات کے
ادا کا علم ہوگا۔ وہ اُن کے ازدواج سے عمدہ اولاد مضامین کی پیدا کرسکتے ہیں کیونکہ قاعدہ
ہے کہ مختلف نسلوں کے اختلاط سے اچھی اولاد پیدا ہوتی ہے فقط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکارم الاخلاق

باب اول خدا تعالیٰ

(۱) خدا کی تعریف

خدا تعالیٰ اپنی ذات میں اکیلا ہے کوئی اُس کا شریک نہیں یکتا ہے کوئی اُس جیسا نہیں۔ صمد ہے کوئی اُس کا مقابل نہیں۔ قدیم ازلی ہے جسکی اول و ابتدا نہیں ابدی ہے جسکی آخر و انتہا نہیں قیوم ہے جسکا انقطاع نہیں دائم ہے جسکو کبھی فنا نہیں ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا۔ وہی اول ہے وہی آخر ہے۔ وہی مبدا ہے وہی معاد ہے وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے۔

خدا کی نہ صورت ہے نہ جسم ہے۔ نہ اجسام کے مشابہ ہے۔ نہ وہ کسی موجود کے مشابہ ہے نہ کوئی موجود اسکے مشابہ ہے۔ وہ ہر موجود چیز کے قریب ہے۔ وہ مکان و زمان بننے سے پیشتر موجود تھا۔ وہ اب بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ پہلے تھا۔ وہ بدلنے اور انتقال سے پاک ہے۔ فنا اور زوال سے اسکی ذات منزہ ہے۔ اپنی صفات کے کمال میں کامل ہونے کے لیے کسی زیادتی کی اسکو حاجت نہیں۔ خدا تعالیٰ زندہ قادر جبار قہار ہے نہ اسکو ماندگی عارض ہو نہ قصور نہ غفلت ہو نہ غنودگی نہ فنا اسپر آوے مخلوقات ساری اسکی مٹھی میں ہے۔ پیدا کرنے اور اختراع میں منفرد ہے ایجاد و ابداع میں

خلق کو اور اسکے اعمال و اقوال کو پیدا کیا۔ کوئی قدرت کی چیز اسکے قبضے سے جدا
قدرت اور اسکی معلومات بے انتہا ہی۔ خدا تعالی سب معلومات کو جانتا ہی۔ زمین کی زیر و
آسمانوں کے اوپر تک جو کچھہ ہوتا ہی سب پر اسکا علم موجود ہے۔ آسمان و زمین میں ایک ذ
علم سے چھپ نہیں سکتا۔ کالی رات میں سخت پتھر پر چیونٹی کے رینگنے کو اور ہوا کے
چلنے کو جانتا ہی چھپی اور کھلی بات کو معلوم کر لیتا ہے۔ دلوں کے وسوسوں اور خ
کو اور باطن کے پوشیدہ اسرار پر مطلع ہوتا ہی اُس کا علم قدیم ازلی ہے

خدا تعالی نے کائنات کو اپنے ارادہ سے بنایا جس چیز کو چاہا وہ ہو
جو چاہتا ہی وہ کرتا ہی کوئی اسکے حکم کا روکنے والا نہیں کوئی اسکی قضا کا پھیرنے
جن وقتوں میں جن چیزوں کے ہونے کو اپنے ارادہ ازلی میں مقرر فرمایا۔ وہ انہیں
تقدیم و تاخیر کے موجود ہوئیں اللہ تعالی سمیع و بصیر ہے سُنتا ہی دیکھتا ہی کوئی سننے
خفیہ ہو اور دیکھنے کی چیز کیسی ہے باریک ہو اسکے سُننے اور دیکھنے سے بچ نہیں سکتی۔ نہ دو
سننے کو مانع ہو نہ تاریکی اسکے دیکھنے کو مزاحم۔ دیکھتا ہی مگر حدقہ چشم اور پلک سے منزہ ہی
مگر کانوں اور اُن کے سوراخ سے مبرا ہی۔ خدا کی ذات اور صفات ہماری سی نہیں کہ
دل و دماغ ہو۔ گرفت کے واسطے اعضا ہوں۔ پیدا کرنے کے لئے آلات و اسباب ہوں
جو چیز سوا اسکے موجود ہی وہ اُسی کے فعل سے حادث ہی اور اُسی کے عدل سے فیضیاب ہی
اور اکمل و اتم اور اعدل طور پر اسی کا ظہور ہوا ہی اور وہ اپنے افعال میں حکیم اور اپنے احکام
عادل ہے۔ اُسنے اپنی قدرت سے انسان۔ حیوان۔ زمین آسمان۔ جمادات۔ نباتات۔ جو
ہر کا محسوس۔ سب عدم سے اختراع کئے پردہ نیستی سے نکال کر ہست فرمایا کیونکہ ازل
موجود تھا۔ دوسرا کوئی اُسکے ساتھہ نہ تھا۔ اسنے اپنے فضل سے خلق کو موجود کیا اُسکو
کوئی حاجت نہیں تھی۔ نہ اُسپر یہہ کام کرنے واجب تھے انعام اور اصلاح میں وہ صرف اپنی جو
اس طور سے کہ اُسکے ذمہ لازم ہو فضل و احسان نعمت و منت سب اُسی کے لئے سزا ہے

(۲) خدا کی رحمت

خدا تعالی نے ہمارے ہی لئے ساری چیزیں بنائی ہیں وہی ہماری حفاظت کرتا ہے وہی ہمکو روزی دیتا ہے۔ دشمنوں سے بچاتا ہے موذیوں سے پناہ میں رکھتا ہے مصیبت کے وقت کام آتا ہے۔ درد کی حالت میں ہم پر رحمت بھیجتا ہے۔ جو کچھہ ہمکو ضرورت ہوتی ہے پیش از سوال اسکو رفع کر دیتا ہے دھہ پیچ کو ٹال دیتا ہے۔ انسان اپنے تئیں اشرف المخلوقات کہتا ہے۔ اور دعوی کرتا ہے۔ کہ میں خدا کی اخلاق کی پیروی کرتا ہوں۔ مگر وہ بڑا ہی ظلم کرتا ہے چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناراض و خفا ہوتا ہے۔ اور انکو تکلیف پہنچاتا ہے۔ اوروں کی خطاؤں اور قصوروں کے معاف کرنے میں دریغ کرتا ہے۔ مگر خدا ہماری نافرمانیوں اور گناہوں سے چشم پوشی کرتا ہے ہر وقت ہمارے اوپر نظر رحم رکھتا ہے۔ ہم پر ماں باپ سے زیادہ شفقت کرتا ہے۔

(۳) خدا کی عظمت

اگر تم خدا کی عظمت کا دیدار دیکھنا چاہتے ہو تو اپنے آئینہ دل کو نفاق کے زنگ و زنگ سے صیقل کرو۔ صیقل کرنا یہی ہے کہ خدا کا یقین دل میں کرو۔ اگر تم اس آئینہ دل کو کثر کر دو گے یا ردو تر رکھو گے تو تمہارا حال نور آفتاب اور بوم و خفاش کا سا ہوگا کہ اپنے ضعف چشم کے سبب سے وہ اس نور کو نہیں دیکھ سکتے۔ گو آفتاب ایسا روشن ہے۔ لیکن سحاب کے حجاب ہونے سے وہ شیشہ معلوم ہونے لگتا ہے۔ ایسے ہی دل پر بری عادتوں اور خودوں کا پردہ پڑا ہوا ہے جسنے اسکی روشنی کو روک دیا ہے۔ کبھی حق باطل سے معائنہ نہیں ہوتا جنجر کو آئینہ بنا کے۔ اگر فرشتہ یا یوسف دیکھے تو دیو معلوم ہو۔ بس آئینہ دل ہی کی جلا تم کو خدا کی عظمت دکھائے گی۔ اس عظمت کے دیکھنے کے واسطے ایک دیا پر چڑھنا پڑتا ہے جسکے پایہ علم و عمل ہیں۔ پھر علم کے ساتھہ حلم ضرور ہے کیونکہ علم بے حلم شمع بے نور ہے۔ لیکن آدمی نے تو کاہلی اختیار کر رکھی ہے۔ کاہلی کی برابر کوئی بری چیز نہیں۔ وہ تو رستم کو بھی حیز بنا دیتی ہے۔ جو انکو بیکار رہتا ہے اور رات کو تن آسانی کرتا ہے اسکو کچھہ نہیں حاصل ہوتا۔ بادشاہوں کو ملکوں کے لینے کے لئے تو دستہ گرز اور قبضہ شمشیر

کی ضرورت ہی وہ بے حلم و محنت کب حاصل ہو سکتی ہیں - ایسے ہی جبتک آدمی علم کو حلم و محنت کے ساتھ کام میں نہیں لائیگا خدا کی عظمت و تنزیہ و تقدیس کے دیدار سے محروم رہے گا - لوہا جو تیرہ ہوتا ہی وہ صیقل کرنے سے آئینہ بن جاتا ہی اور عیب و صواب دکھاتا ہی دل کیوں صیقل کرنے سے منور نہوگا اور خدا کی عظمت کا دیدار نہ دکھلائے گا -

(۴) خدا کا لطف و قہر

دیندار خدا کے لطف کے شاکر ہوتے ہیں کفار اُسکے قہر کے شاکی - اُسی کے لطف سے جانوں کو آرام پہنچتا ہی - اُسی کے قہر سے جانوں میں آگ لگتی ہی - اُسی کے لطف سے بندہ کو سرور حاصل ہوتا ہی - اُسی کے قہر سے مرد کو غرور ہوتا ہی - اُسی کے قہر سے نازنین مردہ ہو جاتے ہیں اُسکے لطف سے بے نوا زندہ - اُسکا لطف مردہ کو زندہ اور قہر زندہ کو مردہ بناتا ہے - اُس کا قہر باشہ کو پشہ بناتا ہی - بادشاہوں کو خاک میں ملاتا ہی - گردن کشوں کی گردن اُڑاتا ہی - سرکشوں کے مُنہ میں لگام دیتا ہی اُس کا لطف ضعیفوں کو قوی کرتا ہی - اُسکا عفو گنہ پر سبقت کرتا ہی - تائب گناہگار کو پناہ دیتا ہی گناہ کا وہ پردہ دار ہے ہماری طرح پردہ در نہیں - وہ ہمارا حافظ ہی مگر ہم بے عقل و ظالم و جاہل اُس سے غافل ہیں ہم اپنے اوپر ایسے مہربان نہیں جیسا وہ ہم پر مہربان ہی - وہ ہمارے ساتھ لطف مہربانی کرتا ہی جو ماں فرزندوں کے ساتھ نہیں کرتی - وہ ناکسونکو اپنی مہربانی سے لائق بنا دیتا ہی - وہ عالم الغیب ہمارے عیب چھپاتا ہی اپنی عفو سے اُنکو دھوتا ہی - ہمارے کام بُرے اوس کے کام بھلے ہیں وہ غیب دان ہم عیب دار - اگر اُسکی عنایت پاک ہم پر نہ ہوتی تو یہ انسان مشت خاک تاجدار کیسے ہوتا - گناہ کے جنگل میں اُسی کی عفو کی منزل ہی - ہم جفا کرتے ہیں وہ وفا کرتا ہی - ہم اپنے ساتھ ایسے وفادار نہیں جیسا وہ ہمارے ساتھ ہی - اُسی کا لطف ہم بیکسوں کی دستگیری کرتا ہی -

(۵) خدا کی قدرت

جو عاقل ہیں وہ خدا کی قدرت بالغہ و حکمت کاملہ ان کاموں سے سمجھتے ہیں کہ اُس نے زمین کو بچھونا بنایا اُس میں پہاڑوں کی میخیں جڑیں کہ زلزلوں کے صدموں سے وہ پراگندہ نہ ہو - اُس پر آسمان کو بنایا اُس میں

قمر کا نور شب افروز کیا۔ اور آفتاب کا چراغ روشن کیا۔ اُسنے دن کو اجالا دیا۔ یوں رات دن کو بنایا۔ وہ متواتر ایک دوسرے کے بعد آتے جاتے رہتے ہیں رات کو ہمارا لباس بنایا۔ دن کو ہماری معاش کے لئے بنایا۔ پھر ہمکو جوڑے جوڑے بنایا۔ نیند بنائی جس سے ہماری ماندگی رفع ہو۔ بادل پانی سے بھرے ہوئے بنائے۔ جنسے پانی کے ریلے زمین پر اُترتے ہیں اور مُردہ زمین کو زندہ کرتے ہیں۔ اور سبزہ اور اناج اگاتے ہیں باغوں کو سبز پتوں کا لباس اُڑھاتے ہیں۔ سب قسم کے جانور زمین پر پھیلائے۔ دریا پر کشتی کو چلایا۔ جو اُن چیزوں کو لیکر چلتی ہے جس سے آدمیونکو فائدہ ہوتا ہے۔ ہوا کو آسمان زمین کے درمیان چلایا۔ اب تم دیکھو پانی جس کو تم پیتے ہو۔ تم نے اُسکو بادل سے اُتارا ہے یا خدا نے۔ آگ جو سُلگاتے ہو اُسکا درخت کیا تم نے لگایا ہے یا خدا نے۔ موت جو بنائی ہے وہ تم نے بنائی ہے یا خدا نے۔ تمہارے بدلے کے جو آدمی پیدا ہوتے رہتے ہیں تم پیدا کرتے ہو یا خدا۔ جو تم بوتے ہو اُسکو تم اُگاتے ہو یا خدا۔ یہ خدا کو اختیار ہے کہ تمہاری کھیتی کو ملیامیٹ کردے اور تم یونہیں دیکھتے رہو۔ یہ ساری نشانیاں خدا کی ہیں۔ جس شخص کو ادنیٰ شعور بھی ہے۔ اُن زمین آسمان کی عجائب مخلوقات الٰہی میں اپنی نظر کو گردش دے۔ اور حیوانات اور نباتات کی پیدائش نادرہ دیکھے تو جان لیگا کہ اس کارخانہ عجیب و غریب اور اُس ترتیب محکم کا بنانے والا ضرور ہے جو اُس کو منتظم و محکم رکھتا ہے اور وقتاً فوقتاً اُنکو متغیر کرتا ہے۔ اور تدبیر سے بدلتا رہتا ہے۔ انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کو مانے۔ وہ کارگر ہے ہم آلہ کار ہیں۔ اُسی کے سبب سے یہ سب چین و آرام عالم میں ہیں درخت کو وہی ہلاتا ہے نہ ہوا۔ وہی تشنہ کی تشنگی دور کرتا ہے نہ پانی۔ وہی مستوں کو خوش کرتا ہے نہ شراب اُسکے بغیر غنچہ باغ میں کھلے نہ میوہ شاخ میں لگے۔ تجھے چاہئے کہ اپنے دل کو خیالات سے سادہ بنا۔ اور تزکیہ کو سب چیزوں سے دھو ڈال جس سے تجھے گنج بقا ہاتھ لگے۔ اور اُس کے روے دل آرا کا پرتو پڑے وہ تو ظاہر ہے مگر تو ہی کور بصر ہے۔ وہ حاضر ہے مگر تو ہی دور نگر ہے۔ اگر اُسکا نور نہ ہو تو تیری چشم بینا اور دل دانا کسی کام کا نہیں تو اُسی کی تخم محبت کو دل میں بو۔ اُسی کی آب عنایت سے پانی ڈال۔ اُسی کی کاشانہ قربت میں قدم رکھ۔ اُسی کے میخانۂ وحدت سے شراب پی۔

(۶) خدا کا رزق پہنچانا

ابھی ہمارا وجود ظاہر نہ ہوا تھا رحم مادری میں موجود تھے کہ حکیم بیچون نے ہمارا رزق خون سے مقرر کر دیا
جب نو مہینے گذر گئے تو یہ رزق کا دروازہ بند کر دیا۔ اور پستان کے دو چشمے رواں ہمارے لیے کھول دیے
جب اُس پہ دو برس گذر گئے تو یہ دو دروازے رزق کے بند کر دئے۔ اور دو ہاتھ اور دو پاؤں
دیدیے کہ جنمیں سے ایک سے رزق کی طرف جائیں اور دوسرے سے رزق کو لے لیں۔ جب اجل آئی تو
تو یہ چاروں ہاتھ پاؤں بیکار ہوئے لحد میں وہ چاروں بند ہوئے تو یہ رزق کے چاروں دروازے پھر دیے
بہشت کے آٹھ دروازے رزق کے لئے کھول دئے۔ خدا بھی کیا رزاق ہے اور کس حکمت سے رزق پہنچاتا ہے
جانوروں کے آگے دسترخوان بچھا رکھا ہے اور اتنا کھانا اُس پر چنا ہے کہ وہ کھا نہیں سکتے۔ سب کو روز
روزی پہنچاتا ہے اُسکے انبار خانہ پر مہر نہیں لگی ہوئی۔ ہر ایک اُس سے اپنی روزی لے لیتا ہے
خواہ کافر ہو یا مومن یا سعید ہو یا شقی۔ وہ سب کو روزی اور حیات دیتا ہے۔ ابھی حلق سے جان
نہیں نکلنے پائی کہ اُسکے حصہ کی روزی خلق کو دیدیتی ہے۔ غرض نان و جان اُس کے خزانہ سے ہم کو
ملتی ہے۔ ہماری روزی اگر ملک چین میں ہو تو وہاں ہمارا کسب کا اسپ زین کسے کھڑا ہوتا ہے۔ کبھی ہم
رزق کے پاس جاتے ہیں اگر ہم اُس پاس نہیں پہنچ سکتے تو وہ ہمارے پاس شتاب آ جاتا ہے خواہ
ہم خواب میں پڑے سوتے ہی کیوں نہ ہوں۔ خدا جان بے نان کے کسی کو نہیں دیتا اسلئے کہ جان کا قیام
نان پہ موقوف ہے۔ روزی کا خوف وہ سفلے کرتے ہیں جو خدا پر بھروسہ نہیں کرتے۔ خدا تجھہ کو روزی
دیگا تو کیوں امیر اور وزیر سے لڑائی لڑتا ہے۔ خدا کے دروازے سے تیری روزی ملتی ہے تو کیوں اسکے
لیے حلق و زبان و دندان سے فریاد کرتا ہے۔ تجھہ کو خدا پر اعتماد چاہیے۔ اگر ایک سال مینہ نہیں برستا
تو تو خستہ حال و پریشان ہوتا ہے۔ ایک بڑھیا نے پردہ سے سر نکال کر جو اپنے کھیت کو خشک دیکھا تو کہا
اے خدا رزق تیرے ہاتھ ہے کچھ گریہ ابر و خندہ کشت پر موقوف نہیں ہے۔ میں تجھکو جانتی ہوں کہ
بے سبب رزق دیتا ہے۔ جان و نان میری تیرے ہی اختیار میں ہے۔ تیرا ایک ذروں کے ہزاروں
اور لاکھوں سے زیادہ ہے۔ تیرا تھوڑا تھوڑا نہیں ہے۔ تیرا ایک شعلہ ہزار ستاروں سے بڑھ کر ہے۔ تیرا

ایک قطرہ صد ہزار دریا سے زیادہ ہی بس وہ ہو کر اِس عورت سے کمتر ہو کر روزی کا غم نہ کہا۔ تجھے
اسکا یقین کرنا چاہیے کہ خدا رزق دیگا۔ خداوہ مکرم اور با احسان ہی کہ وہ گبر و مسلمان کے ساتھہ
یکسان کرم کرتا ہی۔ خدا ہی کے ساتھہ دل لگانے سے تو غم کی بند سے آزاد ہوگا۔ خدا ہی کو یار بنا
اور خلق کو شمار مین نہ لا۔ اگر تو راہ نیاز سے خبردار نہیں تو مغز پیاز کی طرح حجاب میں ہے جب تک
تیری جان ہی نان تیرے ساتھہ ہی۔ ایک خدا پرست عورت کا خاوند حج کرنے چلا گیا۔ تو لوگون نے
بڑی دلسوزی سے اُس عورت سے پوچھا کہ خاوند تیرا کیا تیرے لیے نفقہ چھوڑ گیا ہے۔ اُس نے
کہا جو کچھہ چھوڑ گیا ہی مین اُس سے راضی ہون۔ جتنا میرا رزق ہی وہ میرے پاس ہے۔ اُس سے پھر
لوگون نے پوچھا کہ کتنا تیرا رزق تیرے پاس ہی جو تو قانع و خرسند اُسپر ہی۔ اُس نے کہا کہ
جتنی میری عمر باقی ہی اُتنا رزق خاوند مجھے دے گیا ہے۔ لوگون نے کہا کہ اُسکو تیری عمر کی خبر کیا تھی
کہ اتنے دنون جینے کی اُس کے موافق تیرا رزق دے گیا ہی۔ اُس نے کہا کہ میرا روزی دینے والا
جانتا ہی کہ جب تک میری جان ہی وہ میرا رزق نہیں بند کرے گا۔ لوگون نے کہا کہ خدا تو بے
سبب رزق نہین دیتا جیسے بید بن سے رطب نہین دیتا۔ کوئی ظاہری سبیل تیرے رزق کی نہین ہی
تو خدا تیرے پاس کوئی زنبیل نہین بھیجیگا۔ اس عورت نے کہا کہ تمہاری کیا عقل تیرہ ہی اُس کو زنبیل
کی حاجت کیا ہی جسکے پاس مین کثیر و قلیل ہو۔ آسمان و زمین اُسکے پاس ہون جو کچھہ وہ چاہتا ہے
لوگون کے پاس پہونچا دیتا ہی کبھی زیادہ کر دیتا ہی کبھی کم کر دیتا ہی پس خدا پر توکل چاہیے۔

(۷) خدا سب کے دلون سے آگاہ ہی

خدا نے تیرا دل پیدا کیا ہی جو کچھہ اُس میں ہی وہ جانتا ہی۔ اگر تو یہ جانے کہ میرے دل سے خدا آگاہ
ہے تو پھر کاہے کو تیری طبیعت گدھے کی طرح کیچڑ میں پھنسی رہے۔ بدکرداری کے تو ضرور منہہ پھیر لے
ہاں خدا کا حلم تجھے مغرور بناتا ہی تیرے دل مین نار رجا سے نور کے پیدا کرتا ہی۔ اگر تو اُسکے علم کو پہلے
دیکھتا تو حلم سے اُسکے کچھہ طمع نہ رکھہ۔ علم اُس کا عقل کا چراغ روشن کرتا ہی حلم اُس کا انسان کو گناہ
سکھاتا ہی۔ اگر اس کا حلم پناہ نہ ہوتا تو انسان کا کیا زہرہ تھا کہ گناہ کرتا۔ وہ اپنے خلق کی

کو جانتا ہی۔ جو ضمیر میں تیرے راز آیا ہنیں اُس نے جانا ہنیں ابھی لفظ تیرے منہ سے ہنیں نکلا کہ وہ اُسکو جان جاتا ہی۔ جو تیرے دل میں کہنے کا ارادہ ہی۔ خدا راز دار اور راز داں تیرا ہی۔ اگر چینوٹی اندہیری رات میں پتہر پر چلے تو وہ اُسسے آگاہ ہوجاتا ہی۔ قعر آب میں اگر پتہر ہلے تو اندہیری رات میں اُس کو دیکہہ لیتا ہی۔ اگر پتہر کے اندر ذرہ سا بہی چہوٹا کیڑا ہو تو اُسکی راز نہانی کو وہ جان جاتا ہی۔ تو ہمیشہ اپنے تمام کام یہ سمجہہ کر کر کہ خدا اضمائر سے مدام آگاہ ہی۔ وہ ہم چاہ ہنیں کہتے تہے جو اُسنے ہمارے لئے آراستہ کر دیا۔ جب تو گناہ کرتا ہی تو دو حال سے خالی ہنیں کیا تو یہ جانتا ہی کہ خدا اُس کو ہنیں جانتا ہو تو کافر مطلق ہی اور اگر یہ جانتا ہی کہ وہ جانتا ہی تو بڑا شوخ گستاخ بیہودہ و فرومایہ ہے بس تجہہ کو اپنے افعال شنیع سے توبہ کرنی چاہیئے تاکہ خدا کے آگے تجہے خجالت کے دریا میں ڈوبنا نہ پڑے

(۸) خدا کی راہ میں چال لڑکے کا سا بنانا چاہیئے

خدا کی راہ میں بندہ کو چاہیئے کہ وہ اپنے تئیں لڑکا بنائے جب لڑکا پڑہنے میں تقصیر کرتا ہی تو اول لطف و نوازش سے اُسکو سمجہاتے ہیں اُسکے پاس سودا اور مٹہائی لاتے ہیں تاکہ وہ راضی ہوجائے کوئی جفا اُسپر ہنیں کرتے ہیں۔ لیکن جب وہ اس طرح ہنیں پڑہتا تو پہر اُسکی پیٹہہ ہوتی ہی اور تسمہ کان اینٹہے جاتے ہیں اُستاد سے ہندید کے لئے کہا جاتا ہی گوشمالی کی تاکید ہوتی ہی۔ اگر اِس پر بہی ہنیں مانتا تو موش خانہ میں بند کیا جاتا ہی جہاں موش اُسکا گلو کترتے ہیں بس آدمی کو چاہیئے کہ پہلے خدا کی راہ میں اپنے تئیں سمجہائے کہ اُسکی عبادت سے بہشت ملیگی۔ اور اگر یوں نہ مانے تو پہر دوزخ کے موش خانہ سے ڈرانا چاہیئے۔ تجہے چاہیئے کہ انبیا کی کتابوں میں سے کچہہ پڑہا کرتا کہ تیری جہالت دور ہو۔ اِس جہان خراب اور پر ضرر میں جہالت سے بدتر کوئی چیز ہنیں ہے۔

(۹) خدا کی عبادت

عبادت الہی اُسے کہتے ہیں کہ خدا کی عظمت کے آگے اپنی فروتنی اور بندگی کو ظاہر کرے سارا دل اُسکی ہیبت اور سطوت سے بہرا ہوا اور تمام ہوائے نفسانی اور دنیا کی محبت خیال سے اور اپنے قصور سے خالی ہو۔ عبادت کے بہی اجزا ایسے ہیں جیسے انسان اعضا آدمی کے بعض اعضا ایسے ہیں کہ جنکے نقص

وہ زندہ نہیں رہ سکتا جیسے کہ دل۔ جگر۔ دماغ۔ بعض اعضا ایسے ہیں کہ اُن کے نہ ہونے سے زندگی تو
نہیں جاتی مگر مقصود زندگی فوت ہوجاتے ہیں جیسے آنکھ ہاتھ پاؤں بعض اعضا ایسے کہ جنکے نہ ہونے
سے نہ جان جاے نہ مقصود زندگی فوت ہو مگر خوبصورتی جاتی رہتی ہی جیسے کہ بھویں۔ داڑھی
پلکیں رنگ کی خوبی بعض ایسے ہیں کہ اصل خوبصورتی نہیں جاتی مگر خوبصورتی کا کمال جاتا رہتا
جیسے بھوؤں کا محدار نہ ہونا۔ داڑھی۔ پلکوں کا سیاہ نہ ہونا اعضا میں تناسب کا نہ ہونا۔ رنگ کا
سُرخ و سفید نہ ہونا۔ عبادت کے لئے اعضاء ظاہری کی حرکات ضرور ہیں پس عبادت کا جزو اعظم سجدہ
ہی جو بمنزلہ دل و جگر و دماغ کے ہی سجدہ یہ بتاتا ہی کہ سر جو تمام اعضا میں اونچا ہی وہ نیچے جُھک کر
دل کو عاجزی و فروتنی پر متنبہ کرتا ہی اور اعضاء کی حرکات ظاہری جو تعظیم و آداب کے اظہار کے
لئے ہوتی ہیں وہ بمنزلہ اور اعضاء کے ہیں عبادت کی جان بھی ایسی ہی جیسے انسان کی روح۔ وہ کیا
ہی خضوع و خشوع و حضوری قلب حضوری قلب سے ہماری مراد یہ ہی کہ جس کام کو آدمی کر رہا ہو۔ یا جس
کلام کو بول رہا ہو اُسکے سوا دوسری چیز سے دل فارغ ہو۔ پس عبادت میں حضوری قلب سے یہ مطلب ہے
کہ دل سرتاپا اسمیں محو ہو۔ خدا کی یاد۔ اُسکی عظمت جاہ و جلال بالکل دل کو گھیرے ہوے ہوں۔ اور اس سے
اپنے نفس کی حقارت پیدا ہو جس سے خشوع و خضوع پیدا ہو۔ جبتک خدا تعالیٰ کے جلال کی معرفت
نفس کی حقارت کی معرفت نہیں پیدا ہوگی خدا کی تعظیم کی اور اُسکے آگے بندگی کی حالت نہیں پیدا
ہوگی جب تک دل میں یقین نہیں پیدا ہو کہ خدا نے جو وعدہ وعید کیے ہیں وہ سچے ہیں اور اُن کے موافق
سبکو عذاب ثواب ہوگا۔ خدا کے لطف و کرم و رحم کے ایسے بڑے حقوق مجھ پر ہیں کہ میرا اپنے نفس کی
بُرائیوں کے سبب سے اُنکی بجا آوری سے عاجز ہوں۔ اور اس کی بندگی نہ کرنے سے مجھے کمال شرمندگی
ہے۔ خدا کی عظمت ہیبت اپنے نفس کی حقارت۔ خوف و رجا نفس حیا یہ سب باتیں دل میں جمع نہ ہوں
خدا کی سچّی عبادت نہیں ہوسکتی۔ عبادت تین طرح کی ہوسکتی ہی۔ ایک سچے خدا کی سچی عبادت۔ دوم
جھوٹی عبادت سوم جھوٹے خدا کی سچّی عبادت۔ ہم خدا کی سچی عبادت کا صرف بیان کرتے ہیں
جو بابا پاک سجھتے ہیں وہ صبح کو جہاں آفتاب نے مصلے انکا بچھایا محراب کی طرف دوڑتے ہیں۔ اور جسکا

چور کی طرح مُنہ چھپا کے خواب میں آرام نہیں کرتے۔ خاک پر سر رکھکر سجدہ کا تاج اُسپر رکھتے ہیں بعض عابد عبادت کرتے ہیں مگر اونکا دل عبادت میں ذرا نہیں ہوتا۔ وہ صرف زبان سے الفاظ بڑبڑاتے ہیں اور اعضا سے چند حرکات کرتے ہیں اسکو عبادت کہتے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ زبان کا ہلانا اور بعض اعضا کو حرکت دینا کیا مشکل بات ہی حضوری قلب سے مافی الضمیر کا اظہار نطق کے ذریعہ سے جناب کبریا کے حضور میں ہوتا ہے عبادت سے مقصود خدا تعالی کی حمد و ثنا اور اپنی تضرع و دعا ہوتی ہی۔ اگر دل غافل ہی تو وہ اپنے مخاطب کو جو اللہ تعالی ہی نہیں پہچانے گا اور یہ نہیں سمجھے گا کہ میں اُسکے سامنے کھڑا ہوں۔ عادت کے موافق گو وہ زبان ہلائے گا مگر عبادت کے مقصود سے محروم رہے گا۔ خدا تعالی دل کو دیکھتا ہے کہ وہ میری تعظیم کرتا ہی مجھسے ڈرتا ہی مجھسے توقع رکھتا ہی۔ اپنے گناہوں و تقصیروں سے نادم ہوتا ہی عبادت کے وقت انہیں باتوں کا دھیان ہو اور اُن سے دل نہ ہٹا ہو۔ جب آدمی عبادت کی نیت کرے تو زبردستی اپنے نفس کو اس بات پر آمادہ کرے کہ اُسوقت میں سوا خدا کے ماسوا کا دھیان نہ کرونگا جو زبان سے کہونگا وہ میرے دل میں ہوگا۔ زبان سے جو آدمی کہتا ہی اُسکی تین صورتیں ہیں۔ اول زبان متحرک دل غافل دوم زبان چلتی ہی اور دل زبان کی پیروی کرتا ہی اور اُسکے الفاظ کو اسطرح سمجھتا اور سُنتا ہی کہ گویا دوسرا شخص اُس سے کہتا ہے سوم دل اول معانی کی طرف دوڑتا ہی اور پھر دل کی زبان تابع ہوکر اُن معانی کا ترجمہ الفاظ میں کرتی ہے۔ اس بات میں بڑا فرق ہی کہ دل کی ترجمان زبان ہو یا دل کی معلم زبان۔ سچی عبادت میں دل کی ترجمان و تابع زبان ہوتی ہی۔ دل اُس کا تابع نہیں ہوتا ہر چیز کا ایک حق ہوتا ہی۔ وعدہ کا حق رجا۔ وعید کا حق خوف۔ امر و نہی کا حق ارادہ مصمم اُسکی تعمیل کا۔ نصیحت کا حق اُسسے پند حاصل کرنے کا۔ احسان کا حق اُسکے شکر بجا لانے کا۔ ان سب حقوق کا ادا کرنا عبادت ہے۔ اصل عبادت دل کی خشوع کا نام ہی کیونکہ خشوع ایمان کا نتیجہ و ثمرہ ہی۔ اسکو یقین ہی کہ خدا تعالی بندہ کے حال پر مطلع ہی بندہ خدا کی عظمت اور اپنی ذلت کو پہچانتا ہی۔

انسان کا دل راعی ہی اور اعضا رعیت ہیں۔ راعی اور رعیت دونو کی درستی ساتھہ ہوتی ہی۔ ہر کام انکر دل کی مناسبت سے ہوتا ہی پس جنکی طبیعت فکر عبادت سے مناسبت رکھتی ہی وہ سبطرح حق عبادت ادا

کرتے ہیں دل کے ساتھ اعضا بھی عبادت میں مصروف ہوتے ہیں جن کا دل مجلا ہوتا ہی۔ اُس میں عبادت کا
پرتو پورا پڑتا ہی جنکے دل پر میل کی تہیں جم رہی ہیں اُن میں کوئی ہدایت کا پرتو نہیں پڑتا۔ کچھ اُس منعم حقیقی
کی طرف سے تجلی نہیں ہوتا۔ یہ بھی یاد رکھو کہ عبادت الٰہی کا حال اور دُنیا کی چیزوں کا سا نہیں ہی کہ اُن کی
تکرار اور مداومت اور واقفیت سے دل پر اُس کا اثر اُتر جائے۔ بلکہ عبادت جتنی دفعہ اور جتنی مدت تک زیادہ
کی جاتی ہی۔ اس کا اثر دل پر زیادہ ہوتا جاتا ہی۔ دل پر انوار الٰہی کی تجلی بڑہتی جاتی ہے انتظام عالم
کے اسرار کہلتے جاتے ہیں مخلوقات کے عقدے حل ہوتے جاتے ہیں ہر شے میں پروردگار کی قدرت
و حکمت زیادہ سمجھ میں آتی جاتی ہی۔ کچھ اور ہی عالم اُن کی نظروں میں سما جاتا ہی۔ وہی وہ ہر طرف نظر
آتا ہے۔ جیسے کہ سمندر میں پانی کی لہریں اُٹھتی ہیں خدا پرستوں کی دل میں خدا کے ستائش کا جوش اُٹھتا ہی
جیسے کہ سورج کی ان گنت کرنیں زمین پر پڑتی ہیں ایسے ہی اُن کے دلوں میں خدا کی حمد و ثنا کے نور کی
کرنوں کا ہجوم ہوتا ہی۔ خدا کے جلال و جمال پر جو نقاب پڑا ہی اُس کا اٹھانا اُن عارفانِ کامل ہی کا کام ہے

(۱۰) خدا جسے رکھے اُسے کون چکھے

آدمی مُنہ میں نوالہ رکھتا ہی اور اُس میں سے ثابت گندم نکال کر الگ رکھتا ہی۔ اس گیہوں کے دانہ کو نہ ٹڈی
نے کھایا نہ مرغ نے چگا نہ چکی نے پیسا نہ توے اور تنور کی گرمی نے اُسپر اثر کیا۔ پس اسی طرح جسکی جان
و مال و آبرو کو خدا تعالیٰ بچاتا ہے۔ اُسپر کوئی آفت نہیں لا سکتا۔ وہ اُس دانہ کی طرح بچا رہتا ہے

(۱۱) خدا تعالیٰ کی معرفت

انسان بجز اپنے نفس اور اپنی ایسی صفات کے جو اُسکو اُس وقت حاصل ہوں اور چیز کا ادراک نہیں کر سکتا
یا کوئی صفت جو اُسکو پہلے حاصل تھی۔ اُسکے قیاس سے دوسری چیز کو سمجھتا ہی پھر کبھی اس بات کو نہ سمجھتا
کہ میری صفت اور دوسرے کی صفت میں شرف و کمال کی رو سے فرق ہی مثلاً آدمی کی طاقت میں صرف
اتنی بات ہو کہ خدا تعالیٰ کے لئے وہ باتیں ثابت کرے جو کہ اُس میں خود موجود ہیں یعنے فعل و علم و قدرت
و ارادہ وغیرہ وہ اس بات کی تصدیق کر سکتا ہی کہ خدا میں یہ صفات کامل تر اور اشرف ہیں غرض
انسان کی بڑی دوڑ یہی ہی کہ اپنی صفات کے گرد پھرا کرے اور جس بزرگی اور جلال کے ساتھ خدا تعالیٰ

خاص ہے۔ اُس تک رسائی نہ ہو۔ اسی لئے حقیقت کے ساتھہ خدا تعالیٰ کو خود اُسکی اپنی ذات پاک جانتی ہے۔ انسان اُسکی معرفت سے عاجز ہے۔ خدا کی ہزاروں صفات سے انسان جاہل ہے۔ وہ تو اُسکی اُنہیں صفتوں کو جان سکتا ہے جو اُس میں خود ہیں۔ اسی لئے خدا کی بڑی معرفت یہی ہے کہ انسان یہ کہے کہ میں اُس کو نہیں پہچان سکتا۔

(۱۲) خدا سے ارادت

دنیا میں وہم و خیال نے جال پھیلا رکھا ہے تو اُس کے اندر عادتوں کے پھندوں میں پھنسا ہوا ہے جو منشور سعادت حق نے تجھے دیا ہے اُسکے خلاف تو نے اپنی عادت کر رکھی ہے۔ آنکھیں تجھے اس لئے دی گئی ہیں کہ تو صنائع کو دیکھ صانع کو پہچان مگر اُن سے تو معشوق رعنا کا انتظار دیکھتا ہے اور اُن کی زلف و رخسار کا تماشا کرتا ہے۔ کان اسلئے دئے گئے تھے کہ تو احکام یزدانی سن مگر تو نے اُن کو ایک روزن بنا رکھا ہے کہ جس میں چنگ و نے کی آوازیں اور غزل و ٹپے کی تانیں آتی ہیں۔ ہاتھہ اسلئے دئے گئے تھے کہ کسب حلال بے رنج و ملال تو حاصل کر مگر تو اُس سے شراب کا پیالہ لئے بیٹھا ہے جو تیرے ہاتھہ پر آبلہ معلوم ہوتا ہے۔ پاؤں اسلئے دئے تھے کہ اہل صفا کے ساتھہ راہ وفا میں چل تو آفات اور خرافات کی راہ میں چلنے لگا۔ لب و دنداں و زبان و قوت نطق و بیان اسلئے دئے گئے تھے کہ صدق و صواب کے باب میں متکلم ہو کر لوگوں سے خطاب کرے مگر تو سخن سنج اسطرح ہوتا ہے کہ خلق کو رنج پہونچتا ہے۔ یہ سب عادتیں تیری بد ہیں خرد کے موافق نہیں۔ تو ان عادات کے پردہ کو اُٹھا دے اور وہ خو اختیار کر جس سے سعادت حاصل ہو۔ خدا کے ساتھہ رشتۂ ارادت مستحکم ہو۔

(۱۳) خدا کی تعریف اور توحید

خداوہ قادر مطلق و صانع برحق ہے جسکے قبضۂ قدرت میں از فرش تا عرش مرکز زمین سے لیکر خورشید فلک تک ساری چیزیں ہیں۔ اُسنے ہزاروں عجائب و غرائب اشیا سے آسمان اور زمین کو آراستہ کیا اور ایک ایک ذرہ میں اپنی قدرت کو ظاہر کیا۔ کوئی ذرہ آسمان و زمین میں ایسا نہیں کہ جو اُسکی قدرت کاملہ پر شہادت نہ دیتا ہو۔ کوئی برگ درخت نہیں جو اُسکی حکمت بالغہ پر دلالت

ذکر تا ہو۔ کوئی دانہ زمین سے نہیں اُگتا کہ اپنے بونے والے کی توحید پر ہزار زبان سے اقرار نہ کرتا ہو اور اپنے اُگانے والے کی قدرت پر ہزار طرح سے شہادت نہ دیتا ہو۔ ہر درخت کا پتا اُسکی وحدانیت کا مُقر ہے۔ جس ورق پر غور کیجے اُسکی معرفت کا دفتر ہے۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ۔ ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

پھول کی نزاکت اور رنگت میں کانٹے کی خلش میں کہیت کے دانہ میں۔ ریت کے ذرہ میں جہاں دیکھو کارخانۂ خزاں و بہار میں صانع قدرت کی ایک قلمکاری ہے۔ اجرام فلکی کی جنبش و آرام کو دیکھو کہ اُنکی شکل و ترتیب اور سیر ایک ہی حال پر رہتی ہے۔ کوئی اپنی صورت میں نہیں بدلتا۔ کوئی اپنی گردش کو نہیں چھوڑتا۔ سب اُن کے دوائر مدار ہیں وضع۔ سلک عناصر منتظم باہم سب ایک صفت و آئین پر جو زیر ہے وہ زیر جو بالا ہے وہ بالا۔ اور شام و سحر و سال و ماہ وہ اپنی گردش آمد و شد ایک ہی قاعدہ کے موافق کرتے ہیں۔ ہر سال میں ہی فصلیں جاڑے گرمی برسات کی پیدا کرتے ہیں۔ موالید ثلاثہ (حیوانات نباتات جمادات) سے سارا جہان بھرا پڑا ہے۔ جو اُنکی انواع نہاں خانۂ ابداع سے ظہور میں آ گئے وہ کم و بیش نہیں ہوتیں۔ پس جس کارگاہ کا یہ نظم و نسق ہو وہ ایک ہی کارگزار کا کام ہے۔ دو کشور دو بادشاہوں سے آباد نہیں ہوتی۔ نہ طفل دو دایہ سے پلتا ہے۔ نہ سپاہ ہر دو سپہسالار حکومت کر سکتے ہیں نہ ایک مریض کو دو طبیب اچھا کر سکتے ہیں کیسے اہرمن و یزدان اس دنیا کا کام چلا سکتے ہیں۔ انسان کہتا ہے کہ میرا دل معرفت الٰہی کا گوہر توحید سے بھرا ہے۔ اور میری کان توحید سے پر ہیں۔ مگر یہ زبانی لاف ہے۔ اُسپر عمل نہیں جو نتیجہ تقریر سے ترتیب پاتے ہیں۔ صورت حال اُسکی تکذیب کرتی ہے۔ جس بات کو اپنی گفتگو سے فروغ دیتے ہو تمہارا حال اُسکو مضمون بے روغ کر دیتا ہے۔ یہ راستی درست روی نہیں ہے جیسا راستہ کہو ویسا کرو۔ غرض آدمی نے اپنی ہوا و نفسانی کے ہزاروں بت بنا رکھے ہیں انہیں توڑو اور خدا کی توحید کو اختیار کرو۔

۱۴) یقین کے معنی اور خدا پر یقین ہونے کے نتیجے

نفس جو کسی چیز کی تصدیق کرتا ہے اُسکے چار مقامات ہیں ایک یہ کہ تصدیق و تکذیب برابر ہوں اُسکو
شک کہتے ہیں۔ دوم نفس دونوں باتوں میں سے ایک طرف مائل ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ دوسری بات بھی
ہوسکتی ہے۔ مگر اُسکا ہوسکنا ایسا ہی کہ وہ اول کی ترجیح کا مانع نہیں اُسکو ظن کہتے ہیں۔ سوم نفس
کسی چیز کی تصدیق کی طرف اس طرح مائل ہو جائے کہ وہ تصدیق نفس پر چھا جاوے کہ اس کا خلاف
دل میں نہ گذرے اور اگر گذرے تو نفس اُس کے قبول کرنے سے انکار کرے۔ مگر یہ تصدیق معرفت
واقعی کے ساتھ نہ ہو۔ اور نفس میں گنجائش شبہ کے ممکن ہونے کی ہو۔ تو اُسے اعتقاد قریب یقین کے
کہتے ہیں جیسا کہ عوام کا اعتقاد مذہب کی طرف ہوتا ہے کہ وہ صرف سننے سے اُن کے دلوں میں جم جاتا
ہے۔ یہاں تک کہ ہر مذہب والا اپنے مذہب کے صحیح ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے اور اپنے مرشد و پیشوا کو جانتا
ہے کہ وہی ٹھیک کہتے ہیں۔ اگر کوئی اُنکے سامنے کہے کہ تمہارے پیشوا سے خطا بھی ہوسکتی ہے۔ تو اس بات کو
قبول نہ کرینگے چوتھی تصدیق معرفت حقیقی سے ہوتی ہے جو دلیل سے حاصل ہوتی ہے کہ جسمیں نہ خود
شک ہو نہ دوسرے کا شک میں ڈالنا مقصود ہو تو جب اُس میں شک کا ہونا اور نہ ہوسکنا دونوں نہ ہوویں
تو وہ یقین کہلاتا ہے مثلاً ایک سے زیادہ دو ہیں۔ جب آدمی کو خدا کی صفات پر یقین ہوگا تو ہر صفت
کے یقین سے وہ اپنی حرکات و سکنات میں برائی سے بچنے میں مبالغہ کریگا۔ اور جسقدر یہ
یقین غالب ہوگا اسقدر گناہوں سے احتراز اور طاعات کے لئے زیادہ تر تیار ہوگا جب آدمی کو یہ یقین
ہو کہ میرا خدا رزاق ہے تو طلب رزق جائز طور پر کریگا۔ کوئی چیز اُس سے فوت ہو جائے گی
تو اُس کا افسوس نہ کریگا۔ حرص و آز کا دامن دراز نہیں ہونے دیگا۔ اگر انسان کو یہ یقین ہوجاوے
کہ خدا منصف ہے تو وہ یہ جانیگا کہ طاعات کو ثواب سے ایسی نسبت ہے جیسے کہ پیٹ کو روٹی سے اور
گناہوں سے عذاب کو ایسی نسبت ہے جیسے کہ زہروں اور سانپوں کو ہلاکت سے۔ پس جیسے شکم سیر کرنے
کے لئے روٹی کا حریص ہوتا ہے۔ اور تھوڑی بہت جتنی ملتی ہے اُسکی حفاظت کرتا ہے اسی طرح
وہ طاعتوں کا حریص ہوگا اور تھوڑی بہت بجالانے کا مشتاق جس طرح قلیل و کثیر زہر سے

اجتناب کرتا ہے اسی طرح ادنی اور اعلیٰ گناہوں سے پرہیز کرے گا جب خدا کے عالم الغیب ہونے کا یقین ہوگا۔ تو جانے گا کہ وہ میرے ہر حال پر مطلع ہے۔ دل کے وسوسوں اور خفیہ خطروں اور فکروں سے واقف ہے تو وہ سب اپنے کاموں کو تنہائی میں بھی ادب سے کریگا جیسے کوئی شخص کسی بڑے بادشاہ کی نظروں کے سامنے بیٹھا ہو کہ ہر وقت گردن جھکائے اپنے سب افعال میں ادب کا لحاظ رکھتا ہے۔ اور ہر حرکت سے جو مخالف ادب کے ہو احتراز کرتا ہے۔ پس اس طرح جب یہ یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے باطن پر ایسا مطلع ہے جیسے کہ خلق کے لوگ میرے ظاہری کاموں پر تو وہ ظاہر سے زیادہ اپنے باطن کی صفائی و زینت و پاکی میں اہتمام کریگا کیونکہ جانتا ہے کہ وہ خدا تعالے کے روبرو ہے۔ ظاہر کی بناؤ و سنگار کو تو خلق کے روبرو جانتا ہے۔ پس اس یقین سے حیات خوف انکسار۔ ذلت مسکنت خضوع۔ اور بعض اور عمدہ اخلاق پیدا ہونگے۔ اور یہ اخلاق خدا کی طاعات کا سبب ہونگے۔ یہ یقین بمنزلہ درخت ہے۔ اور یہ اخلاق اسکی شاخیں ہیں جو اس سے نکلتی ہیں۔ اور اعمال و طاعات جو اخلاق سے صادر ہوتے ہیں وہ بمنزلہ پھلوں اور کلیوں کے ہیں کہ شاخوں سے نکلتی ہیں غرض یقین اساس ہے جس پر طاعات اور نیک اخلاق کا محل تعمیر ہوتا ہے جب آدمی کو یقین ہو کہ یہ چاند سورج ستارے۔ جمادات حیوانات۔ نباتات اور تمام مخلوقات خدا کے امر کی ایسی مسخر ہیں جیسے کہ کاتب کے ہاتھ میں قلم اسی کی قدرت ساری چیزوں کی مصدر ہے تو اسکے دل میں اس قدرت کے سبب سے کیوں نہ توکل۔ رضا تسلیم کا غلبہ ہوگا۔ اور غفلت۔ کینہ۔ حسد۔ بدخلقی یہ سب اس کے دل سے بھاگ جائینگے۔

(۱۵) تضرع و زاری بدرگاہ جناب باری

اے خدا تو سب تمنا مندوں کی جان ہے۔ آرزومندوں کا آرزو بخش ہے۔ تو ہی میرے کاموں کو نیک بناتا ہے مجھ پر مجھ سے زیادہ مہربان ہے۔ تیری رحمت و نعمت بے انتہا ہے۔ تو مجھے اپنا دین دے اور اپنی رضا سے قرین کر۔ میرا دل ایسا بنا دے کہ دین کی یاد پاک کیا کروں۔ یہ میری سرشت جو باد و خاک سے ہے اس کو آگ لگا دے۔ تو گناہ کا بخشنے والا اور دولت کا دینے والا ہے میں لغزندہ اور افتادہ ہوں۔

میں تیرے خشم و خشنودی کے آگے عاجز ہوں میرا دل گمراہ ہو گیا ہی۔ وہ تیری کارسازی پر نازاں ہیں کیا
میری آنکھیں گناہ جو کی کرتی ہیں وہ تیری بے نیازی سے خوف نہیں کرتیں تو جس کہانے کو منع کرتا ہے
وہ میں کہاتا ہوں تو جس کام کو منع کرتا ہی وہ میں کرتا ہوں تو مجھے بدی سے پاک کر۔ ہلاک سے نجات دے
تیرے قبول کرنے سے میری بدی بھی نیکی ہو جائیگی۔ تیری گرفت سے میری نیکی بھی بدی ہو جائے گی
میں تو بد کرنے سے بدکار ہوں۔ مگر تجھکو میرے سا تہہ نیکی سزاوار ہے۔ کوئی تیری عنایت بغیر زندہ نہیں رہ
سکتا۔ کوئی تیرے بغیر رعایت کے زیست نہیں کر سکتا۔ تو ہی دین دیتا ہے۔ تو ہی یقین دیتا ہے۔ اے ہم
امیدواروں کی امید تو ہمکو وہ چیز دے جو تیرے نزدیک ہمارے لیے بہتر ہے۔ ہماری امید ساری تیری
رحمت پر ہے۔ جان اور روزی ہماری تیری نعمت ہے۔ جو کچھ تیری قضا نے میرے لیے لکہا ہی وہ خوب
ہے زشت نہیں ہے۔ تیرے سوا کوئی مجھکو نہیں چھپا سکتا۔ تو میری سیرت کو اشرار کی صورت سے بچا۔ تیرے
خوف سے بہشت بہی دوزخ بن جاتی ہی جو تیرے حکم کے خلاف کرتا ہی وہ اپنے دل پر غفلت کا غلاف چڑہاتا ہے
تو مجھے دل سے میری دلیری دیکہہ تو مجھے اپنا ردیہ بتا پہر میری شیری دیکہہ اپنے تیر دل میرے سرکش
کو بہر دے۔ پہر دیکہہ لے کہ کوہ قاف کی کمر توڑتا ہوں۔ جو خودبیں ہی وہ خدابیں نہیں ہو سکتا جو مرد دین
بننا چاہتا ہی اسکو خودبینی سے دور ہونا چاہیے۔ اے خدا تو ایسا درد میرا مقصد بنا تیرے ہی حضرت میں
سب کی بازگشت ہی خواہ وہ عامی ہو یا عالم ہو محکوم ہو یا حاکم ہو۔ تیرے ہی ارادے سے سب پیدا
ہوتے ہیں آدمی تو خیر و شر سے غافل ہے جو کچھ ہوا ہے اور جو کچھ ہوگا وہ تیرا ہی حکم ہے جو آنکہہ تیرے
نور سے روشن ہوئی وہ آفتاب کو بہی تیرے نور کے سامنے تاریک دیکھتی ہی جس کو تیری درگاہ کا
شوق پیدا ہوا اُس سے بغض و حقد دور ہوا۔ غضب و حقد و خشم و صلح و حسد تیری ذات احد سے دور ہے
بندوں پر تیری رحمت ہی رحمت ہے۔ انسان ہی تیری دُرِ توحید کا صدف ہی جو اُس موتی کو کہوتا ہی وہ
مفلس ہوتا ہی جو اُس موتی کو حفاظت رکھتا ہی وہ ایسا مشہور بنتا ہی کہ اُسکو خلق سے زبان نہیں پہنچتا
ہے۔ وہی زمانہ میں سرفراز ہوتا ہی قضاء ازل کا باز بنتا ہی۔ کوئی شخص بے ریاضت کے مقصود نہیں پاتا
ہے جب تک کوئی چلاتا نہیں بید و عود برابر ہیں جب جنگل سے باز کو صید کرتے ہیں اُسکی گردن

پاؤں کو قید کرتے ہیں آنکھوں پر ٹوپی چڑہاتے ہیں پہر اُسکو شکار کرنا سکہلاتے ہیں وہ تہوڑے سے طعمہ پر راضی ہوتا ہے اور اپنا طعمۂ ماضی بہول جاتا ہے جب اس طرح کی ریاضت کرتا ہے تو بادشاہوں کے ہاتہوں پر بیٹہتا ہے۔ اگر یہ ریاضت نہ کرتا تو وحشی رہتا۔ جو کوئی اوسکو دیکہتا آگے سے بھگاتا۔ بس اگر تجہہ کو ناز کرنا منظور ہے تو ریاضت کر۔

(۱۴) خدا نے بندے کو کرنے یا نکرنے کا اختیار دیا ہے

بندے کو کرنے یا نکرنے کا اختیار ہے۔ مگر یہ اختیار خدا کا پیدا کیا ہوا اور دیا ہوا ہے۔ اسلئے انسان اُس میں مجبور ہے مثلاً خدا تعالیٰ نے آدمی کا ہاتھ صحیح و سالم پیدا کیا اور لذیذ کہانے کو پیدا کیا۔ اور معدے میں خواہش کہانے کی پیدا کی اور دل میں واقفیت پیدا کی کہ اُس کہانے سے خواہش کو تسکین ہوگی اور یہ تردد پیدا کیا کہ باوجود تسکین خواہش کے اُس کہانے میں کچھہ ضرر ہے یا نہیں اور اُسکے مقابل یہ تردد پیدا کیا کہ اُس کہانے کے ساتہہ کوئی ایسا امر مانع ہے یا نہیں جس سے غذا کا کہانا معذور ہو پہر یہ علم پیدا کیا کہ کوئی مانع نہیں پس جب اتنے اسباب جمع ہوگئے تو ارادہ کہانے کا پکا ہوتا ہے یہی ارادہ پکنا بعد ان تردد آت کے اور بعد غلبہ خواہش کے اختیار کہلاتا ہے اور جب اُسکے سبب پورے ہوجاتے ہیں تو وہ بہی ضرور ہی موجود ہوتا ہے مثلاً جب اللہ تعالیٰ اُسکے پیدا کرنے سے ارادے میں پختگی آتی ہے اُسوقت ہاتہہ کہانے کی طرف ضرور بڑہتا ہے کیونکہ بعد تمام ہونے ارادہ اور قدرت کے فعل کا بر روے کار آنا ضروری ہے۔ اسلئے ہاتہہ کو حرکت ہوتی ہے تو جب حصول قدرت اور پختگی ارادہ خدا کے پیدا کرنے سے ہیں۔ تو ہاتہہ کی حرکت بہی اُسی کی مخلوق ہوئی۔ اور پختگی ارادہ جب ہوتی ہے کہ اول خواہش صحیح اور موانع کے نہ ہونے کا علم ہو چکے۔ اور یہ دونوں ہی خدا کی مخلوق ہیں لیکن ان مخلوقات میں ایک ترتیب خاص خداوند کریم نے رکھہ دی ہے کہ خلق میں ایسی ترتیب و عادت کے موافق ہمیشہ انتظام رہتا ہے مثلاً ہاتہہ میں حرکت لکہنے کے لئے نہیں پیدا کرتا جب تک کہ اس میں قدرت اللہ حیات اور ارادہ مصمم نہیں پیدا کرتا۔ اور ارادہ مصمم نہیں پیدا ہوتا جبتک کہ خواہش اور رغبت نفس میں نہیں پیدا کرتا۔ اور یہ رغبت جب تک خوب نہیں اُٹہتی جب تک اس بات کا علم نہیں پیدا کر دیتا کہ لکہنا نفس کے موافق ہے

اور علم کو بھی جو پیدا کرتا ہے تو اور اسباب پیدا کرتا ہے جنکا مآل حرکت اور ارادہ اور علم پر آ رہتا ہے غرض
کہ علم اور خواہش طبع کے بعد پکا ارادہ ہوتا ہے۔ اور قدرت اور ارادہ کے بعد حرکت واقع ہوتی ہے
اور ہر فعل میں اسی طرح کی ترتیب ہے۔ اور یہ سب چیزیں خدا کی پیدائش کی ہیں لیکن بعض مخلوقات
بعض کے واسطے شرط ہیں اسلئے بعض کا مقدم ہونا اور بعض کا موخر ہونا واجب ہے مثلاً ارادہ بعد علم
ہی کے پیدا ہوتا ہے اور علم بعد حیات کے۔ اور حیات بعد جسم کے تو جسم کی پیدائش شرط ہے حدوث
حیات کے لئے نہ یہ کہ حیات جسم میں سے پیدا ہوتی ہے۔ اور حیات کی پیدائش شرط ہے علم کی پیدائش
کے لئے۔ نہ یہ کہ علم حیات سے نکلتا ہے بلکہ محل قبول استعداد جب ہی ہوتی ہے جب وہ زندہ ہو۔ اسطرح
علم کی پیدائش شرط ہے پختگی ارادہ کی نہ یہ کہ علم سے پختگی ارادہ نکلتی ہے بلکہ ارادہ کو وہی جسم
قبول کرتا ہے جو زندہ اور قائم ہو۔ غرض کہ ممکن کے سوا کوئی چیز وجود بنیادی میں داخل
نہیں ہوتی۔ اور امکان میں ایسی ترتیب ہے جسمیں تبدیل نہیں ہوتی اسواسطے کہ اُسکی تبدیل محال
ہے۔ پس کسی وصف کی شرط پائی جاتی ہے۔ اس شرط کے سبب سے محل میں لیاقت وصف کے قبول
کرنے کی ہو جاتی ہے۔ پھر وہ وصف خدا کی عنایت اور قدرت ازلی سے لیاقت آجانے کے بعد
موجود ہو جاتی ہے اور چونکہ شرطوں کے سبب سے لیاقت میں ترتیب ہوتی ہے۔ تو خدا تعالیٰ کے کرنے
سے ممکنات کے موجود ہونے میں یہی ترتیب ہوگی اور بندہ ان ترتیب ممکنات اور حوادث کے لئے
محل ہے اور یہ حوادث قضاء الٰہی میں ترتیب کلی سے مرتب ہیں جنمیں تبدیل نہیں ہوتی اُن کا
ظہور تفصیل وار متعلق علم و اندازہ الٰہی کے ہے کہ اُس سے تجاوز نہیں کرتے۔

(۱۷) خدا کی حکمت سے انسان کی غفلت

ایک احمق نے اونٹ سے پوچھا کہ تیری کوئی کل سیدھی نہیں۔ اونٹ نے جواب دیا کہ چپ لگا میری
صورت کو عیب لگا۔ تو میری کجی پر نگاہ نہ کر مجھ سے راہ راست چلنی سیکھ میری ساری کجی میں خدا تعالیٰ
نے راستی رکھی ہے صورت میں عیب بتانا مصور کو عیب لگاتا ہے۔ تو نہیں جانتا کہ گوش خر اسکے سر کے
در خور خدا نے بنائے ہیں جو کچھ خدا تعالیٰ نے بنایا ہے اسمیں عیب نکالو۔ ساری بد و نیک میں سمع ارائش کی

نیکی کے نہ سمجھے۔ عاقلوں کے نزدیک جو زشت و نیک ہے وہ بہت ہی نیک ہے۔ خدا کی شان سے یہ ہی نہیں کہ وہ
بد بنائے۔ خواہ کیسی ہی کوئی چیز زشت تم کو معلوم ہو مگر اُسکو سمجھ لو کہ خدا نے اُسکو نیک ہی بنایا ہے
جسم کو رنج و راحت دونو ہوتے ہیں روح کو راحت گنج معلوم ہوتی ہے جسکے سر پر شکنج کا مار بیٹھا ہے
جسکی سرکوبی کے واسطے خرد کے ہاتھ پاؤں برابر موجود ہیں ایسا ہی حال ایک احول لڑکے کا
سنو کہ اُسنے باپ سے کہا کہ میں نے سُنا ہے کہ احول ایک کے دو دیکھتا ہے۔ مگر مجھے تو کوئی چیز زیادہ نہیں
دکھائی دیتی۔ آسمان پر دو چاند ہیں وہ چار مجھے نظر نہیں آتے۔ یہ غلط مشہور ہے کہ احول طاق کو
جفت دیکھتا ہے۔ پس یہی حال کج بینی کا دین کے طریق میں ہے۔ وہ ایسی ہی حجتیں نکالتے ہیں
جیسے کہ اونٹ کے باب میں اوپر بیان ہوئیں جو صاحب عقل ہیں وہ خدا تعالیٰ کی صنعت سے خلل کو
اپنا قبلہ بناتے ہیں اُسکو بے بدل جانتے ہیں اُن کی روح کو خرد سے شرف دیا ہے جب اُنکی دعا
اجابت نہیں ہوتی تو اُسکو جانتے ہیں کہ خدا کی حکمت اُسکی مانع ہے۔ جیسے کہ طبیب گل خوار کو جسکا
دل گل کھانے کو بہت چاہتا ہے۔ اس سبب سے گل نہیں دیتا کہ وہ اُسکی عمر کو گھٹائے گی اسی طرح
ہماری دعاؤں کو خدا نہیں قبول کرتا۔ کہ وہ ہمارے حق میں مضر ہونگیں وہ ہر انسان کو ہر چیز دیتا
ہے جو اُسکی حکمت اور داد کے نزدیک مناسب ہوتی ہے۔ غرض جو کچھ ہوتا ہے وہ اسکی حکمت مقدر
کرتی ہے مگر ہماری عقل پوسیدہ اُنکو بے سبب حکمت جانتی ہے۔ خدا کی حکمت دیکھو کہ اگر ہاتھی کے
پوست کو پشہ کاٹتا ہے تو اُسکے اُڑانے کے سامان بھی خدا نے ہاتھی کو دیا ہے۔ اگرچہ جوئیں آدمی کے
بدن میں پڑیں تو اُن کے مارنے کے لئے ناخن بھی موجود ہیں اگر پہاڑ میں سانپ بہت ہو جائیں
تو اُنکے مارنے کے لئے پتھر بھی ہیں اور اُن کے علاج کے لئے تریاک بھی پہاڑ میں بہت ہے۔ بچھو کے لئے
کفش و نعل موجود ہیں۔ اگر دُنیا میں درد فراواں ہیں تو اُن میں سے ہر ایک کے لئے درمان ہے
معدہ و شریان سے جگر و دل نے تن میں آب و ہوا روان کی تاکہ جسم میں ایک کی جنبش سے دوسرے
کے سکون سے بذریعہ خون جان باقی رہی۔ انسان نے زشت و خوب نام رکھ چھوڑے ہیں ورنہ
خدا نے تو کوئی بُری چیز بنائی نہیں اُس کی شان سے نہیں ہے کہ کوئی بدی اُس سے وجود میں آسکے

تو اُسکے زہر کو بھی نوش جان - اُسکے قہر کو بھی لطف سمجھہ - تا اگر مٹھائی دے تو مہربانی سمجھہ اگر کھینچنے لگا تو اُسکی محبت سمجھہ - تو نہیں دیکھتا کہ جب بچہ چھوٹا ہوتا ہے تو دایہ کبھی اُسکو گہوارہ میں جھلاتی ہے کبھی اپنی بغل میں گود میں لیتی ہے کبھی اُسپر سختی کرتی ہے کبھی نرمی - کبھی اپنے سے دور لٹا دیتی ہے کبھی اُسکے رخساروں پر بوسہ دیتی ہے - اُسکے بوجھہ کو لئے پھرتی ہے - کبھی اُس کو مارتی دھاڑتی ہے غصہ ہوتی ہے - مرد بیگانہ یہ دیکھہ کر دایہ پر غصہ ہوتا کہ وہ بچہ کے ساتھہ بے التفاتی کرتی ہے - مگر وہ یہ نہیں جانتا کہ دایہ اُسپر سراسر مہربانی کرتی ہے اور کوئی کام اُسکے ساتھہ نہیں کرتی جسمیں شفقت و محبت نہیں ہوتی - بس یہی حال ہمارے کردگار کا ہمارے ساتھہ ہے کہ جو ہمارے لئے مناسب جانتا ہے وہ روزی دیتا ہے کبھی محرومی ہے کبھی بہروزی - کبھی سر پر موتیوں کا تاج رکھتا ہے - کبھی کوڑی کو محتاج کرتا ہے - خدا نے جب آفاق پیدا کیا ہے تو اُس میں کوئی چیز ایسی نہیں پیدا کی کہ جسپر بد کا اطلاق ہو ایک کے واسطے زہر کو غذا بناتا ہے دوسرے کے واسطے مرگ - خدا کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا جو کچھہ تیرے واسطے خدا کرے اُسکو یہہ سمجھہ کہ میرے حق میں یہی بہتر تھا تو حق کا فرمانبردار ہو تجھے جو اپنی مصیبت میں نعمت نظر نہیں آتی تو اُس کا سبب یہ ہے تیری عقل اندھی ہے + خدا ہی کو حکم و حکمت سزاوار ہے - وہی بے نیاز ہے تو اس کا نیازمند بن - وہی پاسدار ہے تو اُسکا سپاس گزار ہو وہ تیرا داعی ہے مگر تو گرگ پسند ہے - وہ تیرا داعی ہے تو اُس کا حاجتمند ہے +

(۱۸) رضا و تسلیم الہی

جان شریعت کے لئے جو حکم خدا دیتا ہے اُس میں صنع لطیف ہوتی ہے - جو دانا ہیں وہ اس بات کو سمجھے ہیں جو خدا کرتا ہے وہ خیر ہی ہوتی ہے - جو ادیب گوشمال دیتا ہے وہ ہی تاج سر ہوتی ہے - اگر پہلو میں درد ہو یا بیماری کا رنج یا پاؤں میں کانٹا چبھے - ان سب کو تو کرم اور محض کرم جان - وہ اس تیرے رنج کو ضائع نہیں کرے گا - اگر تو دعا مانگتا ہے اور وہ قبول نہیں ہوتی تو جان لے کہ کوئی حکمت اُسکی مانع اجابت ہے - میں نے اور تو نے نیک و زشت نام رکھہ چھوڑے ہیں خدا تو سوا نیکی کے کچھہ نہیں کرتا - خداے عزوجل کا سارا عالم ہے - تجھکو اس میں کیا دخل و محل ہے - ایک چیز

سب طرح سے ظاہر میں خوب ہی مگر باطن میں سب طرح معیوب ہے۔ تجھے اُس کی کیا خبر ہے تیری عقل
اُس کا ادراک نہیں کرسکتی جو کچھہ خدا کرتا ہی وہ خوب نیک ہی ہوتا ہی۔ خدا کی دانش کے آگے
پیدا و نہاں سب یکساں ہی جو دنیا میں سوز و ساز ہیں اُسمیں خدا کے راز ہیں۔ بہت سے شہر تیرے
واسطے زبوں ہیں بہت سے درد تیرے واسطے دارو ہیں جو گمراہ ہوتا ہی وہی اُس کی قضا پر آہ کرتا ہے
جو قضا پر رضا نہیں رکہتا وہ بخدا خدا کو نہیں پہچانتا۔ قضا و قدر کی مَے سے جان کو مست رکہنا چاہئے
اُسکے واسطے خدا کے سد شکر بھیجنے چاہئیں خدا کے کسی حکم کو بلا نہیں جاننا چاہئے ہمیشہ عطا خیر
کرتا ہے۔ رافع رنج۔ فاتح گنج کرامات تو تسلیم و رضا کو جان جو تلخی پیش آئے اُسکو دل پر شیریں بنا۔
قضاء الٰہی پر راضی رہنا اپنا آئین ٹہرا جو رنج یا شکست پیش آئے اُس پر راضی رہ۔ اُسی سے روضہ رضوان
تجھے ہاتھہ آئیگا۔ اگر سر پر تیرے آرہ ہی چلے تو تو اُسکو شانہ سمجھہ بلکہ دل کا راگاہ پر اُسکو افسر شاہ جان
تو گل خنداں کی طرح خرم رہ غنچہ کی طرح درہم برہم نہ ہو۔ دل سے گرہ نے کی طرح کہول دے ہوس
سے گرہ پر گرہ نہ لگا۔ خوب جان لے کہ کوئی چیز غیر خدا سے نہیں ظہور میں آتی جو بند و کشا دہی وہ اُس کی
طرف سے سمجھہ۔ اُسکو اپنی عین مراد جان۔ تو دل سے سب طرح خوش ہوگا۔ رنج و غم کم ہوگا۔ بندگی میں
آزادی سے زیست ہوگی۔ اندوہ و الم میں بھی شادی ہوگی۔ جو رنج پسند ہی اُسکو کوئی رنج اور
گزند نہیں پہونچتی۔ غرض اقلیم رضا کی طرف گہوڑا دوڑا۔ اور رنج و عنا کی تنگنائی سے باہر نکل +

(۱۹) نکتہ

ای جوانمرد تو اس نکتہ کو یاد رکہہ کہ جو خزانہ تیرے پاس ہو اُسکو خدا کے حوالہ کردے وہ تجھکو
پھر دیگا۔ اگر تو اپنے پاس رکہے گا کہو بیٹھے گا۔ سونے کو آگ میں ڈالتے ہیں تو کہوٹ ڈہل جاتی ہی
زر صافی نکل آتا ہی۔ اسی طرح جو تیرے پاس ہی وہ اس آتش آرا کو دیدے جو اُسکو خالص بنا دیگا۔ تیرے خزانہ
کے واسطے وہی بہتر خازن ہی +

باب دوم

تہذیب الاخلاق

(۱) تمہید

افسوس ہی کہ اکثر طالب علموں کی یہ عادت پڑگئی ہی کہ جو مضامین پڑہتے ہیں اُن کو سوچتے سمجھتے نہیں
اُن میں اصطلاحات و محاورات و الفاظ جو آتے ہیں اُن کا مفہوم ذہن میں اپنے صحیح صحیح نہیں جمانتے
مثلاً عقل وہم خیال کے الفاظ وہ پڑہینگے تو اُن کے معانی ذہن میں یہہ سمجھتے ہو کہ عقل چہ گوئی گوئیش مردان
بباید۔ وہم کی دارو نہیں لقمان کے پاس۔ دُنیا خواب و خیال ہے۔ ظاہر ہی کہ ایسے محاوروں کے معانی سمجھتے
سے وہ ہمارے مضامین سمجھنے کا حق کما حقہ نہیں ادا کرسکتے۔ اس لئے ہم نے اول الفاظ و اصطلاحات
و محاورات کے معانی بالتفصیل لکھدئے ہیں کہ اگر طلبہ اُنکو ذہن میں محفوظ رکھینگے تو مفز سخن کو پہنچینگے

(۲) قلب روح نفس عقل

ان الفاظ کے مختلف معانی زبان محاورہ میں مستعمل ہیں جیسے اُن کی باتوں سے میری روح تنگ ہوتی ہے
میری اور اُنکی صفائی قلب نہیں میرا نفس نہیں قبول کرتا کہ میں اُن پاس اپنی التجا لے کر جاؤں عقل
کے ناخن لو۔ ایسے محاوروں میں جو معانی اِن الفاظ کے ہیں وہ ہمارے مضامین میں مقصود نہیں ہیں بلکہ جو
اصل مطلب ہے وہ ہم بیان کرتے ہیں قلب کے دو معنی ہیں ایک وہ گوشت کا ٹکڑا جو سینہ کے اندر ہی جس کے
اندر سے خون سارے بدن میں دورہ کرتا ہی۔ اور پہر وہیں آجاتا ہی۔ مگر اس معنی سے ہمکو کام نہیں پڑیگا
قلب کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ وہ قدرت مدرکہ ہی جو حزن و ملال انبساط و مسرت کو ادراک کرتی ہے
اِس پیکر خاکی کو قفس اور قلب کو طوطی جانو طوطی و قفس میں ہمیشہ تمیز کرو۔ قلب بادشاہ ہی یہ اُس کا
خرگاہ ہے۔ بادشاہ جدا ہی اور خرگاہ جدا۔

روح۔ ایک معنی اُسکے بخار لطیف کے ہیں کہ جوف قلب میں نضج پاکر اور وہاں سے بذریعہ شریان کے
تمام اعضا بدن میں پہیلتا ہی۔ اُس کا حال ایسا ہی جیسا کہ گہر میں چراغ کا روشن ہونا جس سے چیار دانظر

مکان میں روشنی پھیلتی ہے۔ اسی کے سبب سے ہمارے تمام اعضا و حواس کام دیتے ہیں اگر وہ نہ ہو تو یہ بدن ہمارا مٹی ہے۔ دوم معنی وہ شی جو انسان کے بدن میں غیر فانی ہے۔

نفس۔ وہ شی انسان میں ہے کہ قوت غضب و شہوت کی جامع ہے یا یہ کہو کہ نفس انسانی بذات خود ادراک کرتا ہے۔ اور بدن محسوس میں بہ توسط قویٰ و آلات کے تدبیر و تصرف کرتا ہے۔ اب اس نفس کی کئی قسمیں ہیں۔

نفس مطمئنہ۔ یہ نفس صفات مختلفہ کے ساتھ موصوف ہوتا ہے جب شہوات سے مزاحمت کرتے کرتے اس کا اضطراب دور ہو جاتا ہے اور فرمانبردار ہو جاتا ہے تو اُس کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔

نفس لوامہ۔ مگر جب نفس کو سکون نہیں ہوتا وہ ہمیشہ شہواتی حرکتوں سے رکتا رہتا ہے اور اُس پر ملامت کرتا ہے تو نفس لوامہ کہتے ہیں۔

نفس امارہ۔ جب نفس شہوات کا مطیع و منقاد ہو اُس کو نفس امارہ کہتے ہیں۔

عقل۔ وہ ایک قوت ہے جو حقائق امور کو ادراک کرتی ہے اور علوم کی مدرک ہے اُس کا نام نفس ناطقہ بھی ہے۔ یعنی نفس کی وہ حالت یا ملکہ جو خواہش و لاتا ہے بھلائی اور نفع خیر چیز کی طرف اور بچاتا ہے شرور اور مضرت کی چیزوں سے یہی قوت ہے جو نظام امور معاش و معاد میں کوشش کرتی ہے اگر وہ مستحسن طور عمل کرتی ہے تو وہ عقل معاش و معاد کہلاتی ہے اور ممدوح ہے اگر وہ اپنا عمل امور باطلہ میں کرتی ہے تو مذموم ہے۔ غرض یہ چاروں شے ایسی ہیں کہ اُنکو ذاتاً و فعلاً مادہ سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ اور اُن میں صفت ادراک مشترک ہے۔

(۳) تہذیب اخلاق و حواس ظاہری و باطنی

(۱) ہر علم کا موضوع ہوتا ہے کہ جس سے اُس علم میں بحث ہوتی ہے۔ اب تہذیب اخلاق ایک علم ہے کہ جس کا موضوع نفس انسانی ہے۔ اس میں اُسی سے بحث ہوتی ہے کہ نفس انسانی کیونکر ایسے خلق کو اکتساب کرے کہ تمام افعال اُسکے جو ارادہ سے صادر ہوں۔ وہ نیک و محمود و جمیل ہوں۔ نفس انسانی سے پہلے بہت سے افعال صادر ہو سکتے ہیں۔

(ب) حواس ظاہری و باطنی

نفس انسانی جو ادراک کرتا ہے وہ دو طرح کا ہوتا ہے ایک حواس ظاہری۔ باصرہ۔ سامعہ۔ شامہ۔ ذائقہ لامسہ سے۔ دوم حواس باطنی سے جو یہ پانچ بہ تفصیل ذیل ہیں۔

حس مشترک۔ خیال۔ فکر۔ یا قوت متخیلہ یا متفکرہ۔ وہم۔ ذکر (حافظہ) اول حس مشترک یہ کام کرتی ہے جو شئے حواس ظاہری سے محسوس ہوتی ہے۔ وہ اسکو لے لیتی ہے۔ دوم خیال۔ یہ حس مشترک کا خزانہ ہے یعنی جو صورتیں حس مشترک لے لیتی ہے انکو خیال میں رکھ دیتی۔ سوم فکر یا قوت متخیلہ یا متفکرہ اسکا کام ہے کہ جو صورتیں خیال میں جمع ہوں انکو کبھی باہم مرکب کرتی ہے اور کبھی ایک دوسرے سے جدا کرتی ہے کبھی آدمی کے دس سر بنا کے راون بنا دیتی ہے کبھی بن سر کا کر کے غول بیابانی۔ چہارم حس وہم۔ اسکا کام یہ ہے کہ خاص صورتوں میں خاص معنی دریافت کرتی ہے جیسے کہ بھیڑئے کی عداوت بکری سے پنجم ذکر جسکو حافظہ بھی کہتے ہیں وہ وہم کا خزانہ ہے جیسے خیال حس مشترک کا خزانہ ہے۔

(۴) خوش خلقی و بد خلقی کی حقیقت

خوش خلقی و بد خلقی کے بیان کرنے میں اکثر اسکی حقیقت نہیں بیان کرتے بلکہ اسکے ثمرات اور نتیجے بیان کرتے ہیں مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ فلاں شخص بڑا خوش خلق ہے اسلئے کہ وہ کشادہ پیشانی رہتا ہے۔ اپنی دولت بہت دیتا ہے۔ کسی کو ایذا نہیں پہنچاتا۔ دوسرا شخص کہتا ہے کہ فلاں شخص بڑا خوش خلق ہے کیونکہ مرنج و مرنجاں ہے۔ تیسرا شخص کہتا ہے کہ فلاں شخص خوش خلق ہے کہ وہ محرمات سے بچتا ہے۔ حلال روزی کمانی میں کوشش کرتا ہے۔ اہل و عیال کی پرورش کرتا ہے۔ بردبار ایسا ہے کہ کسی سے انتقام نہیں لیتا ہے۔ ظالموں تک کی مغفرت کے لئے دعا کرتا ہے۔ یہ سب باتیں خوش خلقی کے ثمرات ہیں اب تم خوش خلقی کی حقیقت سنو کہ دو لفظ ہیں ایک خَلق۔ دوسرا خُلق جب کہتے ہیں کہ فلاں شخص خوش خَلق اور خوش خُلق ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ حسن ظاہری اور باطنی دونوں رکھتا ہے۔ خَلق سے صورت ظاہری مراد ہوتی ہے۔ خُلق سے صورت باطنی۔ انسان دو چیزوں سے مرکب ہے۔ ایک تو بدن ہے جو آنکھ سے سوجھتا ہے۔ دوسرا نفس ہے جو بصیرت و عقل سے معلوم ہوتا ہے

ہر ایک کے لئے ایک صورت ہوتی ہو خواہ اچھی ہو یا بُری ہو۔

خُلق کی تعریف یہ ہو کہ وہ ایک ہیئت راسخہ نفس میں ثابت ہو جس سے کہ افعال بآسانی بلا فکر و تامل صادر ہوں بس اگر یہ ہیئت ایسی ہو کہ اُس سے ایسے افعال صادر ہوں جو عقلاً محمود ہوں تو اس ہیئت کا نام خُلق خوش یا حسن خُلق ہو۔ اگر اُس سے بُرے افعال صادر ہوں تو اُس ہیئت کا نام خُلق بد یا سوء خُلق ہو ہم نے اس ہیئت کے ساتھ راسخ اور ثابت ہونے کی قید اس لیے لگائی ہو کہ اگر کسی شخص سے کوئی فعل نیک اتفاقیہ صادر ہو تو وہ خوش خُلق نہیں کہلائیگا مثلاً کوئی شخص اتفاقاً کسی سبب سے بہت روپیہ اُٹھا ڈالے تو اُس کا خُلق سخاوت نہیں کہلائیگا جب تک کہ یہ بات اُسکے دل میں بالکل نہ جم جاوے اور صدور فعل میں قید بلا تامل و فکر کی قید اسلئے لگائی ہے کہ اگر کوئی شخص بڑے فکر و تامل سے بہ تکلف مال خرچ کرے یا اپنے غصّے کو دور کرے تو اوسکو سخی اور حلیم نہیں کہینگے۔ غرض خُلق نفس کی ہیئت اور صورت باطنی کا نام ہو جس طرح کہ صرف ایک عضو مثلاً آنکھوں کے اچھا ہونے سے آدمی حسین کامل نہیں ہوتا بلکہ اوسکے ساتھ۔ آنکھ۔ ناک۔ مُنہ۔ رخسار۔ وغیرہ سب کے عمدہ ہونے سے حُسن ظاہری پورا ہوتا ہو۔ اسی طرح باطن کے حُسن کے لیے بھی چار ارکان ہیں جب اُنمیں حسن ہوگا تو خوش خلقی پوری ہوگی یعنی جب آدمی میں چاروں ارکان درجۂ اعتدال پر مناسب ہونگے تو وہ خوش خلق کہلائے گا۔ وہ چاروں ارکان یہ ہیں قوت علم۔ قوت غضب۔ قوت شہوت قوت عدل (یعنی ان تینوں قوتوں کو اعتدال پر رکھنے کی طاقت) قوت علم کی صفت یہ ہو کہ آدمی اُس کے سبب سے اقوال کا صدق و کذب و اعتقادات میں حق و باطل اور اعمال میں نیک و بد جانے۔ اس علم کا ثمرہ حکمت ہو۔ قوت شہوت۔ قوت غضب کی خوبی یہ ہو کہ یہ دونو حکمت کے موافق ہوں اور اوسکے اشارہ پر چلیں یعنی جو عقل تجویز کرے اُسی پر عمل کریں۔ قوت عدل سے مراد یہ ہو کہ غضب و شہوت کو عقل کا پابند کردے۔ غرض جس شخص میں یہ چاروں رکن درجہ اعتدال کے ہونگے وہ مطلق خوش خُلق کہلائے گا۔ اور جس شخص میں صرف ایک ہی جزو یا دو جزو حد اعتدال کے ہونگے تو وہ صرف اُسی اعتبار سے خوش خُلق ہوگا۔ جیسے کسی کے چہرہ میں بعض چیزیں اچھی ہوں تو وہ

اس اعتبار سے خوش صورت کہلاتا ہی۔ قوت غضبی جو دفع غیر ملائم کا مبدء ہوتا ہی اسکی اعتدال اور حسن کا نام شجاعت ہے اور قوت شہوت جو جلب ملائم کا مبدء ہی اُسکے اعتدال کا نام عفت ہی۔ اگر قوت غضبی حد اعتدال سے زیادہ ہوگی تو اوسکا نام تہور ہی اور اگر کم ہوگی تو اُس کا نام جبن ہے اور قوت شہوت زیادہ ہوگی تو وہ شرہ و حرص کہی جائے گی اور کم ہوگی تو خمود یعنی بسکی طبیعت غرض افراط تفریط دونو مذموم و رذیل ہیں اوسط درجہ میں فضیلت و عمدگی ہی۔ ارسطو کا قول ہی کہ تمام نیکیاں وسط درجہ میں ہیں۔ قوت عدل میں کمی و بیشی کچھہ نہیں ہوتی اسکی ضد صرف ظلم ہی کہ جب عدل نہ ہوگا تو ظلم ہوگا۔ قوت علمیہ کے حسن و اعتدال یعنی حکمت میں اگر زیادتی خراب مطلوب میں ہو تو اُس کا نام مکر و فریب ہے اور اگر اُسکی کمی ہو تو بیوقوفی و بلادت۔ اس سے معلوم ہوا کہ اخلاق کی اصل چار چیزیں ہیں حکمت۔ شجاعت۔ عفت۔ عدل۔ حکمت سے غرض وہ نفس کی حالت ہے جس سے کہ سب احوال اختیاری میں صحت اور غلطی کو معلوم کرتے ہیں۔ عدل سے مراد وہ حالت نفس ہی کہ جس سے غضب و شہوت کو قابو میں رکھے اور اُن کا ترک کرنا اور برد کنا مقتضا حکمت کے موافق ہو۔ شجاعت سے یہ غرض ہی کہ قوت غضب عقل کی منقاد ہو۔ جہاں وہ اقدام کو کہے وہاں کرے عفت سے یہ غرض ہی کہ قوت شہوت عقل کی تادیب کے بموجب کاربند ہو بس ان چاروں اصول کے اعتدال کے ماتحت سب نیک اخلاق پیدا ہوتے ہیں اور افراط اور تفریط سے اخلاق بد۔ قوت عقلی کے اعتدال سے حسن تدبیر۔ تیزی ذہن۔ رائے صائب دقائق اعمال و رنفس کی آفات پوشیدہ کا معلوم کرنا۔ اُسکی افراط سے مکر و فریب۔ حقد۔ خبث باطن پیدا ہوتے ہیں اور کم ہونے سے ناتجربہ کاری۔ بے شعوری حمق جنون۔ ناتجربہ کاری سے یہ غرض ہی کہ باوجود سلامتی تخیل کے تجربہ نہ ہو۔ حمق و جنون میں یہ فرق ہی کہ احمق کا مقصود تو صحیح ہوتا ہی مگر اس تک پہونچنے کا راستہ اسکو نہیں معلوم ہوتا۔ اور یہ نہیں جانتا کہ کس طریق سے غرض تک پہونچونگا۔ اس کا طریق فاسد ہوتا ہی۔ جنون یہ ہی کہ جو بات قابل اعتبار نہیں ہے اُس کو اختیار کرلے پس اُسکے اختیار ہی میں شروع سے فساد ہوتا ہی اور مقصود ہی صحیح نہیں ہوتا۔ قوت غضبی کے اعتدال سے یہی خلق نتیجہ

سے یہ صفات پیدا ہوتی ہیں کرم۔ دلیری۔ شہامت۔ کبر نفس۔ حلم۔ استقلال۔ غصہ کا فرو کرنا۔ وقار وغیرہ یہ سب باتیں اچھی ہیں۔ اسکی زیادتی تہور ہی جیسے کبر۔ شیخی۔ غصہ سے جل مرنا۔ عجب وغیرہ۔ اور اُس کی کمی سے جُبن۔ خواری۔ ذلت۔ خوف۔ خِسّت۔ پست حوصلگی۔ واجبی بات سے منقبض ہونا قوت شہوت کے اعتدال سے یعنی عفت سے یہ افعال صادر ہوتے۔ سخاوت۔ حیا۔ صبر۔ چشم پوشی۔ قناعت پرہیز۔ لطافت۔ حوصلہ۔ قلت طمع۔ اور اوسکی افراط تفریط یعنی کمی و بیشی کی صورت میں حرص بے حیائی۔ خِسّت۔ اسراف۔ گھروالوں پر کم خرچ کرنا۔ ریا۔ بے حرمتی۔ مخنث۔ لغو۔ خوشامد۔ حسد۔ شماتت تونگروں میں ذلیل بنا۔ فقیروں کو حقیر جاننا۔ خلاصہ یہ ہی کہ محاسن اخلاق کے اصول چار حکمت شجاعت۔ عفت۔ عدل ہیں اور باقی اور فروع ہیں۔ اس اوپر کے مضمون کو یوں بھی بیان کرتے ہیں کہ نفس انسانی میں تین قوتیں متبائن ہیں کہ انہیں سے انسان کے سارے افعال اور آثار بمشارکت ارادہ صادر ہوتے ہیں اور جب ان قوتوں میں سے ایک غالب ہو جاتی ہی تو باقی کیا مغلوب ہو جاتی ہیں یا مفقود۔ اول قوت ناطقہ ہی کہ اُس کو نفس ملکی کہتے ہیں اور وہ فکر و تمیز و حقائق امور میں شوق نظر کا مبدا ہوتا ہی۔ دوم قوت غضبی ہی اُس کو نفس سبعی کہتے ہیں وہ غضب و دلیری و ہولناک چیزوں پر اقدام کا اور شوق تسلط و ترفع و مزید جاہ کا مبدا ہوتا ہی۔ سوم قوت شہوانی کہ اُس کو نفس بہیمی کہتے ہیں وہ شہوات و شوق التذاذ کہانے پینے نکاح کا مبدا ہوتا ہی۔ پس فضائل نفس کے تعداد اسی تعداد کے موافق ہوتی ہی جسوقت حرکت نفس ناطقہ کی اعتدال کے ساتھ ہوتی ہی اپنی ذات میں اور معارف یقینی کے اکتساب میں اُس سے فضلیت علم پیدا ہوتی ہی جسکی تبعیت میں فضیلت حکمت لازم ہو جاتی ہی اور جس وقت نفس سبعی کی حرکت اعتدال کے ساتھ ہوتی ہی اور وہ نفس عاقل کا مطیع ہوتا ہی اور اسی پر اُسکو قناعت ہوتی ہی جو نفس عاقلہ اُس کا حصہ مقرر کرے اور کوئی بیوقت ہیجان اور اپنے احوال میں اپنی حد سے تجاوز نہیں کرتا اسی حرکت سے فضیلت حلم پیدا ہوتی ہی جسکی تبعیت میں شجاعت لازم ہوتی ہی جسوقت حرکت نفس بہیمی کی اعتدال کے ساتھ ہو اور وہ نفس عاقلہ کا مطیع ہو۔ جو نفس عاقلہ اسکی خواہشوں میں سے حصہ مقرر کرے

وہ اسپر صبر کرے اور اسکی مخالفت نکرے۔ ایسی حرکت سے فضیلت عفت پیدا ہوتی جسکی تبعیت سے فضیلت سخاوت لازم ہوتی ہے۔ جب یہ فضیلتیں آپسمیں ایک اعتدال کی حالت پیدا کرتی ہیں تو اس سے فضیلت عدالت پیدا ہوتی ہے۔ پس یوں چار فضائل حکمت۔ شجاعت۔ عفت۔ عدالت پیدا ہوتی ہیں۔ ہر ایک کا بیان جدا جدا آگے ہوگا۔

(۵) اخلاق تغیر پذیر ہے یا نہیں

بعض ارباب انش کی رائے ہے کہ اخلاق میں تغیر نہیں ہو سکتا اور اس دعوی کی دو وجہ بیان کرتے ہیں اول یہ کہ خُلق صورت باطن کا نام ہے جیسا کہ خَلق صورت ظاہری کا نام ہے۔

صورت ظاہری کی تبدیل ممکن نہیں مثلاً بونا آدمی اپنے قد کو بڑہا نہیں سکتا۔ نہ لمبا ٹنگو اپنی ٹانگوں کو گھٹا سکتا ہے۔ نہ بدصورت خوبصورت بن سکتا ہے۔ نہ اُسکا عکس ہو سکتا ہے۔ پس خُلق کی یعنے صورت باطن کی بھی یہی کیفیت ہے کہ اُسکی بُرائی بھلائی نہیں بن سکتی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حُسن خُلق چاہے کہ شہوت و غضب کا استیصال کرے۔ طول مجاہدہ سے امتحان کیا گیا ہے کہ یہہ چیزیں مزاج اور طبیعت کے اقتضاء سے ہوتی ہیں۔ پس اُسکے استیصال کے درپے ہونا سے فائدہ عمر کا ضائع کرنا ہے۔ وجہ اول کے جواب میں تو ظاہر تجربہ جانوروں کا ہے کہ باز کی وحشت کیسی اُنس سے ساتھہ بدل جاتی ہے۔ بلی کبوتروں کے ساتھہ ایک پٹارے میں بند ہو جاتی ہے۔ شکاری کُتا کیسا تعلیم سے مودب ہو جاتا ہے کہ شکار کو صرف پکڑ لیتا ہے کہانے کی حرص مطلق نہیں کرتا۔ چوگان بازی میں گھوڑا کیسا غریب ہو جاتا ہے۔ پس اگر یہ اخلاق کا تغیر نہیں ہے تو کیا ہے۔ اصل حال یہ ہے کہ موجودات میں بعض اشیا تو ایسی ہیں کہ اُن پر انسان کا اختیار نہیں چلتا ہے جیسے آسمان پر ستارے یا اعضا ظاہری و باطنی انسان یا حیوان کے ہیں۔ اُن کا وجود ایسا کامل ہے کہ اُس میں کبھی تبدیل کی ضرورت نہیں بعض چیزیں ایسی ہیں کہ وہ انسان کے اختیار میں ہیں اُن کا وجود ناقص ہوتا ہے۔ کامل ہونے کی استعداد ہوتی ہے اگر شرائط کمال پائی جائیں تو وہ درجہ کمال کو پہونچ جائیں اور وہ شرائط کبھی انسان کے اختیار میں ہوتی ہیں مثلاً آم کی گٹھلی ہے نہ کونپل ہے نہ پیڑ ہے۔ مگر اُس کی پیدائش سے

لی ہی کہ بہتر ہو سکتی ہے بشرطیکہ خدمت معمولی کی جائے پس جیسے گٹھلی انسان کے اختیار میں ہی کہ وہ
اسکو بدل کر پیڑ اور بیل بنا سکتا ہی۔ اُسی طرح انسان اپنی غضب و شہوت کے اوپر اختیار رکھتا ہی
کہ انکو بدل دے۔ ہاں اُن کا استیصال کرنا کہ بالکل اثر نہ رہے اُسپر ہمارا قابو نہیں ہے مگر اُن کا
دبا دینا ہمارے اختیار میں ہے۔ نفس میں خلق کے وجود کے دو سبب ہوتے ہیں ایک طبیعت دوسری
عادت۔ طبیعت یہ کہ کسی شخص کے مزاج کی اصل فطرت میں یہ ہو کہ اُس میں کسی خاص کیفیت کی استعداد
زیادہ ہو اور وہ ادنی سبب سے اُس کیفیت کے ساتھ متکیف ہو جیسے کسی کے مزاج کی اصل فطرت ایسی ہو
کہ غصہ بہت آتا ہو یا شہوت اُسکو بہت ہو یا بلادت ہو۔ عادت یہ ہی کہ ابتدا میں کسی فعل کی مزاولت
کی جائے اور بار بار اُسکو کیا جائے کہ پھر اُسکے کرنے میں سہولت ہو اور کچھ اُس کے کرنے میں
فکر و تامل کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ پس جو خلق طبیعی ہے اُسکا بدلنا مشکل ہے کیونکہ جس چیز کو بدلنا
چاہتے ہیں وہ دیرپا ہی اور پیدائش کے ساتھ پیدا ہوئی ہے۔ مثلاً شہوت غضب تکبر ہر ایک انسان
میں موجود ہیں ان سب میں شہوت کا بدلنا مشکل ہے کیونکہ وہ ابتدا پیدائش سے ساتھ ہوتی ہے
غصہ و تکبر تو مدت کے بعد آدمی میں پیدا ہوتے ہیں۔ دوم جو خلق عادت یعنی کثرت عمل سے پیدا ہو ...
لوگ عادت کی مقتضا کے موافق کام کرتے ہیں اور اُسکی طاعت میں سرگرم رہتے ہیں اور اُسی کو پسندیدہ
اور عمدہ سمجھتے ہیں۔ اب اُسکے چار درجے ہیں اول یہ کہ آدمی جیسا پیدا ہوا ہی ویسا ہے حق اور باطل
اور اچھے اور برے میں تمیز نہ کر سکے سب اعتقادات سے خالی اور غافل ہو۔ اور نتایج لذات سے شہوت
بھی کامل نہ ہوئی ہو تو ایسے شخص کا علاج جلد ہو سکتا ہی نفس اُسکا لوح سادہ ہے آسانی سے اس پر
نقش کوئی اُستاد یا مرشد جما سکتا ہی۔ دوم یہ کہ عمل بد کو تو جانتا ہی مگر عمل صالح کا عادی نہیں عمل بد
ہی اچھا معلوم ہوتا ہی۔ امر میں اپنی شہوت کا تابع ہی اور رائے صواب سے منحرف ہی مگر اپنے عمل کے
قصور سے واقف ہی جانتا ہی کہ میں بُرا کرتا ہوں تو ایسے شخص کو رو براہ لانا پہلے آدمی کی نسبت
مشکل ہے۔ اسلئے کہ یہاں دو کام کرنے پڑینگے۔ ایک بُری عادت کا مٹانا دوسرا اچھی عادت کا ڈالنا
مگر ایسا شخص بھی قابل تاثیر ہے۔ سوم یہ کہ اخلاق بد پر اُسکو یہ اعتقاد ہو کہ یہ بہت اچھے ہیں اور

ان کا کرنا واجب ہے اور اونہیں پر اُس کی پرورش ہی ہوئی ہو تو ایسے شخص کا علاج قریب محال ہے اور اوسکی صلاح کی توقع نہیں کیونکہ گمراہی کے اسباب بہت سے ہیں جو تہا کہ باوجود رائے فاسد پر نشو و نما پانے اور اعمال بد پر پرورش ہونے کے یہ بات بھی ہو کہ بہت سے شر کرنے کو اور لوگوں کے تباہ کرنے کو باعث فضیلت و فخر جانتا ہو۔ اور خیال کرتا ہو کہ ہماری عزت اُس میں ہے۔ پس یہہ درجہ سب سے زیادہ سخت ہے ع * تربیت نا اہل را چون گردگان بر گنبد است *

ان چاروں میں اول تو جاہل محض دوسرا جاہل و گمراہ۔ تیسرا جاہل گمراہ فاسق چوتہا گمراہ فاسق۔ شریر * جو لوگ حسن خلق سے یہ مراد جانتے ہیں کہ شہوت و غضب دونو کا بالکل استیصال ہو ان کی غلطی ہے۔ کیونکہ حسن خلق کیلئے تو ان کو اعتدال پر لانا ضرور ہے۔ اگر بالکل انکو نیست و نابود کردے تو جو فائدے اُن سے خلقت انسانی میں رکھے گئے ہیں وہ نابود ہو جائینگے۔ اُن کو تو اوسط درجہ پر رکھنا حسن خلق میں داخل ہے۔ افراط تفریط سے نفس کو بچانا چاہیئے۔ سخاوت کرنی چاہیئے اسراف اور بخل سے بچنا چاہیئے۔ شجاعت کرنی چاہیئے اُسکی افراط تہور اور تفریط جُبن چھوڑنا چاہیئے۔ روزمرہ کے تجربے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہ توسط تعلیم و تادیب و صحبت نیک کے نفس انسانی خیر کو قبول کرتا ہے اور شر کو چھوڑتا ہے اور اُسکے برعکس بھی۔ اگر اخلاق میں تغیر نہ ہو تو پھر ساری قوموں کی تادیب اور جوانوں کی تہذیب اور اخلاق و عادات کی تقویم جو عاقلوں نے اپنے تجربوں سے مقرر کی ہے وہ سب باطل ہو جاتی ہے۔ یہ بات تو آنکھوں کے سامنے ہے کہ روز لڑکوں کو دیکھتے ہیں کہ ان کے اخلاق میں کیا کیا تغیر و تبدل ہوتے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہوتا ہے کہ بعض تعلیم و تربیت کو جلد قبول کر لیتے ہیں۔ بعض دشواری سے دیر میں اسی لئے ماں باپوں پر فرض ہے کہ حسن خلق کی تعلیم و تادیب کریں۔ اور انکی اصلاح عادات طرح طرح سے کریں۔ کسی کو پیار سے کسی کو مار سے۔ غرض جیسی اُنکی قابلیت و حالت ہو۔

(۶) حسن خلق کیونکر حاصل ہوتا ہے

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حسن خلق سے اعتدال قوت عقلی اور کمال حکمت اور اعتدال قوت

غضب شہوت اور اُن کا منقاد ہونا عقل کا مقصود ہے - پس یہ حُسن خلق دو وجہ سے حاصل ہوتا ہے
اول دادالٰہی ہو کہ آدمی ابتداء پیدائش سے کامل العقل خوش خلق پیدا ہوا اور شہوت و غضب کا غلبہ اُسپر
نہ ہو بلکہ یہ دونو عقل کے منقاد ہوں دوسرے یہ کہ ریاضت و محنت سے حاصل کرے یعنی نفس سے کام لے
جن سے کہ خلق مطلوب حاصل ہو جاوے مثلاً ایک شخص خلق سخاوت حاصل کیا چاہتا ہے تو اُسکو بہ تکلف اہل سخاوت
کا فعل یعنی بذل اختیار کرے اور ہمیشہ اپنے نفس پر زور ڈالکر یہ کام لیتا رہے - یہانتک کہ یہ امر اُس کی
عادت ہو جاوے اور طبیعت میں جم جاوے تو اُس بات سے سخی ہو جاویگا - اسی طرح خلق تواضع کو حاصل کیا چاہے
اور اوسپر کبر غالب ہے تو اُس کو چاہیے کہ اول مدت مدید تک اہل تواضع کے افعال پر بہ تکلف و مجاہدہ طبیعت مواظبت
کرے یہانتک کہ وہ افعال اُسپر آسان ہو جاویں اور خلق اور طبیعت بن جاویں اور باقی اور اخلاق
بھی اسی طرح حاصل ہو سکتے ہیں اور اُسکی انتہا یہ ہے کہ اُس کام میں آدمی کو لذت معلوم ہونے لگے مثلاً سخی
اُسی کو کہتے ہیں کہ جو مال خرچ کرے اور اُس میں اُسکو لذت ملے - اگر کوئی خرچ کرے مگر اُسکو بُرا معلوم ہو
تو وہ سخی نہ ہوگا - اس طرح متواضع وہ آدمی ہوگا جسکو تواضع میں مزا ملے - غرض حسن خلق جب آدمی کو
سمجھے حاصل ہوا کہ نفس کو اچھی عادتوں میں لذت آوے اور بُری عادتوں سے نفرت ہو - اگر کوئی
شخص بُری عادتیں چھوڑ دے اور نیک عادتوں میں لذت نہ پاوے تو اُس کے حسن خلق کو کامل نہیں کہینگے
لذت کسی خلق میں جب ہی آتی ہے کہ اُس میں مدت دراز تک برابر مواظبت کرتا رہے - مثلاً جواری مفلس
جوئے میں کیسا خوش ہوتا ہے اور مزہ پاتا ہے حالانکہ قماربازی میں مال سب جاتا رہتا ہے گھر خراب ہوتا ہے پھر
بھی محبت اور چسکا جوئے کا لگا رہتا ہے سبب اسکا یہ ہے کہ کھیلتے کھیلتے اُس سے اُلفت ہو جاتی ہے چور
اچکوں پر کیسے کیسے کوڑے پڑتے ہیں اور قیدخانہ میں کیسی کیسی سختیاں اُٹھاتے ہیں مگر وہ لوگ اُسکو
اپنا فخر سمجھتے ہیں اور سختی کی برداشت سے خوش ہوتے ہیں یہانتک کہ اگر اُن کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے
کر ڈالو تو بھی نہ مال کا نشان دینگے نہ اپنے ساتھیوں کا نام لینگے - ایسی سختیوں کا سہنا اور سزاؤں کا خیال
میں نہ لانا اس وجہ سے ہے کہ اپنے اعتقاد میں ایسے کاموں کو سمجھ لیا ہے کہ وہ کمال شجاعت - بہادری
کے ہیں اسی طرح مخنث - کنجر - حلال خور اپنے اپنے پیشے میں فخر و مباہات کرتے ہیں جیسے کہ حکما و

سلاطین پس یہ امور عادت سے متعلق ہیں کہ جب ایک بات پر مدت تک مواظبت ہوتی ہے اور ہم جو لیوں میں وہی مشاہدہ ہوتی ہے تو اپنے نفس کو اچھی لگتی ہے پس جب عادت کے سبب امر باطل سے لذت حاصل ہوتی ہے اور نفس اُسکی طرف راغب ہوتا ہو تو امر حق پر اگر مواظبت مدت مدید تک رہے گی اس سے کیوں نہ لذت حاصل ہوگی۔ غرض اخلاق حسنہ کا اکتساب یا صنعت سے ہو سکتا ہے یعنی اول بہ تکلف اُن کے مرتکب ہونے سے آخر کو وہ طبعی اور خلقی ہو جاتے ہیں۔ پس اخلاق حسنہ کبھی تو فطرت و خلقت کے ساتھ ہوتے ہیں اور کبھی عمدہ افعال کے عادی ہونے سے اور کبھی صلحا اور ارباب خیر کے افعال دیکھنے سے کیونکہ ایک طبیعت دوسری طبیعت سے شر اور خیر دونوں چراتی ہیں پس اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ جس میں تینوں جہات جمع ہو گئے ہوں یعنی طبعًا اور عادۃً اور تعلیم سے فضیلت کو پہنچا ہو تو ایسا شخص نہایت درجہ فضیلت رکھتا ہے اور جو شخص طبیعت کا اچھا نہ ہو اور اسباب شر کے مہیا ہونے سے اس کا عادی ہو گیا ہو اور صحبت والے بھی اُسکے خراب ہوں تو وہ ہر وجہ کا رذیل اور ذلیل ہے۔ اور جس میں اِن جہات کا اختلاف ہو یعنی کوئی بات پائی جائے اور کوئی نہ پائی جائے تو اُسکا رتبہ اِن دونوں قسموں کے درمیان ہے

(۶) تہذیب اخلاق کے طرق

نفس اور بدن کی صحت اور مرض کا حال یکساں ہے جیسے کہ اعتدال اخلاط سے صحت بدن کو رہتی ہے اسی طرح اعتدال اخلاق سے صحت نفس رہتی ہے اور جیسے اخلاط کی بے اعتدالی سے بدن میں امراض پیدا ہوتے ہیں ایسے ہی قوار باطنی کی بے اعتدالی سے نفس میں سُقیم اخلاق پیدا ہوتا ہے جیسے بدن کی صحت کی صورت میں فقط صحت کی حاجت اور مرض کی حالت میں علاج کی ضرورت ہے۔ ایسی نفس کی صورت صحت میں فقط صحت کی اور نفس کے مرض کی صورت میں علاج کی ضرورت ہے۔ ہر مرض کا علاج بالضد کیا جاتا ہے اگر مزاج میں حرارت ہو تو سرد دوائیں دی جاتی ہیں اور اُس میں شدت ضعف۔ دوام اور اتفاق۔ کثرت قلت کی رعایتیں کی جاتی ہیں اور دواؤں کے درجے موافق اُن کی مقدار وزن احوال بدن کے مناسب مریض کے سن و سال کے موافق اور مرض کی شدت و ضعف کے موجب ہوا کرتی ہے۔ ان باتوں پر خیال کر کے طبیب حاذق نسخہ لکھتا ہے۔ اور ایسی گرم دوائیں نہیں دیتا کہ حرارت پیدا ہو جائے

بلکہ حرارت و برودت میں اعتدال پیدا کرتا ہے۔ بس اسی طرح اُستاد یا مرشد جو شاگردوں یا مریدوں کے
معالج امراض نفسانی ہیں اُنکو چاہیے کہ وہ پہلے اُن کے اخلاق و امراض نفسانی کی تشخیص کریں اور
اونکے مزاج سے واقف ہوں اور پھر علاج بتدریج شروع کریں اگر بہت سے مرضوں میں مبتلا ہو تو پہلے جو
مرض سب سے زیادہ سخت ہو اُسکا علاج کریں۔ مثلاً شاگرد جاہل ہو تو اُسکو علم سکھائیں اگر کوئی بخیل ہو تو
اُسکو مال خرچ کرنے کی تحریص دلائیں مگر نہ اتنی کہ اسراف کے درجہ پر پہنچ جائے۔ اگر کوئی متکبر ہو
تو اُسکی فروتنی بتلائیں مگر اعتدال کے ساتھ جو کھلنڈرے لڑکے ہوں اُنکو مکتب میں اول ترغیب
گیند بلا وغیرہ کی دیں پھر کھیل سے عمدہ کپڑوں کی ترغیب۔ بعد اُسکے ریاست و جاہ کی ترغیب پھر اُن
سب کے بعد جاہ و ریاست آخرت کی طرف برانگیختہ کئے جائیں۔ غرض جو لوگ مرض روحانی میں مبتلا
ہوں اُنکا علاج بہ تدریج اور حکمت سے کیا جائے۔ امراض جسمانی تو اکثر ظاہر معلوم ہوتے ہیں بعض ہی اُن میں
ایسے ہوتے ہیں کہ وہ بیمار کو نہیں معلوم ہوتے۔ مگر امراض قلب آدمی کو بہت کم معلوم ہوتے ہیں اسی
واسطے آدمی اُنسے غافل رہتا ہے۔ اور اگر جان بھی جاتا ہے تو اُسکے علاج کی تلخی پر صبر مشکل ہے اسلئے
کہ دوا اُسکی شہوات کی مخالفت ہے جسکو وہ جان کندنی سے کم نہیں سمجھتا۔ اور اگر نفس میں صبر
بھی پاتا ہے تو کوئی معالج حاذق نہیں ملتا کہ اُسکا علاج کرے۔ امراض قلبی کے طبیب علما ہیں وہ خود اس
مرض میں مبتلا ہیں پس جب وہ اپنا ہی علاج نہیں کرتے تو کسی دوسرے کا علاج کیا کرینگے خویشتن گم
است کرا رہبری کند۔ اسی جہت سے امراض قلوب لاعلاج ہو گئے ہیں اُن کا علم لوگوں میں بہت کم ہے
بہت ہی کم ایسے امراض کی تشخیص کرنے والے رہ گئے ہیں +

(۷) حسن خلق کی علامات

انسان کو اپنے عیوب سے خبر نہیں ہوتی۔ جب وہ اپنے میں دیکھتا ہے کہ میں نے بڑے بڑے گناہ کرنے
چھوڑ دئے تو وہ جاننے لگتا ہے کہ میں مہذب ہو گیا اور مجھہ میں حسن خلق پیدا ہو گیا اسلئے ہم حسن خلق کی
علامات بتلاتے ہیں کہ جب تک آدمی اپنے میں اُن کو نہ دیکھے تو وہ جانے کہ مجھہ میں ابھی سوء خلق باقی
ہے حسن خلق جس آدمی میں ہوگا وہ کثیر الحیا۔ کثیر الصلاح۔ کم آزار۔ کم سخن۔ قلیل الفضول۔ کثیر العمل

کم لغزش۔ راست گفتار۔ نیکوکار۔ صاحب وقار۔ صابر۔ شاکر۔ راضی۔ حلیم۔ رفیق۔ پارسا۔ شفیق۔ ہشاش۔
بشاش ہوگا اور بدگفتار۔ دشنام دہندہ۔ چغل خور۔ غیبت کنندہ۔ جلدباز۔ کینہ ور۔ بخیل۔ حاسد
نہ ہوگا۔ بغض و غضب للہ ہی کے واسطے اسمیں ہوگا۔ اور حب رضاء للہ ہی کے واسطے۔ انہی باتوں
سے خوش خلق ہوتا ہی بعض بزرگان دین نے لکھا ہے حسن خلق کی دس علامتیں ہیں قلت خلاف
حسن انصاف۔ انتقام نہ لینا۔ گناہوں کا بُرا جاننا۔ عذر کرنا۔ ایذا سہنا۔ نفس کو ملامت کرتے رہنا
دوسروں کے عیوب سے قطع نظر کرکے اپنے عیوب کو پہچاننا۔ چھوٹے بڑے سے کشادہ پیشانی پیش آنا
اپنے سے ادنیٰ اور اعلےٰ کے ساتھ نرمی سے بولنا۔ بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ حسن خلق میں اول
دین۔ دوم عقل۔ سوم علم۔ چہارم حلم۔ پنجم جود۔ ششم فضل۔ ہفتم بر۔ ہشتم صبر۔ نہم شکر۔ دہم لینت
نرمی۔ جس میں حسن خلق ہوتا ہی۔ وہ مومن ہوتا ہی جسمیں نہیں ہوتا وہ منافق ہی مومن فکر و
عبرت میں مشغول رہتا ہی اور منافق حرص و امل میں مومن سواء خدا کسی سے توقع نہیں رکھتا
اور منافق بجز خدا کے سب سے متوقع رہتا ہی۔ مومن سوا اللہ تعالیٰ کے سب سے مامون اور بے خوف
رہتا ہی۔ منافق سوا خدا کے سب سے خائف رہتا ہی۔ مومن مال دیتا ہی دین نہیں دیتا ہی۔ منافق دین
دیتا ہی مال نہیں دیتا۔ مومن حسنات کرکے روتا ہی۔ منافق گناہ کرکے ہنستا ہی۔ مومن کو خلوت
و تنہائی اچھی معلوم ہوتی ہی۔ منافق کو ہجوم اور جماعت اچھی لگتی ہی۔ مومن کھیتی کرتا ہے اور
اوس کے بگاڑ سے ڈرتا ہی۔ منافق بیخ کنی کرتا ہی اور توقع خرمن کی رکھتا ہی۔ حسن خلق کا اول
امتحان ایذا پر صبر کرنے سے ہوتا ہی پس جو کوئی دوسرے کی بدخلقی کی شکایت کرے وہ اُسی کی بدخلقی
کی دلیل ہے کیونکہ حسن خلق ایذا و جفا کی برداشت کا نام ہی۔ ابوعثمان حیری کو کسی شخص نے
بہ نظر امتحان دعوت کے بہانے سے بلایا جب آپ اُس کے گھر گئے تو کہا اسوقت تو مجھسے کہانا تیار نہ ہوسکا
آپ وہاں سے واپس چلے گئے۔ جب بہت دور نکل گئے تو وہ شخص پھر آیا اور کہا جو اسوقت کہانا موجود ہے
اُس پر قناعت کیجئے۔ تو جب وہ اُسکے گھر پر آئے تو وہی بات پھر کہی جو پہلے کہی تھی وہ پھر اُلٹے
چلے گئے۔ اسی طرح کئی بار بلایا اور پھیر پھیر دیا مگر اُس سے وہ ذرا مکدر نہیں ہوئے۔ تو وہ شخص پاؤں

گر پڑا اور کہا کہ میں آپ کو آزماتا تھا سبحان اللہ کیا حسن خلق ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو بات تو نے میری دیکھی
تو صفت کتے کی ہے کہ جب بلاؤ چلا آوے۔ اور بھگاؤ تو ہٹ جاوے۔ یہ بھی انہیں کا ذکر ہے کہ وہ ایک
گلی میں سوار جاتے تھے کہ اوپر سے کسی شخص نے اُن پر راکھ پھینک دی تو اُنہوں نے اُتر کر
خاک جھاڑی اور سجدہ شکر ادا کیا جب لوگوں نے کہا کہ راکھ پھینکنے والے کو آپ نے جھڑکا نہیں تو آپ نے
فرمایا کہ جو شخص آگ کا مستحق ہوا اُسپر راکھ پڑے تو اُسکو غصہ کرنا نہیں چاہیئے۔ انسان کا بڑا حسن خلق
یہ ہے کہ تقدیرات الٰہی پر راضی رہے اور پرلے درجہ کا خلق بد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے کام کو اچھا نہ جانے
اور اُسپر راضی نہ ہو غرض جب تک اپنے نفس میں یہ علامات نہ پاوے اپنے تئیں جانے کہ مجھمیں حسن
خلق نہیں پیدا ہوا۔ اُسکو ریاضت اور محنت حسن خلق کے حاصل کرنے میں کرنی چاہیئے فقط

(۸) لڑکوں کی ریاضت اور تادیب اور تحسین اخلاق

لڑکا ماباپ پاس ایک امانت ہے اُسکی تہذیب نہایت ضرور ہے۔ اُس کا قلب ہر نقش و صورت سے
خالی ہوتا ہے وہ ہر ایک نقش کے قبول کرنیکی قابلیت رکھتا ہے۔ لوح سادہ برائے ہر نقش آمادہ جس
طرف کو مائل کرو اُس طرف میلان کے لائق ہوتا ہے۔ مثلاً اگر تعلیم خیر کی پاوے اور اُس کا عادی کیا جاوے
تو بڑا ہو کر کبھی ایسا ہی رہے گا۔ اور اگر بُرائی کا عادی ہوگا اور جانوروں کی طرح بے غور چھوڑ دیا جاوے
تو تباہ ہوگا۔ غرض ماباپ کا یہ فرض ہے کہ اولاد کو تہذیب اور محاسن اخلاق سکھاوے اور صحبت بد سے بچائے
زینت اور بناؤ سنگار اور لذت اور آرام طلبی اُس کی نظروں میں حقیر کرے تاکہ بڑے ہونے پر
اُن کی طرف اُس کی رغبت نہ ہو۔ سب سے پہلے لڑکوں پر کھانے کی خواہش غالب ہوتی ہے تو اُسی کے
ادب اُس کو سکھانے چاہیئے کہ دہنے ہاتھ سے کھائے۔ کھانے میں بسم اللہ کہے اور اپنے سامنے سے
کھائے۔ دوسروں سے پہلے کھانا نہ شروع کرے اور کھانے کی طرف گھورے نہیں اور نہ کسی کے کھانے
کی طرف تاکے اور جلدی جلدی نہ کھائے اچھی طرح چبا چبا کے کھائے لقمہ پر لقمہ منہ میں
رکھتا چلا جاوے۔ ہاتھ اور کپڑے نہ بھرے۔ کبھی اُسکو کھانے پر ضد نہ کرنے دے۔ کہ ہم کھاتے ہیں اور یہ
نہیں کھاتے۔ بلکہ اُسکو عادت ڈلوانی چاہیئے کہ روکھی سوکھی روٹی اور دال لیا جو کچھ

قناعت کرے۔ اُسکو زیادہ کہانے سے منع کرنا چاہیئے اور کہنا چاہیئے کہ زیادہ کہانا چوپایوں کا کام ہے
اُسکے ہاتھ سے کہانا بہوکوں کو دلوانا چاہیئے۔ بعد کہانے کے کپڑا پہننا ہو اُسکو سفید سادے کپڑوں کے
پہننے کی رغبت دلانی چاہیئے۔ رنگین اور ریشمی باریک کپڑوں کی طرف اُسکو رغبت نہ دلانی چاہیئے
اور کہنا چاہیئے کہ یہ عورتوں کا لباس ہے۔ اُس کو ایسے لڑکوں کی صحبت سے بچانا چاہیئے جنکو شوق
اور عادت آرام طلبی اور عمدہ پوشاک کی ہو۔ اور ایسوں سے کبھی نہ ملنے دے جنکے کہنے سے اُسکے
دل میں ان باتوں کی رغبت ہو جائے۔ اسلیئے کہ ابتدا میں اگر لڑکے کی خبرگیری نہیں ہوتی تو اکثر
بُری ہی عادتیں اُس میں پیدا ہوتی ہیں جہوٹا جہگڑالو چغل خور بیہودہ گو۔ شوخ مکار بے پروا
ہوجاتا ہے۔ مکتب میں کسی نیک اُستاد پاس بٹہانا چاہیئے کہ اول وہ فرائض مذہبی سکہائے۔ اکثر
اُسکو نیک آدمیوں کی حکایات کا سبق دے۔ اشعار جنمیں عشق اور عاشق و معشوق کا ذکر ہو اُسکو
ہرگز پڑہنے نہ دے۔ بلکہ اُن لوگوں سے بہی نہ ملنے دے جو ایسے اشعار کو ظرافت اور لطافت جانتے
ہیں یہ اشعار دل میں فساد کا بیج بودیتے ہیں جب لڑکا کوئی عمدہ کام کرے تو چاہیئے اسکو کچہہ
انعام دے جس سے وہ خوشی ہو اور لوگوں میں اُسکی تعریف ہو۔ اگر وہ ایک دو مرتبہ خلاف کرے تو
اُس سے تجاہل اختیار کرے۔ لڑکے کو یہ معلوم ہو کہ باپ کو خبر ہی نہیں ہوئی۔ اگر اُسکو یہ معلوم ہوگیا
ہوجائیگا کہ باپ پر ظاہر ہونے پر بہی کچہہ نہیں ہوا تو آیندہ کو اُسے بُرے کام کرنے کی جرات ہوگی
اور بات کہل جانے کی کچہہ پروا نہ ہوگی پہر اگر دوبارہ وہی حرکت کرے تو پوشیدہ اُسپر عتاب کرے اور تاکید سے کہے کہ اگر آیندہ
ایسا کروگے تو سزا پاؤگے اور لوگوں میں تمہاری فضیحتی ہوگی ہر وقت عتاب کرنا نہیں چاہیئے اُس سے ملامت کا عادی ہو جاتا
ہے بُری باتوں کے کرنے کی جرات بڑہ جاتی ہے تنبیہ کی تاثیر دل سے اُٹہہ جاتی ہے۔ ماں باپوں کو چاہیئے کہ اولاد سے کلام لحاظ
کے ساتہہ کیا کریں کبہی کچہہ کہہ دیا۔ ہر وقت گہڑکی اور جہڑکی رہے گی تو مساوات ہوجائیگی
دنکو سونے کی عادت نہیں پڑنی چاہیئے۔ بچھونے بہی تکلف کے نہیں دینے چاہئیں غرض سب باتوں
میں یہ لحاظ رکہنا چاہیئے کہ لڑکے کو آرام طلبی کی عادت نہ ہو۔ کوئی کام اُس کو چہپا کے کرنا نہ
کیونکہ جس کام کو وہ چہپا کر کریگا اُس کو بُرا جانتا ہوگا تو چہپا کر کریگا۔ لیکن اگر اُسکو علانیہ کام کرنے کی عادت

ہوگی تو برے افعال سے باز رہیگا۔ دن کو کوئی وقت اُسکے پہرنے اور چلنے اور تفریح کا مقرر کرنا چاہیے
جس سے سستی کا غلبہ نہ ہو۔ یہہ بہی اُسکو منع کرنا چاہیے کہ وہ اپنے باپ کا فخر ہم جولیوں کے سامنے
نہ کرے۔ کہانے پہننے کی چیزوں پر اترا وے نہیں جس سے وہ ملے تواضع اور اکرام کے ساتھہ کلام
ملائمت سے کرے اور لڑکوں سے کوئی چیز نہ لے۔ اگر امیر زادہ ہو تو اُسکو لینا نہیں چاہیے۔ دینا چاہیے
لینے میں کسر شان ہو اور اگر فقیر زادہ ہو تو لینا طمع اور ذلت میں داخل ہے لینے کی عادت ہو کہ لقمہ
پر دوڑتا ہے اور شکم پالتا ہے۔ زیادہ بولنے سے بہی منع کرنا چاہیے کیونکہ وہ بے حیائی کی نشانی ہے
ایسے آدمی زیادہ بکا کرتے ہیں قسم خواہ سچی ہو یا جھوٹی کبہی نہیں کہانی چاہیے۔ تاکہ بڑے ہونے پر
قسم کہانیکی عادت نہ پڑے جب کوئی پوچھے تو جواب دے زیادہ بکبک نہ کرے۔ کبہی لغو و لعنت و فحش
دشنام نہ بولے۔ بلکہ جو ایسے ہوں کہ وہ ایسی باتیں کرتے ہوں اُن کی صحبت سے بچانا چاہیے
جب اوستاد مارے تو زیادہ شورش نہ کرے نہ کسی کی سفارش ڈہونڈے بلکہ صبر کرے۔ اُس سے کہدیں
کہ صبر کرنا مردوں کا کام ہے۔ زیادہ رونا پیٹنا عورتوں اور غلاموں کا کام ہے۔ مکتب سے آنیکے
بعد اُسکو کسی اچھے کہیل کی اجازت دینی چاہیے جس سے کہ مکتب کی مشقت سے راحت ملے۔ مگر کہیل
بہی اتنا کہیلے کہ تہک نہ جائے۔ اگر کہیل کی اجازت نہ ہوگی تعلیم میں کمال سخت گیری ہوگی
تو لڑکے کا دل بجہہ جائیگا تیزی طبیعت جاتی رہیگی۔ زندگی تلخ ہو جائیگی۔ پہر وہ ایسے
حیلے ڈہونڈنے لگیگا کہ جس سے بالکل کچھہ نہ سیکھے گا۔ سب سے مقدم کام یہ ہے کہ وہ اپنے والدین
اور اُستاد کی اطاعت کیا کرے۔ خلاصہ یہ ہے کہ لڑکوں کی تربیت ابتدا میں بہت ضروری ہے کہ اُس وقت
اُس میں سب طرح قابلیت ہوتی ہے خیر و شر دونو سیکھہ سکتا ہے۔ اور اُس کا اختیار ماں باپ کو ہے کہ پہلے سے
اُسکی تربیت اچھی کریں تاکہ نیک باتیں اُسکے دل میں پتہر کی لکیر ہو جائیں نہیں تو پہر اُس کا اثر کچھہ نہ ہوگا
جیسے کہ خشک مٹی دیوار پر نہیں ٹہرتی اُتر جاتی ہے +

(۹) عدالت

اوپر بیان ہوا ہے کہ عدالت اُس حالت و قوت نفس کا نام ہے کہ شہوت و غضب اُس کے محکوم ہوتے ہیں اور

اُن کی حاکم ہوتی ہی اور حکمت و اعتدال کے موافق اُن قوا کا انضباط کرتی ہی پس عدالت تمام فضائل سخاوت شجاعت و عفت کی جان ہی۔ عدالت کے تحت میں بارہ انواع ہیں۔ اوّل صداقت جو عبارت دوستی صادق سے ہی اور صدق محبت کی علامت یہ ہی کہ جو انسان اپنے لئے نہ پسند کرے وہ دوست کے لئے بھی نہ پسند کرے اور جو اپنے حق میں چاہے وہ اُسکے حق میں بھی چاہے۔ دوم اُلفت وہ یہہ ہی کہ کسی طائفہ کی آراے اور عقائد ایک دوسرے کی معاونت میں متالف اور موافق ہوں۔ سوم وفا یہہ ہی کہ وعدہ کو پورا کریں اور حقوق کو ادا۔ چہارم شفقت وہ عبارت اس سے ہی کہ جب کسی پر کوئی ناملائم بات واقع ہو تو اُس سے انفعال ہو اور اوس کے دور کرنے میں قصر ہمت نہو۔ اور یہہ سمجھیں

بنی آدم اعضاے یک دیگر اند	که در آفرینش ز یک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار	دگر عضوہا را نماند قرار
تو در محنت دیگراں بے غمی	نشاید که نامت نہند آدمی

پنجم صلہ رحم اسے کہتے ہیں کہ اپنے یگانوں کو ثروت و رفاہیت میں اپنے ساتھہ شریک کرے۔ ششم مکافات یہ ہی کہ جو نفع کسی سے پہنچے مثل اُسکے یا اُس سے زیادہ اُسکے مقابل میں پہنچاوے اور اگر ضرر پہنچے تو کمتر بدلہ لے۔ ہفتم حسن شرکت یہ ہی کہ معاملات اس طرح کرے کہ شرکا کی انحراف خاطر کا سبب حتی الامکان نہو اور قانون عدالت کی محافظت ہو۔ ہشتم حسن قضا یہ کہ آدمیوں کے حقوق ادا کرے اور اپنے تئیں منت و ندامت سے دور رکھے۔ نہم تودد یہ ہے کہ برابر والوں اور بڑوں کی دوستی طلب کرے بطیب کلام و انعام و اکرام اور اور اسباب کہ جس سے جلب محبت ہو۔ دہم تسلیم احکام الہی اور نوامیس شرعی سے راضی ہو گو وہ طبیعت کے ناموافق ہوں۔ یازدہم توکل جن امور میں کہ بشر کو مقدرت نہو۔ اور جنمیں اندیشہ کو مجال تصرف نہو۔ اس میں زیادت و نقصان و تعجیل و تاخیر نہ طلب کرے اور توکیل بہ نعم الوکیل کرکے خیالات فضول سے کنارہ کرے۔ ارادت حق کے ساتھہ اپنی ارادت کو قائم رکھے۔ وساوس نفسانی سے دل کو خالی کرے جس سے طمانیت حاصل ہو۔ دوازدہم عبادت کہ خدا تعالی کی تحمید و تعظیم کرے اور معاصی سے احتراز کرے +

اب انتظام معاش کے امور تین طرح کے ہوتے ہیں۔ اول متعلق قسمت اموال و کرامات کے۔ دوم متعلق
معاملات و معاوضات کے۔ سوم متعلق تادیبات (تعلیمات) سیاسات (تعزیرات) عدالت میں حفظ مناسبت
جو وحدت کی طرف راجع ہو ہوتی ہے۔ ان تینوں صورتوں میں مناسبت اسطرح دیکھی جاتی ہے کہ اول
میں یہ دیکھتے ہیں کہ یہ شخص اس مال یا کرامت سے ایسی نسبت رکھتا ہے جیسا کہ کوئی اور شخص ہم رتبہ اسکا
مثل اسکی نسبت مال یا کرامت سے رکھتا ہے پس اگر یہ کرامت اسکا حق ہو اور اسمیں زیادتی یا نقصان واقع ہو
تو اس کا تلافی و تدارک ہونا چاہیئے۔ دوسری میں مناسبت ہوتی ہے کہ اس نجار کی نسبت اس کرسی کے
ایسی ہے جیسے کہ اس بزاز کو اس جامہ سے تو کرسی اور جامہ کے معاوضہ میں کوئی ظلم نہیں ہے یا یوں کہیں کہ
کہ اس کرسی کی زر سے ایسی ہی نسبت ہے جیسے کہ اس زر کی نسبت جامہ سے یا کرسی کی زر سے وہ نسبت ہے جو
جامہ کو زر سے تو کرسی و جامہ کے معاوضہ میں کوئی ظلم نہیں ہے۔ سوم یہ کہیں کہ اس شخص کو اپنے رتبے سے وہ
نسبت ہے جو دوسرے شخص کو اپنے رتبے سے۔ پس اگر شخص اول کو دوسرے شخص سے ضرر پہنچے یا اسپر ظلم ہو
تو ایسے سبب سے مکافات و تدارک کرنا چاہیئے کہ جس سے عدالت قائم رہے۔ پس عدالت کے قائم رکھنے کے تین
طریقے ہیں۔ اول شریعت الہی۔ چونکہ انسان مدنی الطبع ہے۔ اس کا تعیش بے معاونت و مشارکت کی صورت
پذیر نہیں ہوتا۔ مشارکت و معاونت ضروری ہے۔ درزی جلاہے کے واسطے کپڑا سئے اور جلاہا درزی کے
واسطے کپڑا بُنے۔ اور علی ہذا القیاس جب یہ اشیا مختلف الماہیت آپس میں بے توسط کسی امر وجدانی
کی محک اعتبار دونوں طرف کا ہو منتظم نہیں ہوتا اسلئے حاجت توسط روپیہ کی ہوئی اسکو عادل متوسط
کہتے ہیں لیکن یہ عادل صامت ہے۔ وہ عادل ناطق کا محتاج ہے۔ وہ بادشاہ عادل ہے جسکی تائید شمشیر
کرتی ہے۔ اگر کوئی عدالت دینار کا مطیع نہیں ہوتا اور اپنے حق سے زیادہ طلب کرتا ہے اور اپنی حد مستقیم سے
باہر قدم رکھتا ہے تو شمشیر قاطع اسکو سر راہ کرتی ہے۔ پس فقط عدالت کی تین صورتیں ہیں ایک شریعت
مقدسہ الہی۔ دوم بادشاہ عادل۔ سوم دینار۔ چنانچہ حکما کہتے ہیں کہ ناموس اکبر شریعت الہی ہے
ناموس دوم سلطان کہ تابع شریعت ہو۔ مشہور ہے کہ الدین والملک توامان ناموس سوم دینار۔ ناموس کے معنی
لغت میں تدبیر و سیاست کے ہیں اس طرح سے جائر یعنی جور کرنے والے تین ہیں اول جائر اعظم یعنی جو

ناموس الہی کی اطاعت نہیں کرتا وہ کافر و فاسق ہے دوم جائر اوسط کہ بادشاہ زمان کی اطاعت نہیں کرتا
اسکو باغی طاغی کہتے ہیں سوم جائر اصغر کہ راہ عدالت جو مقتضا دینا ہے نہیں چلتا اور اپنے حق سے
زیادہ طلب کرتا ہے اسکو خائن و سارق کہتے ہیں ارسطاطالیس کا قول ہے کہ عدالت فضیلت کا جزو نہیں
بلکہ کل فضیلتیں ہیں اور جور جو اُسکے مقابل ہے وہ رذیلت کا جزو نہیں بلکہ کل رذیلتیں ہیں اول عدالت
متعلق بذات شخصی و رائس کے قوا کی ہے دوم شرکا اور اہل منزل (جو لوگ اُسکے ساتھ گھر میں رہتے
ہیں) سوم اہل مدینہ (جو اُنکے ساتھ شہر میں رہتے ہیں) کے ساتھ حکما تمثیل کے طور پر یہ بیان کرتے ہیں
کہ جو چراغ اپنے نزدیک کی چیزوں کو روشن نہیں کرسکتا بطریق اولی دور تر کو روشن نہیں کرسکے گا
یعنے جو شخص اپنے نفس کی اصلاح حال نہیں کرسکتا۔ قواء بدن و جوارح و آلات جسمانی میں عدالت سے عاجز ہو
اس سے اہل منزل و مدینہ کے ساتھ عدالت متصور نہیں ہوسکتی جب کوئی شخص اپنے بدن اور اپنے
قواء میں عدالت کرسکتا ہے۔ اور افراط اور تفریط سے مجتنب رہتا ہے وہ بنی نوع جو اہل منزل و مدینہ ہوں
اُن کے ساتھ بطریق عدالت سلوک ہوسکتا ہے۔ وہ خلیفہ الہی ہوسکتا ہے۔ حکما کہتے ہیں کہ جب مصالح
انام کی زمام ایسے بزرگوار کے قبضۂ اقتدار اور اختیار میں ہوتی ہے تو زمانہ نورانی ہوتا ہے اور اوس کے
روزگار ہمایوں کے میامن سے کھیتی و نسل میں برکت ہوتی ہے۔ ارسطاطالیس نے عدالت کو تین طرح سے
تقسیم کیا ہے ایک یہ کہ خدا تعالی کی عبودیت کے حق ادا کرنے کے واسطے ہو کہ جسکی جود نے خلعت وجود بے وسائل
استحقاق ہر موجود کو پہنایا ہے۔ ذرات ممکنات کو لطف الہی کے خزانہ سے نعمتیں نامتناہی عطا فرمائی ہیں اسلیے
عدالت کا مقتضا یہ ہے کہ خدا تعالی کے جو حقوق بندہ پر ہیں اُن کو بطریق افضل ادا کرے۔ سوم عبودیت
کی عادت میں کوئی دقیقہ نامرعی نہ رکھے۔ دوم بنی نوع کی مشارکت سے متعلق ہے۔ جیسے تعظیم سلاطین و
تکریم علماء اور ائمہ دین اور ادا امانات اور معاملات کے انصاف سے متعلق ہے۔ سوم حقوق اسلاف کے
ادا کے قیام کے واسطے جو باتیں ضروری ہوں جیسے قرضوں کا ادا کرنا اُن کی وصیتوں کا نافذ کرنا
اسی قسم کی باتیں اور عدالت سے بہتر کوئی فضیلت نہیں ہے اسلئے حدیث مصطفوی ہے کہ عدل ساعة خیر من
عبادة سبعین سنة یعنی ایک ساعت کا عدل ستر برس کی عبادت سے افضل ہے کیونکہ ایک ساعت عدل کا

تمام عباد و بلاد میں پہنچتا ہے اور مدتوں رہتا ہے۔ عبداللہ بن المبارک رح کا قول ہے کہ اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ میری ایک
دعا قبول ہو گی تو میں وہ اصلاح حال بادشاہ کے لیئے کروں تا کہ اُس کا نفع عموم خلائق کو پہنچے۔ بنائے
عدالت کی اساس ان دس قاعدوں پر بادشاہ کو رکھنی چاہیئے۔ اول جب کوئی قضیہ واقع ہو تو بادشاہ
یہ فرض کر لے کہ میں رعیت ہوں اور دوسرا بادشاہ اس سبب سے جو اپنے اوپر نہ گوارا کریگا۔ وہ رعیت
پر جائز نہ رکھے گا۔ دوم ارباب حاجات کو منتظر نہ رکھے اور اُسی پر حذر رہے۔ ارسطو نے سکندر کو
نصیحت کی تھی اگر تو خدا تعالیٰ کی اعانت چاہتا ہے تو فریاد خواہوں کی دادرسی میں جلدی کر۔ سوم شہوات
و لذات جسمانی میں مستغرق نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ملک میں یہی سبب فساد کا قوی تر ہوتا ہے۔ بلکہ اوقات
راحت اور فراغت میں سے بھی کچھ مملکت و مصلحت رعیت میں صرف کرنا چاہیئے۔ ایک حکیم نے بادشاہ کو
نصیحت کی تھی کہ خواب غفلت میں تو ایسا نہ سو کہ ملک میں اور لوگ جاگیں اور تیری شکایت خدا کی
درگاہ میں کریں اتنا مت سو کہ عمر تباہ ہو جائے۔ دولت اور عمر کا حال آفتاب کا سا ہے کہ صبح کو کسی دیوار پر
اور شام کو کسی دیوار پر۔ ایسا کر کہ دنیا کو تو کھائے نہ یہ کہ دنیا تجھے کھائے۔ چہارم یہ کہ بناء کار کو رفق
اور مدارا پر رکھے نہ عنف و قہر پر۔ پنجم رضاء خلق رضاء حق میں طلب کرے۔ ششم رضاء خلق کے لیئے
حق سے مخالفت نہ کرے۔ ہفتم جس وقت خلق حاکم طلب کرے تو عدل کرے۔ جب رحمت طلب کرے تو عفو
ہشتم اہل حق کی صحبت پر مائل ہو۔ مواعظ و نصائح سے منقبض نہ ہو۔ نہم ہر شخص کو اپنے استحقاق پر
قائم رکھے اور فقط اسی پر قناعت نہ کرے کہ آپ ظلم نہ کرے۔ بلکہ سیاست ملک میں ایسی رکھے کہ عمال و
لشکری و رعایا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کر سکیں۔ عدالت کے بعد فضل و احسان ہے۔ اب اُس میں لوگ
گفتگو کرتے ہیں کہ تفضل محمود نہیں ہے اور داخل عدالت نہیں اس واسطے کہ عدالت کے معنی مساوات
کے ہیں اور تفضل کے معنی زیادت کے ہیں اور حد اعتدال سے خارج ہونا خواہ افراط کی طرف ہو یا تفریط کی
طرف مذموم ہے اسلیئے چاہیئے کہ تفضل مذموم ہو۔ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ تفضل عدالت کی احتیاط کا
نام ہے کہ جس سے وقوع نقصان سے اطمینان ہوتا ہے۔ توسط میں احتیاط تمام ملکات میں اسی طرح ہوتی
مثلاً سخا میں جو وسط اسراف و بخل کے درمیان ہے زیادہ کی طرف میل سخا کی احتیاط کی رعایت ہے اور یہی

عفت کہ تبذیر و جمود کے درمیان وسط ہی میل نقصان کی طرف عفت کی احتیاط ہی تفضل جب تک متحقق نہیں ہوتا کہ اُس میں شرائط عدالت کی رعایت نہ پائی جائے۔ اول استحقاق کی رعایت کی جاتی ہی۔ پھر اُس میں احتیاط اور استظہار کے واسطے زیادتی اُنہیں کی جاتی ہی اگر تمام مال بغیر مصرف استحقاق صرف کرے تو وہ متفضل نہیں کہلائیگا بلکہ مبذر پس تفضل اس عدالت کا نام ہی جو اختلال سے ایمن ہو اور متفضل وہ عادل ہی جو عدالت میں محتاط ہو۔ اُسکو شرف اسی سبب سے ہی کہ اُس سے عدالت میں مبالغہ اور احتیاط دل ہوتے ہیں وہ عدالت سے خارج نہیں ہوتا۔ حکما کی ایک جماعت کا قول ہی کہ اگر آدمیوں میں علاقہ مودت و رابطہ محبت مستحکم ہوتا تو سلسلہ عدالت کی احتیاج نہ ہوتی اسواسطے کہ اہل معاملہ محبت باہمی کے سبب سے ایثار ایکدوسرے پر کرتے اور غیر کے حق میں طمع نہ کرتے حقیقت میں رابطہ محبت اتم رابطہ عدالت سے ہے کیونکہ ایک وحدت جبلی طبعی ہی یعنی محبت بمقتضائے طبع ہی اور اکتساب سے اُسکو تعلق نہیں ہے اور عدالت وحدت قہری قسری ہی یعنی طبیعت کو اُسپر زور لاتے ہیں اور جبر کرتے ہیں اُس کا صادر ہونا انسان کے اختیار میں ہوتا ہی اور وہ امر طبعی سے مغلوب ہوتی ہی۔ عدالت بے محبت کے منتظم نہیں ہوتی پس بادشاہ کو مطلق محبت ہونا چاہیے اور عدالت کو اُس کا نائب بنانا چاہیے۔ عدالت جامع جمیع کمالات کی ہی اور ظلم کہ اُس کے مقابل ہی جمیع نقائص کا جامع ہی۔ شیخ عبداللہ انصاری کا قول ہی کہ ہر چند نہ آزار نہ گناہ اسواسطے کہ گناہ ظلم ہوتا ہی یا اپنے نفس پر یا دوسرے پر۔

مباش در پے آزار ہر چہ خواہی کن ۔۔۔ کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

غرض سب کا سب کا اسپر اتفاق ہی کہ راحت پہنچانے کے استحسان پر اور آزار پہنچانے کے منع کرنے پر قدرت عدالت سے حاصل ہوتی ہے۔ عادل اپنے تمام قوتوں کی تعدیل کرتا ہی جس سے تمام افعال اُسکے بحکم عقل نہج اعتدال پر واقع ہوتے ہیں کوئی قوت اُس حصہ سے کہ عقل نے اوسکے واسطے تجویز کیا ہی نہیں بڑہتی اور ایکدوسرے پر غلبہ نہیں کرتی اور بعد ازاں بنی نوع کے ساتھہ تمام معاملات میں رعایت کا طریقہ خیتار کرتی ہیں۔ اکثر اوقات نظر اوسکی فضائل کے حاصل کرنے پر رہتی ہی۔ کوئی امر مقصود نہیں ہوتا مگر تبعیت یہ اُسوقت میسر ہوتا ہی کہ نفس کو ہیأت نفسانی حاصل ہو کہ مقتضائے تادیب سے لگی ہوا ہو کہ تمام آثار و افعال

اسکے حلیہ اعتدال سے متحلی ہوں اور عیب اختلال سے خالی ہوں۔ اُن آدمیونکو عادل نہ جانو جو ریا و سمعت کے سبب سے یا جلب قلوب عوام کے لئے یا ازدیاد جاہ و مال کے لئے عدل کرتے ہیں

(۲) عربی زبان میں اصل معنی ظلم کے بیجا کام کرنے کے اور عدل کے معنی بجا کام کرنے کے ہیں میزان حق کی درست رکھنے کو بھی عدل کہتے ہیں۔ خود اپنی ذات اور دوسرے شخص کے درمیان یا دو غیر شخصوں کے درمیان کوئی معاملہ و منازعہ ہو تو نفس الامر میں حق کی حد سے آدمی پاؤں باہر نہ رکھے اور نہ اپنی ذات کی نہ متخاصمین میں سے کسی شخص کی طرفداری بہ سبب رشوت کے یا آشنائی و دوستی یا کسی اور نسبت کے سبب سے نہ کرے اور یہ سمجھے کہ ایک شخص کی دوستی کرنا خدا کو دشمن بنانا ہے اور ایک کی طرف منہ کرنا خدا کی طرف پیٹھ کرنی ہے۔ اپنے اسباب عیش کے درست کرنے کے واسطے لوگونکو دل شکستہ نہ کرے اور اپنے نفس کی مرادوں کے برلانے میں اوروں کو نامراد نہ کرے اپنی کام زندگانی کی شیرینی کے لئے اوروں کی ناکامی سے زندگی تلخ نہ کرے غرض جو کچھ اپنے اوپر نہ پسند کرے وہ دوسرے پر روا نہ رکھے اور خلق خدا کے ساتھ اپنا حساب پاک رکھنے کے لیے حق تلفی نہ کرے اور اپنا داغ کسی کے دل میں نہ لگائے +

(۱۰) شجاعت

قوت غضبی کے انقیاد کی ملکہ کا نام شجاعت ہے کہ نفس ناطقہ کو مہالک و مخاوف میں ثابت قدم رکھے تزلزل کو اس میں راہ نہ دے۔ اور رائے صحیح کے مقتضاء کے موافق عمل کرے اسکی افراط کا نام تہور اور تفریط کا نام جبن ہے۔ اب شجاعت کے ماتحت یہ گیارہ صفتیں ہیں۔ اول کبر نفس کہ آدمی کا نفس سب حالتوں میں یکساں رہے نہ بزرگی و خواری کی پروا کرے نہ تونگری و تنگدستی کا خیال غنی و فقیر میں اسکی مدح و ذم سے کیچا تو متاثر نہو۔ اور احوالات کے انقلاب سے تبدل و انتقال تاثر و انفعال کو اپنے میں راہ نہ دے۔ یہ ایسا شریف ہے کہ معارج پر عروج اسی کے سبب سے ہوتا ہے۔ دوم نجدت وہ وثوق نفس کا نام ہے۔ اپنے ثبات پر کہ خطروں کے وقت اور ہولناک واقعات میں جزع فزع نہیں کرتا۔ اور حرکات نامنتظم اس سے صادر نہیں ہوتیں۔ سوم علو ہمت یہ کہ جمال حقیقی و کمال نفسانی کی طلب میں نفس منافع و مکارہ اس دنیا کے ملحوظ نظر انفس نہ رکھے نہ اُن کے پانے سے شادمانی نہ اُن کے جاتے رہنے سے غمگین ہو۔ یہانتک کہ مرنے کا بھی خوف نہ ہو

چہارم ثبات آلام اور شدائد کی مقاومت کی قوت ایسی ہو کہ ان کی تاثیر زیادتی کے ساتھ نہ ہونے دے
پنجم حلم مغلوب غضب جلد نہ ہو یا بالکل نہ ہو۔ ششم سکون خصومات و محاربات میں کہ حرمت دین و ملت
یا حشمت کے نفس و عصبیت کے لیے ضرور ہو اس میں خفت نہ کرے۔ ہفتم شہامت وہ نفس کی حرص کا
نام ہے جو ایسی امور عظام کے سبب ہو کہ ذکر جمیل اور اجر جزیل ملے۔ ہشتم تحمل آلات بدنی کو اکتساب
فضائل حمیدہ و شمائل پسندیدہ میں بہ تکلف استعمال میں لانے کا ملکہ ہو۔ نہم تواضع کہ جو لوگ جاہ
میں اپنے سے فروتر ہوں انہیں اپنے تئیں برتر نہ سمجھے اور یہ جانے کہ افراد انسانی امور فطری میں اشتراک
رکھتی ہیں اور نقص و افتقار و صفات عجز و اضطرار میں سب ایک ہیں۔ دہم حمیت مذہب و اپنی حرمت
کے رکھنے میں آدمی ڈھیل نہ کرے اور سعی پہلے درجہ کی کرے۔ یازدہم رقت اس ملکہ کا نام ہے کہ اپنے
ہم جنسوں کے درد اور رنج کے دیکھنے سے نفس اثر پذیر ہو اور دل میں درد ہو مگر افعال میں کوئی اضطراب
نہ پیدا ہو۔ شجاع حقیقت میں وہ شخص ہوتا ہے کہ افعال شجاعت بمقتضائے حکم عقل اس سے صادر ہوتے
ہیں غرض اصلی اسکی نفس فضیلت ہوتی ہے۔ اسکو امر قبیح کے ارتکاب کا خوف مرنے کے خوف سے
زیادہ ہوتا ہے اور قتل جمیل اسکے نزدیک حیات مذموم سے اچھا ہوتا ہے کہتے ہیں (آگ قبول ہے ننگ قبول
نہیں) جیسے زنان حسین کا مہر آدمی پر گراں نہیں معلوم ہوتا ایسا ہی اسکے نزدیک امور بزرگ و عالی
کیلئے جان دینی کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ اگرچہ ابتدا میں شجاعت کی لذت کچھ نہیں معلوم ہوتی بلکہ ہلاکت کا
خوف ہوتا ہے لیکن آخر میں لذتیں اور منافع اسکے دیکھنے میں آتے ہیں۔ خصوصاً حمایت دین اور
تقویت شرع مبین میں آدمی اپنی جان لڑا دیتا ہے۔ عاقل جانتے ہیں کہ جنگ میں بھاگنے سے جان نہیں بچتی
بزدل فرار میں اس چیز کی بقا طلب کرتے ہیں کہ قابل بقا نہیں ہے۔ اگر بالفرض چند روز مہلت زندگی ہوئی بھی
تو نامردی و جبن کا ننگ و عار اور بیغیرتی اور ہمسروں کی طعن و تشنیع عیش و حیات کو تلخ و مکدر کر دیتی ہے
مرگ بفضیلت شجاعت و ذکر جمیل و اجر جزیل کے ساتھ اس زندگانی سے بہتر ہے کہ ننگ و عار کے ساتھ ہو حضرت
علی کرم اللہ وجہ کا قول ہے۔ اے آدمیو جو تم قتل نہ ہو گے تو بھی بتحقیق مر جاؤ گے۔ قسم ہے خدا کی کہ ہزار ضرب شمشیر کی
سر پر کھانی اس سے بہتر ہے کہ آدمی بستر پر مرے۔ مردوں کی طرح جان کا دینا عورتوں کی طرح جینے سے

اچھا ہی۔ شجاع کی تعظیم و تکریم ہر شخص پر واجب ہے خصوصًا بادشاہوں پر کیونکہ یہ کریم النفس بازار کارزار میں معاملات کرتے ہیں۔ جان کو سپر تیر بلا بناتے ہیں اعدائے دولت سے مقابلہ و مقاتلہ کرتے ہیں۔ بادشاہ کو چاہیے کہ اموال اور اسباب میں اُن سے مضائقہ نہ کرے اور اُن کی تھوڑی سی خطا پر عتاب نہ فرمائے۔ وہ جماعت کہ خوف فقر سے یا زوال مال و جاہ سے یا اور مصیبتوں کے رنج و تعب کے سبب سے خودکشی کرتے ہیں وہ شجاع نہیں ہوتے بلکہ بد دل ہوتے ہیں۔ کیونکہ شجاع سب حال میں صابر ہوتا ہی۔ تحمل شدائد پر قادر ہر صورت میں اضطراب سے متحفظ۔ خودکشی مقتضاء جبن و ضعف ہے۔ بعض اوقات افعال شجاعت کے مشابہ فعل غیر شجاعوں سے بھی سرزد ہوتے ہیں ایک جماعت ایسی ہوتی ہی کہ خطرناک جنگوں میں اور خوفناک کاموں میں قیام کرتی ہی۔ اُسسے غرض طلب مال یا جاہ یا اور اسی قسم کے مطلب ہوتے ہیں اور ان کاموں کے کرنے کا باعث حرص مطلوب ہوتی ہی۔ نہ ملکۂ شجاعت بعض عیار تحمل ضرب شدید اور حبس مدید کرتے ہیں بلکہ قطع اعضا اور اپنا قتل کرتے ہیں تاکہ اُن کا نام اُن کے ابنائے جنس میں ہوجائے جو اُن کے ساتھ رذائل میں شریک ہیں یا بعض وقت اقارب کی دفع ملامت کے واسطے یا خوف سلطانی سے یا مثل اُس کے اور سببوں سے اُن افعال پر اقدام کرتے ہیں یا بعض دفعہ اتفاق سے ظفریاب ہوجاتے ہیں یہ لوگ شجاع نہیں ہوتے۔ بلکہ شجاع وہ شخص ہے کہ اُس کا قصد سوا اس ملکہ فاضلہ کے کوئی اور نہ ہو۔ سباع و شیر وغیرہ کے افعال بھی شجاعت سے مشابہت رکھتے ہیں لیکن وہ شجاعت سے جدا ہیں اول اس سبب سے کہ اُن کو اپنے تفوق غلبہ پر وثوق ہوتا ہی اور بالطبع مشتاق غلبہ کے ہوتے ہیں پس اُن کا اقدام افعال بہ تثبیت غلبہ قدرت کے ہوتا ہی یہ تثبیت شجاعت سوا اس کے وہ ہمیشہ محاربہ اپنے کمزور سے کرتے ہیں جنسے وہ قوی و سلاح میں زیادہ ہوتے ہیں یہ کام افعال شجاع میں داخل نہیں +

(۱۰) جوانمردی

ای جوانمرد تو جو راہ سود و زیان میں سر پر کھیل کر میدان جنگ میں بستہ میان جاتا ہی۔ تو صدق نیت سے خدا کے واسطے جا۔ نہ کسی غرض و طمع کے لیئے۔ نہ اسلیئے کہ تو لاف و غرور کیا کرے۔ اپنی تعریف میں دم مارنا اور شور و فغاں کرنا مردانگی نہیں ہے۔ اگر یہ بہادری ہو تو باز رہیں ایک زال بھی رستم سے بہتر ہے

تو میدان جنگ میں دشمنوں کی صفوں کی جان نکال مگر اُس کو زبان پر نہ لا زبان تیغ کو دیکھہ کہ
جو کچھہ وہ کرتی ہی کچھہ نہیں کہتی - یہ ادب تلوار سے سیکھہ جیسے ایک نیام میں دو تلواریں آدمی نہیں کہہ سکتا
اسی طرح ایک شخص تیغ آہنی اور تیغ گوشتین (زبان) کو نہیں چلا سکتا جو کیا ہو اُس کی شیخی نہیں
مارنی چاہیئے - نہ یہ کہ نہ کیا ہو اُس کی لاف زنی کرو - باز بن کر بادشاہ کے ہاتھہ پر بیٹھو جو سو چند کرتا ہی
اور کچھہ نہیں کہتا ہی - مرغیاں بن کر غل نہ مچاؤ جس سے خاک میں لوٹو - بعض ڈینگ مارنے والے سپاہی
جب شراب پیتے ہیں تو بیل مست اپنے تئیں کہتے ہیں مگر جب حریف کے سامنے آتے ہیں تو ستون کی
طرح لڑکھڑا کر گر پڑتے ہیں نشہ میں شیر گیر ہونے سے کچھہ نہیں حاصل ہوتا معرکہ جنگ میں شمشیر گیر ہو -
جو مست کوچہ گلیوں میں لاف جنگ مارتے ہیں وہ لڑکوں کے ہاتھہ سے زخم سنگ کہاتے ہیں - مرد
مردی سے نہ ہوتا ہی اور اپنی قوم و مذہب کو سر بتر کرتا ہی - جو مردان غیور اپنی جان کی پروا نہیں کرتے
اور اُس سے کوئی غرض و طمع نہیں رکہتے - کچھہ اپنی دخل و آمدنی کی افزائش کے واسطے نہیں لڑتے
وہ تلوار سر پر کہاتے ہیں اور خنجر کے آگے سینہ بچھاتے ہیں تاکہ زندگی جاوید حاصل ہو - وہ یہ سمجھتے ہیں کہ
جو اعمال نامہ ہمارا دریا سے سفید نہیں ہو سکتا وہ تلوار سے جو ہمارا ایک قطرہ خون نکلے گا اُسے
دہو دیگا - اگر میدان مصاف میں یہ نہ ہو اور صرف لاف ہو تو وہاں کا مرنا مردار ہونا ہی - یہ جو سپاہی
اور غازی رسمی ہوتے ہیں وہ تجارت کے لئے جنگ میں جاتے ہیں اُنکا حال ایسا ہی جیسے حاجی کا جو
تجارت کے لئے جائے - تجارت گاہ کے رستہ میں کعبہ آیا حج بھی کیا - اگر غزا کی جزا چاہتے ہو اور اُسمیں
کوئی غرض و مطلب نہیں رکہتے ہو تو وہ ایک تجارت گری ہی مردانگی اور دلاوری نہیں - جو جوانمرد ہیں وہ خود بین
اور خودنما نہیں ہوتے بلکہ خدا کو دیکھتے ہیں - مرد اگر سر و تن کو زیبائش دیں تو ہر زن آراستہ بہمن سے -
جو دلیر ہیں وہ اسباب جنگ کی پروا نہیں کرتے - اُن کے دو ہاتھہ ہی بڑے اسباب جنگ ہیں اگر اُن پاس
تیر نہ ہو تو وہ اپنی اُنگلی ہی کو تیر بناتے ہیں اگر تیغ مُشت میں نہ ہو تو مُشت ہی اُن کی تلوار ہے - اگر جوانمرد
اپنی عروسانہ آرائش کریں تو تلوار اُن کے واسطے آئینہ اور نیزہ نکلا ہے - جو مرد آہنی دل اور رویین تن
ہیں نہ اُن کو زرہ کی حاجت ہی نہ جوشن کی - وہ تلوار اور شیر کی طرح برہنہ کارزار میں جاتے اگر مرد بازو

ہتیاروں کے لوہے کے بوجھ سے سو من کے ہو جائیں تو اُس سے کیا کام نکلتا ہے جب میدان جنگ میں جاؤ تو آپنے
ہلکے ہتیار لے جاؤ کہ جس سے تم خود بوجھ کے نیچے نہ دب جاؤ۔ اور دشمن کے ہاتھ سے سر اُڑ واؤ۔ گوزن کے سینگ تین گز
کے ہیں شیر کے ایک انگشت ناخن ہیں نہنگ بے جوشن ہے مگر پانچ سو من کی مچھلی اُس کا کچھ نہیں کر سکتی کیونکہ
کا دل ترساں ہے اسلیئے وہ سر در گریباں ہوتا ہے جو شخص میدان جنگ میں لڑائی سے زرد و کبود ہوتا ہے
اُسکو خود زرہ اور تیغ کبود سے کیا حاصل ہے۔ میدان کارزار میں ایک آدمی کا زرد رو ہونا سو جنگ جو کو
زرد بناتا ہے جس مرد کا رو جنگ سے زرد ہو وہ عورت ہے اُسکے مُنہ پر غازہ مل کر سُرخ رو بنانا چاہیئے۔
نامردوں کا مُنہ اس سبب سے زرد ہوتا ہے کہ اُسکے رخ سے خون خوف کے مارے بہاگ جاتا ہے۔ پس جس کے
چہرہ سے خون بہاگ جائے وہ میدان جنگ میں کیا ٹہیر سکتا ہے۔ کم حوصلہ آدمیوں کے ہاتھ سے تیغ تیر۔ سپر
گرنے لگتی ہیں۔ وہی صف کے سردار ہونے کے لائق ہے جو تلوار کے واسطے ہمہ تن سر بن جاتا ہے۔ بادشاہوں
کی حمایت سے میدان جنگ میں روباہ لنگ بہی شیر ہو جاتی ہے۔ جو لڑائی میں ایستادہ ہے وہ اگرچہ ضعیف ہے
مگر توانا تر ہے۔ بعینہ اگر اپنے نیش پر کہڑا ہو تو ہاتہی کے پاؤں سے نہیں ٹوٹتا۔ یا در کہہ حملے
بے صرفہ لڑائی میں نہ کر اس سے نامرد دشمن بہی مرد ہو جاتا ہے۔ اگر تو جنبش کو دکانہ دشمن پر کریگا تو تجہہ پر دوست
لعن و طعن کرینگے اور دشمن طعن مارینگے۔ دشمن ناچیز کو خوش ہنجاری سے مارنا چاہیئے۔ پشہ کو ہاتہہ سے
مارنا چاہیئے نہ گرز سے جب پشہ تجہہ پر نیش زنی کرے اور تو اُسکو خنجر سے مارے تو تو اپنے تئیں ضرر پہنچائیگا
کرگس کو تیر سے مارنا چاہیئے۔ باز کے مارنے کے واسطے تو تہوڑا سا سرکہ کافی ہے جو مرد میدان ہیں وہ
میدان کارزار کو گلزار سوسن و گل کا جانتے ہیں اور روز وغا میں اپنے جلوے دکہاتے ہیں اور شاہین کی
طرح اُڑتے ہیں ان کی پیٹہہ نہیں دکہائی دیتی۔ اگر وہ دلاور پیٹہہ بہی دکہاتے ہیں تو اوروں کے مُنہ سے
زیادہ کام کرتے ہیں۔ پیٹہہ دکہانے میں وہ دشمن کو دہوکہ دیتے ہیں افسوس ہے اُس مرد پر کہ وہ اوروں کی
مدد نہ کرے۔ یا میدان جنگ سے بہاگ کر عورت بن جائے۔ جو تجہہ سے مغلوب ہو جائے اوس کو مارنا مردانگی
نہیں جو شجاع فرزانہ ہے وہ عاجزوں کے مارنے کو مردانگی نہیں جانتا۔ جو بہادر بستہ ہو اُسکو نہ مار۔ مرد
نبرد آزما اُسی کو مارتا ہے جس کے مارنے میں رضاء خدا جانتا ہے ٭

(۱۱) عفت

جنس عفت کے ماتحت بارہ نوع ہیں اول حیا اس سے مراد ہے کہ جب نفس کو قبح قبیح سے آگاہی ہو تو اس قبیح امر کے ارتکاب کے پاس نہ پھٹکے جس سے وہ نکوہش و ملامت کا سزاوار نہ ہو۔ دوم رفق اس انقیاد نفس کا نام ہے کہ جس سے لوگوں پر احسان ہو۔ سوم حسن ہدے۔ وہ نفس کی کمال رغبت استکمال کی طرف ہے۔ چہارم مسالمت جب آرا مختلف اور خواہشہائے متفرقہ ہوں تو اس وقت ایسی باتیں کرے کہ باہم صلح ہو۔ پنجم ہمت وہ سکون نفس حرکت شہوت کے وقت ہے۔ ششم صبر مقاومت نفس کا نام ہے جو ہوائے نفسانی سے کرتی ہے تاکہ لذات قبیحہ کی مزاولت اس سے نہ صادر ہو۔ صبر کی دو قسمیں ہیں کہ ایک مطلوب ہے دوم صبر مکروہ پر دوسری قسم کا صبر قوت غضبی سے تعلق رکھتا ہے۔ حدیثیں مشہورہ ہیں کہ الصبر مفتاح الفرج۔ النصر مع الصبر۔ حکمائے فرس اپنے ہیاکل و معابد میں لکھ کر لٹکاتے ہیں کہ آہن طبعاً عاشق مقناطیس ہے ایسے ہی ظفر طوعاً طالب صبر ہے۔ ہفتم قناعت وہ استخفاف نفس کا نام ہے جو مآکل و مشارب و ملابس وغیرہ میں ہو اور بقدر ضرورت پر اکتفا ہو۔ بوجہ استہانت نہ بوجہ حرص جمع مال کہ جس کو تقتیر کہتے ہیں وہ شرعاً و عقلاً مذموم ہے بخلاف اول کے کہ وہ بکمال محمدت ہے۔ سوم ہے۔ ہشتم وقار۔ وہ اطمینان نفس کا نام ہے کہ آدمی شتابی سے پرہیز کرے۔ نہم ورع ہے وہ افعال پسندیدہ و اعمال نیک کے ساتھ نفس کی ملازمت کا نام ہے۔ دہم انتظام نفس کو تقدیر امور پر حسب لیاقت و حسب مصلحت ملکہ حاصل ہو۔ یازدہم حریت مکاسب جمیلہ سے اکتساب مال پر اور مال کی صرف کی مصارف فائقہ پر قدرت حاصل ہو اور مکاسب ذمیمہ سے اور مصارف قبیحہ کے صرف پر امتناع کی طاقت ہو۔ دوازدہم سخاوت ہے وہ ایک ملکہ ہے کہ جس سے آدمی مال کو جہاں چاہیے اور جتنا چاہیے خرچ کرتا ہے۔

ایک جماعت ایسی ہوتی ہے کہ لذات دنیوی سے اعراض کرتی ہے تاکہ جو جنس ان پاس ہو اس سے اور زیادہ ہو جائے۔ اکثر زہاد کا حال یہ ہے کہ اظہار زہد کو دام تذویر بنا کے عوام کو صید کرتے ہیں اور اس وسیلہ سے اغراض فاسدہ دینیہ اور اغراض کاسدہ دنیویہ کے لئے توسل ڈھونڈتے ہیں۔ یا ان کو لذات دنیاوی سے آگاہی نہیں ہوتی جیسے کہ اہل جبال اور ساتیق ہوتے ہیں کہ شہروں سے دور رہتے ہیں۔ اکثر تناول و تعاطی سے سبب لذت

دل بھر گیا ہوتا ہی۔ یا اصل فطرت میں یا کسی حرص کے عارض ہونے سے نقصان شہوت ہوتا ہی یا آلام امراض
و یا اطلاع مردم کے خوف سے وہ پرہیز کرتے ہیں اس سے لوگ عفیف نہیں ہوتے۔

(۱۲) سخاوت

ایک سخاوت کی تعریف ہم نے اوپر کی ہی بعض اُس کی تعریف ترک لذات شہوت کی کرتے ہیں۔ مگر سخاوت کا اطلاق ہم اکثر روپیہ پیسے یا کسی اور چیز کے دینے پر کرتے ہیں تجربہ سے معلوم ہوتا ہی کہ سخا سے بہتر کوئی پیشہ نہیں آدمیوں کے ہاتھ میں سیم و زر دینا اس سے بہتر ہے کہ خاک میں پایا جائے۔ جو چیز خاک میں دبی ہو وہ خاک ہی ہوتی ہی۔ عطا درم و درم سے راحت فقرا کی کھول ہاتھ میں زر کو غنچے کی طرح بند نہ کر۔ بلکہ گل کی طرح کھول کر خرچ کر جمع درم سے فلس ہوتا ہی بذل و کرم سے بسط۔ اپنا حال حقہ کا سا کر کہ وہ زر و مال سے پر ہو یا خالی ہو ایک حال پر رہتا ہی۔ ہمیانی نہ کہ زر دلی زری سے فربہی و لاغری تجھکو ہو۔ ہمیانی جو سیم و زر سے بھری تیری کمر میں بندھی ہی وہ زریں کمر بند ہی۔ پس اس کمر بند کو حاجت مندوں کی خدمت کے سوا نہ باندھ۔ اگر کسی کے سر سے بار فقر تو اتارے تو اسکی گردن پر اپنا بار منت نہ رکھ۔ کاہ کو اتارنا کوہ کو رکھنا مناسب نہیں خدا کی طرح عطا بخش ہو کہ کسی شخص پر بار منت اپنا نہ رکھے۔ جو مال و زر تو دے اُسکو بوجہ پسندیدہ کے دے۔ یہ نہیں کہ ستم کر کے سیم لے اور کمینوں کے آگے خوان کرم بچھائے۔ اس سے بہتر کرم یہ ہی کہ دست ستم کو کھینچے جو قحبہ کو بخشنا ہے یا راشی رشوت کے روپیہ زر بخشنے اُس سے بخل سو درجہ بہتر ہے۔ اسکی جود شرارت پر منتہی اور بخل اس کا سعادت کا ثمر ہے۔ بہتر ہے کہ زر محتاج کو کچھ نہ دے۔ بہ نسبت اُس کے کہ وہ زر تاراج کر دے۔ ابر کو چاہئے کہ وہ صحرا میں برسے کہ جس سے سبزہ و گل اُگے۔ دریا میں اس کے برسنے سے کیا فائدہ ہی کہ وہ آبلہ زو کرے۔ کریم کو چاہئے کہ وہ مسکین کو دے۔ اگر تونگر کو دے گا تو گویا موتیوں کو دریا میں پھینکے گا اہل کرم پر کو پر نہیں کرتے اور کم کو کم نہیں دیتے۔ وہ تونگر کو کم دیتے ہیں گدا کو زیادہ۔ ایسے ہی اگر تو اپنا روپیہ دیکر فاسق کو دل شاد کرے تو تو خانۂ فسق کو آباد کرتا ہی۔ ظالم کو زر دینا اُسکی تیغ ظلم کا زر اندود کرنا ہی۔ غرض جو مستحق ہو اُسکو دو۔ اگر تم اس نظر سے کسی کو دو کہ اُس سے کسی کا پھیر لو تو یہ سخاوت نہیں ہی بلکہ بیع و شرا یا تجارت ہی جال میں دانہ اسلئے ڈالو کہ مرغ پھنسے وہ مرغوں کے لئے انعام نہیں بلکہ دام ہی

تجھے آفتاب کی طرح عطا کرنی چاہئے کہ وہ سب نشیب فراز میں نفع پہونچاتا ہے اور خود کسی سے متمتع نہیں ہوتا
تو اپنی عطا کے جزا و صیت آوازہ ثنا نہ جاہ۔ مرد کریم کبھی زر نام کے واسطے نہیں دیتا۔ سائل کی مدح و
ثنا پر زر دیتا ہے وہ زر دے کر خر بنتا ہے۔ سخی کا نام تو خود بر دار کرتا ہے۔ اُس کا نام خاص و عام کی زبان
پر ہوتا ہے مگر اُس ناموری سے مغرور نہو۔ بلکہ جان لے کہ خدا کے واسطے کرم کرتا ہے خدا اُس کی مزد دے گا
اور نیک نامی اوسکی ما سوا ہے۔ جو تونگر دیتا ہے وہ عاقبت میں پہل دیگا۔ جو قطرہ باراں کہیت میں گم ہوتا ہے
وہ خود گندم دیتا ہے سخاوت انسان کے ساتہہ مخصوص ہے۔ باقی اور جانور اُس سے محروم ہیں ہر ایک اکیلے
اپنا ہی پیٹ بہرتا ہے مگر آدمی اور ہزاروں آدمیوں کو شکم سیر کرتا ہے۔ بس جو آدمی اوروں کو بے غم نہیں
کرتا وہ آدمی نہیں عطا سبب جلب دل کش ہے۔ مگر خوش وہاں ہی جہاں وہ درستی کے ساتہہ ہوتی ہے
آنکھوں میں سُرمہ دینا سلائی سے اچھا معلوم ہوتا ہے نہ چھچہ سے بُرا۔ کرم کا دینا شرف ہے سُرف کا دینا
مسخراپن ہے۔ اگر ایک شخص پاس ایک ہی کپڑے ہوں۔ وہ کسی کو دیدے تو احمق ہے۔ اگر فقیر اپنے کپڑے
اتار کر کسی کو دیدے اور وہ مرجائے تو مرنے دے۔ جو شخص زر و مال سے تونگر ہو اگر وہ سب کچھ دیدے
تو اسراف مال ہے۔ دو میں ایک دینا چشم کرم کا نور ہے اور تین سے ایک دینا خیر الامور ہے۔ سخاوت
اپنی طاقت کے موافق چاہئے۔ قرض لیکر سخاوت کرنی حماقت ہے۔ جو شخص شراب پی کر بخشش کرتا ہے
وہ قرض ستان بدرہ و بدخو ہے۔ دیوانہ طفل مست کی بخشش ہنسی کے قابل ہے۔ یہ سب خندہ بیجا
کمینے آدمی جود و عزا سے دور ہوتے ہیں جیسے خس غرق ہونے سے اور خر تیرنے سے۔

(۱۳۱) سخاوت

ایک جماعت ایسی ہوتی ہے کہ شہوات سے تمتع حاصل کرنے کے لئے مال خرچ کرتی ہے۔ یا ریا کے سبب یا
جاہ و جلال کی زیادتی کے سبب یا دفع ضرر کے لئے غیر محل استحقاق میں مال صرف کرتے ہیں بعض
انفاق میں زیادہ خرچ کرتے ہیں اسواسطے کہ وہ مال کی قدر نہیں جانتے مواقع احتیاج سے غافل ہوتے
ہیں یہ اُس جماعت کا حال ہوتا ہے جس کو میراث میں یا کسی اور طرح سے مال ہاتہہ لگ گیا ہو اور وہ صعوبت
اکتساب سے بے خبر ہوں۔ مال کا مدخل دشوار ہے اور مخرج آسان ہے حکما نے کہا ہے کہ مال کا جمع کرنا ایسا ہے

جیساکہ بڑے پتھر کا پہاڑ پر چڑھانا۔ اور خرچ کرنا ایسا ہی جیسے کہ پتھر کا اوپر سے لڑکا دینا۔ تدبیر معاش میں مال کی ضرورت ظاہر ہی۔ اور اظہار فضیلت میں بھی اسکو دخل عظیم ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول ہے کہ حکمت تونگری کے ساتھہ بیدار ہی اور درویشی کے ساتھہ خواب میں جب دانا کے پاس دینار نہ ہو تو خلق اُس سے منتفع نہیں ہو سکتی۔ بلکہ خود بھی مصالح ضروری پر توجہ کرنے سے بہت سے کمالات سے باز رہتا ہی

مرا بہ تجربہ معلوم گشت آخر حال ۔۔۔ کہ قدر مرد بعلم است و قدر علم بہ مال

مال کا وجوہ ستودہ سے حاصل کرنا مشکل ہے۔ اسلئے کہ مکاسب جمیلہ قلیل ہیں اور ان پر چلنا احرار کو دشوار ہے۔ بس ایسے شخص سخی نہیں ہوتے بلکہ سخی حقیقت میں وہ شخص ہے کہ مال کو خرچ کسی غرض کے لئے نہ کرے بلکہ اس سبب سے کہ سخاوت ایک ملکہ شریفہ ہی اُسکی لذتیں مطلوب ہیں اگر اُسکے سوا کوئی اور وجہ اُسکے قصد کی ہو تو وہ بالعرض ہو نہ بالحقیقت +

(۱۴) سخاوت و بخل کی تعریف اور اُسکی حقیقت

ہر انسان اپنے عندیہ میں اپنے تئیں سخی جانتا ہی حالانکہ غیروں کی نظروں میں بخیل ہوتا ہی یا ایک آدمی سے کوئی کام سرزد ہو تو اُس میں لوگوں کا قول مختلف ہوتا ہی بعض کہتے ہیں کہ یہ بخل ہے اور بعض کہتے ہیں بخل نہیں علاوہ اُسکے آدمی کا نفس مال کی محبت سے خالی نہیں اس محبت کے باعث مال کی حفاظت کرتا ہی اور اُس میں امساک کرتا ہی اگر امساک ہی بخل ہوا کرے تو اُس سے کوئی بھی خالی نہیں ہے اگر امساک سے بخل نہ ہو تو پھر بخل کے معنی کیا ہیں بخل تو امساک ہی کا نام ہے۔ بخل کی تعریف میں اقوال مختلف ہیں بعض بخل کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ حق واجب کے نہ دینے کا نام بخل ہے بس جو شخص حقوق واجبہ اپنے ذمہ کے دیتا رہے وہ بخیل نہ ہوگا مگر یہ تعریف کافی نہیں اسلئے کہ بہت سی مثالیں ایسی ہیں کہ آدمی حقوق واجبہ کو ادا کرتا ہے مگر پھر بھی بخیل کہلاتا ہی۔ مثلاً ایک شخص قصائی سے گوشت اور نانبائی سے روٹی مول لیتا ہے اور اُسے کم قیمت پر واپس کرتا ہے۔ یا ایک شخص نے جو اپنے اہل و عیال کے واسطے روزینہ مقرر کر رکھا ہی اگر وہ اُس سے زیادہ ایک کوڑی بھی لے لیں تو وہ اُسکو کاٹ لیتا ہی۔ یا آدمی اس خیال سے کہ کوئی میرے ساتھہ کھانا آن کر نہ کھانے لگے چھپ چھپ کے کھاتا ہی۔ لوگ ہر صورت میں ایسے آدمی کو بخیل کہتے ہیں۔ باوجودیکہ وہ حق

ناوجب ادا کرتا ہی۔ بعضونکا قول ہی کہ بخیل وہ ہی جو دینے کو سخت جانے یہ تعریف بھی ناقص ہے کیونکہ اگر اس سے یہ غرض ہی کہ سب قسم کا دینا اُس پر سخت ہو تو بہت سے بخیل ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کو تھوڑا دینا گراں نہیں گزرتا البتہ زیادہ دینا گراں گزرتا ہی۔ یا یہ غرض ہو کہ بعض دہش اُسکو ناگوار گذرتی ہے تو یہ بات سخی میں بھی موجود ہی۔ مثلاً کسی کو سب مال یا اُس کا بڑا حصہ دینا ناگوار گذرے تو وہ شخص بخیل نہیں کہلائیگا۔ اسی طرح سخاوت اور جود کے باب میں اقوال مختلف ہیں بعض کہتے ہیں بدون مانگے کسی کو دے اور یہ تصور کرے کہ تھوڑا دیا۔ بعض یوں کہتے ہیں کہ سائل کو دیکھکر خوش ہونا۔ اور اپنے دینے سے فرحت کرنے کا نام جود ہی۔ کچھہ لوگ یہ فرماتے ہیں کہ مال کو اس خیال سے دینا کہ مال بھی خدا کا ہے اور بندہ بھی اُس کا تو بندہ خدا کا مال خدا کو دیتا ہی فقر و فاقہ سے نہیں ڈرتا۔ اُس کا نام جود ہے اور کچھہ یوں کہتے ہیں کہ جو شخص کچھہ مال تو دیوے اور کچھہ باقی رکھے وہ اہل سخاوت ہی اور جو زیادہ تر دے ڈالے اور تھوڑا سا اپنے لئے رہنے دے وہ اہل جود ہی اور جو خود تکلیف اُٹھائے اور دوسرے کی تمنا پوری کردے وہ صاحب ایثار ہے اور جو کچھہ بھی خرچ نہ کرے وہ بخل والا ہی۔ یہ تمام اقوال اس باب میں ہیں مگر حقیقت بخل و جود کی کسی سے صاف نہیں معلوم ہوتی۔ اسواسطے ہم اُسکو مفصل لکھتے ہیں اصل یہ ہی کہ مال ایک حکمت اور مقصود کے لئے پیدا ہوا ہی یعنی حاجات خلق کی درستی کے لئے بنا ہے اور یہ بات ممکن ہی کہ جس چیز میں اُس کا صرف کرنا چاہئے اُس کا امساک کیا جاوے اور یہ بھی ہوسکتا ہی کہ جن اشیا میں اُس کا خرچ کرنا اچھا نہیں انہیں میں اُٹھا دیا جائے۔ اور ان دونو باتوں کے بیچ میں یہہ بات ممکن ہی کہ اُس کا خرچ عدل کے ساتھہ ہو یعنی جہاں روکنا ضرور ہی وہاں روکا جائے جہاں خرچ ضروری وہاں خرچ کیا جائے۔ پس خرچ کی ضرورت کی جگہہ پر روک رکھنا بخل ہے اور روک رکھنے کی ضرورت کی جگہہ خرچ کرنا اسراف ہی اور اُن دونو کے درمیان میں خرچ و امساک کرنا اچھا ہے اور اس رتبہ اوسط کا نام جود و سخاوت ہی۔ مگر اُس کے ساتھہ یہ شرط بھی ہی کہ دل بھی اُس پر راضی ہو اور تکرار نہ کرے۔ اگر کوئی شخص جہاں خرچ کرنا مناسب تہا وہاں خرچ کرتا ہے۔ مگر نفس اُس سے نزاع کرتا ہے۔ اور یہ اُس پر صبر کرتا ہی تو ایسے شخص کو سخی نہ کہیں گے۔ بلکہ تکلف سے سخی بننے والا کہلائیگا۔ اس لئے ضرور ہوا کہ اُس کے

دل کو مال کے ساتھہ صرف اتنا علاقہ رہنا چاہیئے کہ اخراجات ضروریہ میں اُس کو صرف کر دے اور کوئی علاقہ
نہ ہو۔ اب یہی یہ بات کہ کونسے اخراجات واجب ہیں دو طرح کے ہیں ایک تو یہی دوسرے دنیادی جو بلحاظ
ضرورت و عادت واجب ہیں سخی وہ ہے کہ جو نہ مال کو ضروریات مذہبی سے روکے نہ ضروریات مروت
اگر ایک کو ان دونوں میں سے فروگذاشت کریگا تو بخیل کہلائیگا۔ اب بخل کی بُرائی اور سخاوت کی بھلائی
اشخاص اور اُن کے حالات کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ مثلاً بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اُنہیں تونگر کی تنگ
گیری بُری معلوم ہوتی ہے فقیر کی بُری نہیں اگر آدمی اپنے اہل و عیال و اقارب سے تنگ گیری کرے تو
بُری معلوم ہوتی ہے۔ اجنبیوں سے بُری نہیں معلوم ہوتی۔ ہمسایوں سے تنگ گیری بہ نسبت دور والوں کے
بُری معلوم ہوتی ہے۔ غرض نہ تنگی برتنے میں چار چیزوں کے اختلاف سے اُسکے احکام مختلف ہوتے ہیں
اول جس کام میں تنگی کی جائے جیسے ضیافت و داد و ستد وغیرہ۔ دوم جس چیز کی تنگی کی جائے
جیسا کپڑا اور کھانا وغیرہ اسلئے کہ جیسے کھانے میں تنگی بُری معلوم ہوتی ہے ایسی اور چیزوں میں
نہیں ہوتی۔ سوم جسکے ساتھہ تنگی کی جائے مثلاً دوست یا بھائی کے ساتھہ یا قریب یا زن و فرزند
یا اجنبی کے ساتھہ۔ چہارم جو شخص تنگی کرتا ہے وہ لڑکا ہے یا عورت یا بڈھا یا جوان یا عالم یا جاہل یا
مالدار یا مفلس بس بخیل اس شخص کو کہتے ہیں کہ مال کو ایسی جگہہ خرچ کرنے سے روکے جہاں بحکم
شریعت یا باقتضاء مروت روکنا نہ چاہیئے اور اُسکی کچھہ مقدار معین نہیں ہو سکتی جو شخص مال کی
محبت کے سبب سے مروت کو توڑتا ہے وہ بخیل ہے۔ جو شخص واجب شرعی اور واجب مروت کو ادا کردے
تو وہ بخل سے بری ہو گیا۔ ہاں جود و سخا کی صفت سے جب ہی موصوف ہو گا جب اُس مقدار سے
زیادہ خرچ کرے اور اُس سے دل بھی خوش ہو کسی طمع و توقع کے خدمت یا تمنا یا مکافات یا شکر و ثنا
کے لئے نہ ہو۔ کیونکہ جو شخص شکر و ثنا کی تمنا رکھتا ہے وہ سخی نہیں بلکہ اپنے مال سے ثنا کو مول لیتا ہے
اُس کو سوداگر کہنا چاہیئے کہ خرچ مال سے اُس کا مقصود مدح ہے جو کہ مزہ دار معلوم ہوتی ہے اور جود
اُس خرچ کو کہتے ہیں جو بدون غرض کے ہو۔ مگر واقع میں اُس طرح کی جود بجز ذات پاک خدا تعالیٰ کے
اور شخص میں نہیں ہو سکتی۔ آدمی پر جو جود کا اطلاق ہوتا ہے فقط مجازاً اسلئے کہ آدمی کا کوئی سا

خرچ غرض سے خالی نہیں ہوتا۔ اگر خرچ کا سبب صرف ثواب آخرت ہی اور یہ نہیں ہے کہ لوگوں کی ملامت سے ڈرتا ہی یا جسکو دیتا ہی اُس سے نفع کی توقع ہو تو یہ جود میں داخل نہیں کیونکہ یہ چیزیں گویا اُس کو سردست عوض میں ملتی ہیں اور وہ اسی غرض سے خرچ کرتا ہے پس عوض لینے والا ہوا جود ہوا۔ ایثار اُسے کہتے ہیں کہ باوجود اپنی حاجت کے دوسرے کو مال دے ڈالے۔ اُس کا درجہ سخاوت سے بڑہ کر ہے اسلئے کہ سخاوت میں تو آدمی اپنی حاجت سے جو بچتا ہی اُسے دیتا ہی جس چیز کی اپنے تئیں حاجت نہ ہو اُس کا دے ڈالنا آسان ہی۔ مگر جس چیز کی حاجت ہو اُسے دے ڈالنا دشوار ہے۔

(۲) دنیا ایک کشت زار ہی اور اُس میں اصناف وطبقات خلائق بمنزلہ اراضی و قطعات کے ہیں مال آب رواں ہی۔ ہر قطعہ اراضی کشت زار میں پانی کچھہ پہونچتا ہے جس سے وہ خرم و تازہ ہوتا ہی۔ اسی طرح اصناف خلائق کا ساز و برگ و نشو و نما مال سے ہوتا ہی۔ اُسی سے برگ معیشت ہوتا ہی سبزہ حیات اُگتا ہی۔ احتیاج کی پیاس بجھتی ہی چہرہ پر رنگ خرمی آتا ہے۔ زمینیں بلند و پست ہوتی ہیں بلند زمینیں بقدر حاجت پانی کو پی کر پانی کو پست زمینوں کی طرف بھیج دیتی ہیں اور یہ پست زمینیں پانی کو جمع کرتی ہیں پس اسی طرح بلند قدر و عالی ہمت مال دنیا کے بقدر حاجت اکتفا کرتے ہیں باقی سب زیر دستوں میں خرچ کر دیتے ہیں پس جو پستی ہمت اور دناءت مرتبت سے موصوف ہوتا ہی وہ مال کو اس طرح جمع کرتا ہی جیسے کہ مغاک پانی کو گھیر لیتا ہے کہ پھر اُس سے باہر نہیں جاتا۔ جیسے کہ زمینوں کی بلندی و پستی پانی کی روانگی اور ایستادگی سے معلوم ہوتی ہے اسی طرح ہمتوں کی بلندی و پستی مال کے خرچ و امساک سے معلوم ہوتی ہیں ؎

با ہمت والا ز دنیا نشود جمع | باراں کہ بکہسار رسد بند نگردد

پس بخیل و خسیس نہ سمجھیں کہ مال کے جمع کرنے سے ہم معزز ہوتے ہیں بلکہ وہ نہایت ذلیل و خوار ہوتے ہیں

(۳) ان چند طریقوں کی رعایت کرنے سے حسن سخاوجود کا آب و رنگ و زیادہ ہو جاتا ہے۔ اول یہ کہ بذل وجود میں اہلیت اور استحقاق منظور نظر رکھے نا اہلوں کے ساتھہ احسان کرکے اُس کو ضائع نہ کرے۔ حق شناس عاقبت اندیشوں کے نزدیک کرم بے موقع اور بخشش بیجا اور بخل یکساں ہیں

بخل حرص و شرہ کے سبب سے ہو اور جود بیجا حماقت و سفہ کے سبب ہے۔ اگر وہ گران جانی کے سبب سے
ہے تو یہ بیشک طفلی و نادانی کے سبب ہے۔ بے کس و بے بس محتاجوں کو چھوڑکر دولت مندوں کے ساتھ
سلوک کرنا۔ پیاسے کھیت کو چھوڑکر دریا میں پانی لے جانا ہے۔ دردمند شکستہ دلوں کے ساتھ عطا کا
ترک کرنا اور اور مرفہ الحالوں کو مال دینا ایسا ہی کہ عضو مجروح کو چھوڑکر عضو صحیح پر مرہم رکھنا
اہلیت اور استحقاق سے فقط عسرت اور پریشانی مراد نہیں ہے بلکہ یہ غرض ہے کہ جس کے ساتھ عطا کرے اُسکے
لئے جہات شائستہ میں سے کوئی جہت تلاش کرے۔ شریروں پر نیکوں کو فاسقوں پر صلحا کو ترجیح
دینی چاہیئے۔ بے شروں پر اہل خیر کو نادانوں پر دانشوروں کو تقدیم چاہیئے۔ داد و دہش شائستگی
اور اہلیت پر مبنی ہونی چاہیئے۔ نہ فقط اظہار ہمت کے لئے۔ جیساکہ اکثر احمقوں کا قاعدہ ہے کہ وہ سخی نما
اس طرح بنتے ہیں کہ بزم شراب میں اور مجالس لہو و لعب میں ہزاروں روپے خرچ کر دیتے ہیں اور
نقد و جنس فواحش کو دیدیتے ہیں +

دوسرا طریقہ یہہ ہے کہ کسی محتاج کے پیشانی سے علامات مرض اور دردمند کے چہرہ سے پریشانی ظاہر
معلوم ہو تو اُس کے درد کی درمان میں چستی و جلدی ایسی کرے کہ وہ اضطرار سے اظہار حال نہ
کرنے پائے۔ اسواسطے بعد اظہار و طلب کے جو کچھہ اُس کو دیا جائیگا وہ اُس کے اظہار کی اجرت ہے
اور اُس کی آبرو کی قیمت ہے۔ عطا بعد از طلب سخا نہیں بلکہ حیا ہے۔ اسواسطے کہ آدمی کو شرم آتی ہے
کہ سائل کی حاجت نہ روا کرے پس یہ عطا محض اختیار و رغبت طبع کے سبب سے نہیں ہوگی بلکہ بہ تقاضائے شرم
تیسرا طریقہ یہ ہے کہ محتاج کی حاجت اسطرح روا کرے جس سے وہ شرمندہ نہ ہو اور اسکی پردہ دری نہو
مثلاً کسی غریب کو نقد لینے سے شرم آتی ہو تو اسکو جنس سے بدل دے۔ اگر کسی شخص کو زکوٰۃ و صدقہ
لیتے ہوئے شرم آتی ہو تو اسکو تحفہ و ہدیہ کے نام سے دے۔ اگر کسی کو لوگوں میں لینے سے شرم
آتی ہو تو اسکو خلوت میں دے۔ اگر تیرے ہاتھہ سے لینے میں شرم آتی ہو تو اُس کے پاس بھیجدے
کسی عزیز پر عسرت و خواری رہنی بیدردی ہے۔ سائل کے چہرہ پر اثر ذلت دیکھنا خلاف شیوہ مروت
ہے۔ چوتھا طریقہ یہ ہے کہ عطا بے منت ہو۔ فتوۃ یعنی جوانمردی چار چیزوں کا نام ہے۔ تواضع با دولت

یا قدرت نصیحت یا عداوت عطا سے منت۔ پانچواں طریقہ یہ ہے کہ خواہ کتنی بڑی عطا کرو اُس کو
حقیر جانو۔ چھٹا طریقہ یہ ہے کہ جب کسی درویش و محتاج سے وعدہ عطا ہو تو اُس میں تاخیر نہ کرو
جہانتک جلد ہو سکے اس وعدہ کو پورا کرو۔ کیونکہ عطا میں تعلیل و رعذر کرنا بخل کی نشانی ہے
اہل عرب کا قول ہے وَعْدُ الْکَرِیْمِ نَقْدٌ وَتَعْجِیْلٌ وَوَعْدُ اللَّئِیْمِ مَطْلٌ وَتَعْطِیْلٌ یعنے وعدہ کریم
نقد ہی اور جلد ہی سے پورا ہوتا ہے اور وعدہ لئیم میں تعویق اور تاخیر ہے۔ اور ہر روز اُس کے
واسطے عذر کرتا ہے۔ ایک عرب کا شاعر کہتا ہے +

فان تجمع الآفات فالبخل شرھا   وشر من البخل الوعید و المطل

یعنے اگر تمام مرض اور آفتیں جمع ہو جائیں تو مرض بخل اُنمیں بدتر ہے اور بخل سے بدتر دروغ وعدے
ہیں جنکے وفا کرنے کے لیے ہر روز دوسرے روز کا وعدہ کیا جاتا ہے +

(۱۵) بخل کا علاج

بخل کا سبب مال کی محبت ہے۔ مال کی محبت کے دو سبب ہیں ایک تو شہوات کی محبت کہ بدون مال کے
وہ حاصل نہیں ہو سکتیں اور اسی میں طول امل یعنی توقع اپنی عمر کی زیادتی بھی داخل ہے اگر آدمی
یہ جانے کہ میں کل مر جاؤنگا تو غالب ہے کہ مال کا بخل نہ کرے بعض اوقات طول امل اس سبب سے ہوتا
ہے کہ آدمی اپنی زندگی کی زیادہ توقع نہیں کرتا۔ مگر صاحب اولاد ہونے کے سبب طول امل کا قائم مقام
فکر اولاد ہوتا ہے جنکے جینے کو وہ اپنی زندگی سمجھتا ہے۔ اور اُنکے لیے مال کو روکتا ہے۔ دوسرا سبب یہ
ہے کہ خود مال ہی اچھا معلوم ہوتا ہے۔ یہانتک کہ اپنی جان سے زیادہ عزیز ہو جاتا ہے۔ بیمار پڑیں تو
علاج میں بالکل خرچ نہ کریں زمین میں گاڑ کر مال کو رکھتے ہیں باوجود یکہ جانتے ہیں کہ ہمارے مرنے کے
مال ضائع ہو جائیگا۔ یا دشمنوں کے ہاتھ پڑیگا پھر بھی اُسکے کہانے کو یا اُس میں سے ایک حبہ خیرات
کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ اور یہ دل کا مرض ایسا ہے کہ اُس کا علاج بہت مشکل ہے خصوصاً بڑھاپے
میں تو پُرانے مرضوں کی طرح لاعلاج ہے اس مرض والے کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کوئی کسی پر
عاشق ہو اور اس سبب سے اُس کے ایلچی کو بھی چاہنے لگے پھر یہانتک بڑا اتنی محبت کرے کہ محبوب کو بھول جائے

اس نہج کر وہ ویسا ہی حاجتوں کا ایلچی ہے کہ زر کے سبب سے حاجتیں روا ہوتی ہیں اسی جہت سے زر محبوب ہوتا
ہے مگر بعض اوقات حاجتوں کا خیال ہی نہیں رہتا صرف زر ہی محبوب ہو جاتا ہے۔ اور حضرت شیخ سعدی
کے اس کلام کا خیال نہیں ہوتا۔ ؎

	زبہر خوردن بود اے پسر	زبہر نہادن چہ سنگ وچہ زر	

یہ مال کی محبت کے اسباب ہیں ہر بیماری کا علاج اس کے سبب کے ضد کرنے سے ہوتا ہے۔ شہوات کی محبت
کا علاج تو یہ ہے کہ تھوڑی سی چیز پر قناعت اور صبر کرے ؎

	کار دنیا کسے تمام نہ کرد	ہر چہ گیرید مختصر گیرید	

طول امل کا علاج یہ ہے کہ ہر دم موت کو یاد کرے اور اپنے ہمسروں کی مرنے کو لحاظ کرے کہ مال کے
جمع کرنے میں کیسے کیسے دکھ اٹھائے اور مصیبتیں سہیں آخر خالی ہاتھ چلے گئے اور وہ سب تباہ ہو گیا
اولاد کا خیال اگر دل میں ہو تو یہ سوچے کہ اگر وہ صالح ہے تو خدا اُن کا کفیل ہے اور اگر فاسق ہے تو
یہ ہمارا مال اُس کے حق میں دو زہر ہوگا بعض اولاد جنکے وارثوں نے کچھ باقی نہیں چھوڑا وہ اپنے
ماں باپ سے اچھی حالت میں ہیں اور بعض اولاد جنکے وارثوں نے مال چھوڑا وہ تباہ و خستہ حال ہیں
ایک مفید علاج یہ بھی ہے کہ بخیلوں کے حالات پر زیادہ غور کرے اور ان سے نفرت کرے اور اُن کو
برا جانے کیونکہ کوئی ایسا بخیل نہیں جو دوسرے کے بخل کو برا نہ جانے پس یہی اپنا تصور کرے
کہ اگر میں بخل کرونگا تو سب کی نظروں میں حقیر اور ذلیل ایسا ہونگا جیسے کہ اور بخیل میری نظروں
میں معلوم ہوتے ہیں۔ ایک تدبیر یہ بھی ہے کہ مال کو بقدر حاجت رکھ لے اور باقی کو خرچ کر ڈالے
ایک اور بھی بخل کے دور کرنے کی ترکیب ہے کہ بہ تکلف خرچ کرنے کی عادت ڈالے جیسے عشق جب تک
نہیں جاتا کہ معشوق پیش نظر رہتا ہے۔ ہاں اُس کے مقام سے مفارقت اختیار کرے اور اس جدائی
پر بہ تکلف صبر کرے تو رفتہ رفتہ دل کو تسکین ہو جاتی ہے۔ بس اس طرح جو مال محبوب تھا نظر سے
محجوب ہوگا تو اس سے بھی محبت کم ہو جائے گی۔ ایک اور بخل سے بچنے کی تدبیر لطیف یہ ہے
کہ آدمی اپنے دل کو سمجھائے کہ دینے سے نیک نام اور سخی مشہور ہوگا۔ اس نیت سے بتقاضا

خرچ کرے یہانتک کہ جو دل کی صفت پیدا کرنے کی طمع کے سبب سے خرچ کرنا گوارا نہ گذرے اس طرح بخل تو دفع ہوگا مگر ریا پیدا ہوگا۔ پھر ریا کو دور کرنے کی تدبیر کرے جیسے لڑکے کا جب دودہ چھڑاتے ہیں تو کھیل کی طرف رغبت دلاتے ہیں کہ دودہ کو یاد نہ کرے جب وہ دودہ بھول جاتا ہی تو اُس کھیل سے بھی اُس کو علیحدہ کر دیتے ہیں اسی طرح صفات خبیثہ میں بھی بعض کو بعض پر تسلط کرکے تیزی ایک دوسرے کی کم کی جاتی ہی جو اُن میں ضعیف ہو اُس کو قوی کی غذا کرتے جائیں۔ یہاں تک کہ آخر کو ایک رہ جائے۔ پھر اُس ایک کے دور کرنے کا علاج یہ ہی کہ اُس کی غذا روک دی جائے۔ اور غذا کا روکنا اُن صفات سے یہ ہی کہ اُن کے مقتضا کے موافق عمل نہ کیا جائے۔ یعنی صفت خبیث جو باتیں چاہے ہرگز نہ کرے۔ جب اس طرح اُس کا خلاف کیا جائیگا تو خواہ نخواہ وہ صفت مضمحل ہوکر مر جائے گی بخل کی صفت کا اقتضا یہ ہی کہ مال کو روکے اور خرچ نہ کرے بس جب آدمی اُس کے خلاف کریگا اور نفس پر مجاہدہ کرکے بار بار خرچ کرتا رہے گا تو بخل کی صفت مر جائے گی۔ اور وصف بذل طبعی ہو جائیگا پھر اُسمیں دشواری نہیں رہے گی۔ اِس سے معلوم ہوا کہ بخل کا علاج کیا تو اُس علم سے ہوتا ہی کہ آدمی بخل کی آفات اور سخاوت کے فائدوں کو جانے۔ یا اُس عمل سے ہوتا ہی کہ داد و دہش بہ تکلف کرے جب تک مقصود حاصل نہ ہو۔ مگر بعض اوقات صفت بخل ایسی قوی ہوتی ہے۔ کہ اور آدمی کو اندہا اور بہرا کر دیتی ہے کہ اُسکو اُسکی آفت کچہہ نہیں سوجہتی نہ کچہہ جود کا فائدہ معلوم ہوتا ہی۔ ایسی صورت میں بخل کا مرض لا علاج ہے۔

(۱۶) خیرات

جو صاحب مال تونگر دولت مند ہی اُسپر عقلاً اور مذہباً یہ فرض ہے کہ وہ اپنے مال میں سے کچہہ حصہ خیرات کرے۔ ہندو اُس کو دان پن کہتے ہیں مسلمان اُسکو زکاۃ و صدقہ کہتے ہیں (زکاۃ کے اصلی معنی نمو افزونی کے ہیں اسلئے زکاۃ کو زکاۃ کہتے ہیں کہ اُس سے مال میں برکت اور افزونی ہوتی ہے) خیرات ان تین سببوں سے ہر انسان پر فرض ہوتی ہے۔ اول خیرات سے خدا تعالی کی محبت کا امتحان ہوتا ہی خلائق کے نزدیک مال بہت محبوب ہے کہ دنیا کی ساری کار برآری کا ذریعہ وہی ہے۔ اُس سے مالدار کو

بڑا انس ہوتا ہے۔ پس جب وہ اس دولت کو جو اُسکی معشوق و منظورِ نظر ہے راہِ خدا میں دیدیتا ہے تو اُسکی محبتِ الٰہی کی صداقت ہوتی ہے۔ دوسرا امر یہ ہے کہ ایسے مالدار کی ذات سے بخل کی صفت دور ہوگی۔ بخل بد بلا ہے۔ بخل کی بُرائی تو اسی طرح دور ہو سکتی ہے کہ آدمی دے ڈالنے کا عادی ہو۔ کیونکہ کسی چیز کی محبت جدا نہیں ہوتی جب تک کہ نفس کو اُس کی مفارقت پر زور نہ دیا جائے یہاں تک کہ اُس سے جدا ہونے کا خوگر ہو جائے۔ سوم پروردگار نے جو اُس کو دولت کی نعمت دی ہے اُس کا شکر الٰہی مال دینے سے ہو جاتا ہے۔ وہ شخص بڑا اخسیس ہے جو فقیر کو دیکھے کہ اُسپر روزی تنگ ہے اور اپنا محتاج ہو کر آیا ہے اُسپر بھی وہ خدا تعالیٰ کا شکر اُسکو دیکر نہ ادا کرے کہ مجھکو سوال سے غنی کیا دوسرے کو میرا دست نگر بنایا +

شعر

نہ خواہندہ بر درِ دیگراں ۔ بشکرانہ خواہندہ از درمراں

اب تنقیح طلب امور یہ ہیں کہ خیرات کن کو دے کس قدر دے کس طرح دے۔ جو خیرات لیں وہ کیونکر لیں اُس کے عوض میں کیا کریں آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنی خیرات کے دینے کے لئے ایسے آدمی ڈھونڈے جن میں ان چھہ صفتوں میں سے ایک صفت یا زیادہ پائی جائیں۔ اول وہ فقیروں کو دے۔ فقیر اُسکو کہتے ہیں کہ جسکے پاس مال نہ ہو اور نہ کمانے پر قادر ہو جس شخص کے پاس ایک روز کے لئے غلّہ اور لباس ہو وہ فقیر نہیں غرض جس پاس سر دست وہ اشیا نہیں جنکی اُسکو حاجت ہے اور اُن کے حاصل کرنے سے عاجز ہے۔ اُس کو فقیر سمجھنا چاہئے۔ اب فقیر دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جو پرہیزگار اور دنیا سے روگرداں اور صرف آخرت کی تجارت میں مشغول ہوں۔ وہ محتاج اسلئے ہیں کہ خدا کی طاعت میں ریاضت زیادہ کرتے ہیں۔ دوم وہ لوگ فقیر ہیں جو سوال کرتے پھرتے ہیں چونکہ سوال کرنا کوئی کمائی کا پیشہ نہیں ہے اسلئے یہ سائل بھی زمرہ فقرا سے خارج نہیں مگر اُس صورت میں کہ کمانے پر قادر ہوں تو فقیروں کے زمرہ سے خارج ہو جائینگے۔ اگر وہ اوزاروں سے کمانے پر قادر ہو تو اُس کو اوزار اپنے مال سے خرید دے۔ اگر ایسے پیشے پر قادر ہو جو اُس کی شان کے لائق نہیں ہے اور اُس سے بعید ہے تو بھی اُسکو فقیر تصور کرے غرض جہانتک ہو سکے ایسے فقیروں کو پیشہ کرانے میں صرف زر چاہیئے

کیونکہ پیشہ کرنا صدقہ لینے سے بدرجہا بہتر ہے۔ بس ایسے فقیر جنسے کچھہ ہو ہی نہیں سکتا اُن کو خیرات
دے۔ باقی فقرا سے پیشہ کرانے کی امداد میں وہیہ صرف کرے۔ دوم مساکین کی اعانت اپنے
مال سے کرے۔ مسکین وہ شخص ہے جس کی آمدنی خرچ کو کافی نہوتی ہو۔ کوئی شخص ایسی تنگی سے
رہتا ہو کہ روٹی ہے تو کپڑا نہیں کپڑا ہے تو روٹی نہیں۔ سر ڈہکا تو پیر ننگے۔ پیر ڈہکے تو سر کہلا
ایسے آدمیوں کی امداد اپنے روپیہ سے کرنی چاہئے۔ تیسرے اُن اہل علم کی خدمت اپنی دولت سے
کرنی چاہئے جو علم کی تعلیم میں مدد کرتے ہیں۔ علم کی برابر کوئی نعمت نہیں ہے۔ خاص اس فرقہ علما کی
اور اُن کے مدارس کی بہت فیاضی سے مدد کرنی چاہئے۔ اگر عالم کا دل بہی کسی حاجت میں مصروف
ہوگا تو وہ علم کی ترویج کے لئے مہلت نہیں پائیگا۔ اُنکو دینا حقیقت میں علم کے لئے اُن کو فارغ کر دینا
اور فرصت نکال دینی ہے۔ تعلیم ایک حاجت ضروری ہے۔ مدارس میں جس قدر ہو سکے خیرات دے
سب سے اچھی خیرات یہی ہے۔ چوتھے اُن لوگوں کو خیرات دے جو کثیر العیال ہوں یا مرض میں گرفتار
ہوں۔ یا کسی بلا ناگہانی میں کسی سبب سے مبتلا ہو گئے ہوں۔ ہاتھہ پاؤں ٹوٹ گئے ہوں۔ یا کسی اور طرح
اپاہج ہو گئے ہوں۔ ایسے قرضدار ہو گئے ہوں کہ قرض نہ ادا کر سکتے ہوں۔ یا مسافرت میں محتاج
ہو گئے ہوں۔ پانچویں عزیز اقارب ور ذوی الارحام میں جو محتاج ہو اور بعد اُن کے جو واقفکار
دوست آشنا تنگ دست ہوں اُنکو خیرات دینا چاہئے اور اُن کے دلوں کو آسائش پہنچانی
چاہئے۔ اب دوسری بات یہ کہ کس قدر دے۔ مسلمانوں کے ہاں تو مقرر ہے کہ زکاۃ میں مال کا چالیسواں
حصہ دیتے ہیں اور قوموں میں کوئی اُسکی حد مقرر نہیں۔ مسلمان اگر اس حصہ معینہ سے کم دینگے تو وہ معصیت
میں اپنے مذہب کے موافق گرفتار ہونگے۔ غرض خیرات آدمی کی اپنی ہمت پر موقوف ہے۔ مگر اُس کو چاہئے
کہ جو چیز دے وہ اچھی اور تحفہ دے۔ موٹی بھیا یا ہمن کے سر اور دُبلا گھوڑا درگاہ کے نذر نہ کرے۔
تیسری بات یہ کہ کس طرح دے۔ سب عاقلوں کے نزدیک پوشیدہ دینا اچھا ہے۔ کیونکہ اس میں نمود
اور شہرت اور ریا سے آدمی دور رہتا ہے۔ خیرات دینا اُس کا نام ہے کہ اُسکے بائیں ہاتھہ کو خبر ہی نہو
کہ اُس کے داہنے ہاتھہ نے کیا دیا ہے۔ اس گپت دان سے آدمی شہرت اور ریا کی آفت سے چھوٹتا ہے

جو شخص اپنی خیرات کو چھپاتے پھرتے ہیں وہ فقط شہرت کے طالب ہیں جو لوگوں کے مجمع میں دیتا ہے وہ ریا کا طالب ہے۔ پوشیدہ دینے میں ان دونوں آفتوں سے بچاؤ ہے بعض آدمی پوشیدہ خیرات کرنے میں یہانتک مبالغہ کرتے ہیں کہ لینے والا دینے والے کو نہ پہچانے۔ اندھے کے ہاتھ میں پیسا رکھ دیتے ہیں اور فقیر کے راستہ میں ڈر سے اس طرح روپیہ پیسہ پھینک دیتے ہیں کہ وہ اُسکو دیکھ لیں مگر اُنکو نہ دیکھیں سوتے ہوئے فقیروں کے پلہ میں باندہ دیتے ہیں دوسرے شخص کے ہاتھ بھجوا دیتے ہیں مسکین اگر دینے والے کو پہچانے تو اُس میں شہرت و ریا اور احسان تینوں ہیں درمیانی آدمیوں کے ذریعہ سے دینے میں فقط ریا ہی ہے جس صورت میں دینے والے کو شہرت مقصود ہو۔ تو اُس کا عمل لغو ہوگا۔ کیونکہ خیرات بخل کے دور کرنے اور مال کی محبت کم کرنے کے لئے ہوتی ہے مگر مال کی محبت سے زیادہ جاہ کی محبت نفس پر چھائی ہوئی ہے۔ پس اگر دنیا افزائش جاہ کے لئے ہو تو خیرات کرنا ایک بُرائی سے بچکر دوسری بُرائی میں پڑنا ہے۔ سائل کو جو چیز دو اسطرح دو جیسے کوئی دوست کو ہدیہ دیتا ہے کبھی ہاتھ میں کچھ کر پیش کش کے طور پر ایسی جگہ ظاہر بھی خیرات دینی چاہئے کہ وہاں اور لوگوں کو خیرات دینے کی ترغیب اُسکے اتباع سے ہو۔ اگر کوئی شخص مجمع میں سوال کرے تو اسکو خیرات دیدے۔ مگر اپنے نفس کو ریا سے روکے کہ مجمع میں دینے سے سوائے ریا اور احسان کے اور خرابی یہی ہے کہ سائل کی پردہ دری ہوتی ہے۔ مگر جب سائل خود ہی اپنی پردہ دری کرتا ہے تو اُس میں خیرات کرنے والے کا کیا گناہ ہے۔ سب سے بڑی بات خیرات دینے میں یہ ہے کہ من واذے نہ ہو۔ من کے معنی سائل پر اپنا احسان خیرات کا جتانا اور اُس کا ذکر کرنا۔ اذے کے معنی یہ ہیں کہ سائل کو سوال پر زجر و توبیخ کرنا آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو نہ سمجھے کہ میں نے فقیر پر کیا احسان کیا انعام دیا۔ بلکہ یہ سمجھے کہ میں خدا کی نعمت کا قرضدار تھا وہ قرض ادا کیا۔ اُس سائل نے یہ احسان مجھ پر کیا کہ میرا قرض چکا دیا۔ قرض کا ادا ہونا اپنے حق میں فائدہ دیتا ہے نہ دوسرے پر احسان کرتا ہے جب یہ سمجھے گا تو ظاہر ہے کہ من کے معنی سے جو باتیں متفرع ہوتی ہیں اُنکو چھوڑیگا۔ خیرات و صدقہ کا ذکر کرنا۔ ظاہر کرنا۔ فقیر سے اُس کا بدلہ چاہنا کہ شکرگزار اور دعاگو ہو۔ اور خدمت و تعظیم کرے۔ اور حقوق بجالائے۔ اور مجلسوں میں آگے بٹھائے۔ اور کاموں میں پیروی کرے۔ کہ یہ سب امور من کے ثمرے ہیں اذے کے معنی ظاہر ہیں تیوری چڑھانا

اور عیب لگانے اور درشت کلامی اور ترش روئی اور ظاہر دینے سے پردہ دری کے ہیں مگر تم اس کا
منشا دو باتیں جانو اول مال کے ہاتھ سے نکلنے سے نفس کو اذیت مت دو۔ دوم اپنے آپ کو یہ نہ سمجھو کہ
کہ میں فقیر سے بہتر ہوں یہ شخص اپنی حاجت کے سبب سے مجھ سے رتبے میں کم ہے۔ یہ دونو باتیں جہالت
سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور من اور اذے کے ساتھ خیرات نہ کرے۔ بلکہ خوش دلی سے سائل کو دے اور
اُس کو اپنا محسن سمجھے۔ کہ وہ اُس کے دینے کو قبول کرتا ہے آدمی جو کچھ خیرات کرے اُسے تھوڑا جانے
اسلیے کہ اگر بہت جانیگا تو تکبر و غرور کریگا۔ اُس سے یہ نیک عمل باطل ہو جائے گا بعض اکابر کا قول ہے
خیرات تین چیزوں بغیر پوری نہیں ہوتی۔ اول اسکو چھوٹا جاننا۔ دوم جلد ادا کرنا۔ سوم چھپا کر دینا
آدمی کو چاہیے جو خیرات کرے اُس سے حیا و شرم کرے اور جاننے میں بڑی خست کی ہے۔ اب یہ سنو کہ
جو خیرات لیں وہ کیونکر لیں اور اُسکے عوض میں کیا کریں فقرا مساکین علما عزیزا قربا جو خیرات
لیں اُنکو چاہیے کہ وہ خدا کا اول شکر بجا لائیں کہ اُس نے اُن آدمیونکو واسطہ اُن کے رزق کا بنایا۔ اُن آدمیوں
کی احسانمند ہوں اُنکے لئے دعاء خیر کریں۔ اُنکو چاہیے کہ جہانتک ہو سکے اسطرح خیرات لیں کہ خود اُنکی
پردہ دری نہ ہو۔ پوشیدہ خیرات لینے میں ایک خیر اُنکو غنی جانتے ہیں سوال نہ کرنے کی صورت محبوب ہوتی
ہے۔ دوسرے دینے والے کی عمل نیک خفیہ کرنے میں اعانت ہوتی ہے۔ اگر عطا میں کچھ عیب ہو تو اُس کو
چھپا دے۔ اور اُسکی تحقیر و مذمت نہ کرے۔ اور دینے والا اگر کوئی نہ دیوے تو اُس کو منع نہ دینے کا ننگ
نہ لگائے۔ اگر وہ دیوے تو اُس کے فعل کو اپنے نزدیک اور لوگوں کے سامنے بڑا جانے کیونکہ دینے والے کا
ادب اپنے دہش کو چھوٹا جاننا ہے۔ اور لینے والے کا ادب یہ ہے کہ جو کوئی دے اُسکی دہش کو بڑا
جانے۔ بڑی بات خیرات لینے والے میں یہ چاہیے کہ وہ یہ خیرات جب لے کہ اُسکو تحقیق ہو جاوے
کہ مجھ میں اُسکے لینے کا استحقاق پیدا ہو گیا ہے۔ جب اپنا گذارہ کسی طرح سے نہیں کر سکتا ہو
تب خیرات کو ہاتھ لگائے۔ دو باتوں کا لحاظ خیرات لینے میں کہا گیا تو اُس سے اپنی حاجت
رفع ہو جو کسی اور طرح سے نہ ہو سکتی ہو۔ یا دین۔ مذہب۔ تعلیم کی ترقی اُس سے کر سکے۔ اب تک ہم نے
یہ مضمون احیاء العلوم سے اسطرح انتخاب کیا ہے کہ وہ ہر قوم و ملت کے موافق ہو سکتا ہے ہم کم و بیشی کے ساتھ

اُسکو اور پیرایہ سے ادا کرتے ہیں +

(۱۷) خیرات

خیرات کے مختلف طریقے ہیں اُن سب میں انسان کی نیت ہونی چاہیے کہ کوئی اپنی غرض شامل نہو
ریا و شہرت منظور نہو احسان ماننے اور دعا لینے کی تمنا نہو۔ خیرات کے یہ طریقے ہیں اول زبردستی
خیرات دینا۔ یہ خیرات اُس قسم کی ہوتی ہے جیسے لوگ چندہ دن میں روپیہ دیتے ہیں کہ کوئی ذی وجاہت
کسی کارِ خیر کے لئے روپیہ طلب کرتا ہے کچہہ اُسکے رعب سے کچہہ مآل اندیشی کے سبب سے روپیہ دیدیتے ہیں
یا بعض درگاہ کے خادم اور مندروں کے پجاری ایسی زبردستی کرکے ستاتے ہیں کہ روپیہ دینا پڑتا ہے
یا حاکم کوئی ٹیکس کسی کارِ خیر کے لئے لگا دیتا ہے جیسے کہ قحط کی ٹیکس لگی ہوئی ہے۔ اگر ان دونو کاموں
میں نیت خیر نہیں ہے تو یہ کارِ خیر نہیں نہ روپیہ کا دینا خیرات ہے۔

دوم محتاج کے مانگنے پر دینا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہزاروں بہیک مانگنے والے بدن پر چینہڑے لگائے
ہوئے لیتڑے پہنے ہوئے ہماری صورت دیکھتے ہی ہماری خوشامد کی باتیں بناتے ہیں دعائیں
دیتے ہیں اپنی مصیبت کی باتیں سُناتے ہیں کچہہ لینے کے لئے گڑگڑاتے ہیں ہاتہہ جوڑتے ہیں
پاؤں پڑتے ہیں یا تمہارے گہر پر آتے ہیں اور اپنی آفات کی کہانی سُناتے ہیں اُن کو ہم کچہہ دیدیتے
ہیں اس دینے کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم ہزاروں آدمیوں کو جو اپنی محنت مزدوری سے گذارہ کرسکتے ہیں سُست
و کاہل بنا دیتے ہیں اُنکو میلے پہٹے پُرانے کپڑے پہنواتے ہیں اور جہوٹی افسانہ سازی سکہاتے ہیں
ایک بزرگ کا قول ہے کہ قصہ گویوں اور بہیک مانگنے والوں کی برابر کوئی دنیا میں جہوٹا نہیں ہوتا
یہ دینا اس سبب سے نہیں ہوتا کہ ہم لوگوں کی حالت زار دیکھتے ہیں کہ وہ جاڑے میں ننگے ہیں یا گرمی
میں گودڑا اوڑہے ہوئے ہیں بلکہ وہ اُن کی دعائیں و خوشامد کی باتیں اچہی لگتی ہیں اسلئے دیدیتے
ہیں اُن کے ہم حال بہت سے آدمی ہم دیکھتے ہیں جو ہم سے سوال نہیں کرتے اُن کو کچہہ نہیں دیتے

سوم جو محتاج کہ ہم سے کچہہ مانگتے نہیں اُن کو دیدیتے ہیں یہ عمدہ خیرات ہے کہ جب ہم کو کسی شخص کی
احتیاج ایسی معلوم ہو کہ وہ اُسکے رفع کرنے پر خود قادر نہ ہو تو ہم اُسکو کچہہ دیدیں ۔

چہارم محتاج کو احتیاج کے موافق دیں یہ بھی ایک خیرات میں خوبی ہے کہ محتاج کو اسقدر دیدیں کہ اسکی احتیاج رفع ہو جائے اور اسکو کسی دوسرے پاس احتیاج لے کر نہ جانا پڑے جس سے اسکو سوال کی ذلت اُٹھانی پڑے۔ اظہار افلاس سے پردہ دری ہوتی ہے +

پنجم محتاج کی احتیاج کے موافق نہ دیں اگر آدمی کسی کی پوری احتیاج رفع کرسکتا ہو اور نہ کرے تو خیرات میں خست کرتا ہے +

چھٹا لینے والا دینے والے کے نام سے آگاہ ہو مگر دینے والا لینے والے کو نہیں جانتا ہو۔ یہ اکثر مسلمانوں میں خیرات کے لنگر خانوں میں اور ہندوؤں کے ہاں سدا ورت میں ہوتا ہے کہ بھوکوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ کھانے والے جانتے ہیں کہ کون کھلاتا ہے۔ مگر کھلانے والا نہیں جانتا کہ کون کھا گئے۔ یہ خیرات ایسی ہے کہ جس میں ادب و من کو دخل نہیں ساتواں لینے والے اور دینے والے دونو ایک دوسرے کو نہ جانتے ہوں نہ پہچانتے۔ یہ خیرات ایسی ہے جیسے کہ ہسپتالوں اور مکتبوں میں اور لاوارث بچوں کی تعلیم و تربیت میں ہوتا ہے کہ بیمار آتے ہیں اور علاج کرتے ہیں وہ یہ نہیں جانتے کہ کون اس شفاخانہ کا خرچ چلاتا ہے خرچ چلانے والا یہ نہیں جانتا کہ کون بیمار اچھا ہوگیا۔ سب سے زیادہ عمدہ خیرات یتیم بچوں کی تعلیم و تربیت میں روپیہ خرچ کرنے سے ہوتی ہے۔ اسواسطے بچے یہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ کون ہماری تعلیم کا بار اپنے سر پر اُٹھا رہا ہے۔ وہ اس احسان کا شکریہ ادا کرنا ہی نہیں جانتے اگر لاوارث بچوں کی تربیت میں روپیہ صرف کرو تو بچے یہ نہیں سمجھتے کہ تم اُن پر احسان کرتے ہو ہم کو اسکا شکریہ بجالانا چاہیے۔ یہی خیرات اس قسم کی ہے کہ محتاج پر احسان کیا جاتا ہے جس کو نہ وہ احسان سمجھتا ہے نہ اُسکا شکر ادا کرنا جانتا ہے +

آٹھواں۔ افلاس اور مصیبت کے انسداد و انتظام کے واسطے پہلے سے خیرات دینا۔ جیسے بڑے بڑے عمارات میں مزدور و مکا لگانا۔ اور صنعت کے کارخانوں کا کھولنا جس میں ہزاروں آدمی افلاس کی مصیبت سے بچتے ہیں التعمیر نصف الخیرات مشہور ہے۔ یہی آٹھ طرح خیرات کی ساری دنیا میں جاری ہیں۔

(۸) اپنے عیب پہچاننے

جو شخص اپنے عیبوں کو پہچانتا ہے اسکو یہ سمجھو کہ خدا تعالیٰ اُس کے حال پر نہایت مہربان ہے جو شخص باعقل ہوتا ہے وہ اپنے عیب پہچانتا ہے کوئی عیب اُس کا پوشیدہ نہیں رہتا اور وہ اُس کے علاج کے بھی درپے ہوتا ہے مگر افسوس ہے کہ اکثر آدمی اپنے عیبوں سے جاہل ہوتے ہیں اوروں کے عیب ذرا ذرا معلوم کرتے ہیں لیکن اپنے بڑے بڑے عیب نہیں دیکھتے۔

ای ہنرہا نہادہ بر کف دست	عیبہا را گرفتہ زیر بغل
تا چہ خواہی خریدن اے مغرور	روز درماندگی بسیم دغل

اپنے عیب جاننے کے چار طور ہیں اوّل کوئی بزرگ ایسا جو عیوب نفس جانتا ہو اور پوشیدہ آفات روحانی کو پہچانتا ہو اُسکے حوالے اپنے تئیں کر دے اور جو عیب وہ بتلائے اُسے تسلیم کرے اور جو علاج کہے وہ کرے مگر یہ عمل کہیں ہوتا نہیں نہ کوئی ایسا کامل شخص ہوتا ہے اور نہ کوئی اپنے تئیں ایسے کامل کے حوالہ کرتا ہے۔ دوم یہ کہ کسی اپنے دوست صادق متدین عقیل سے کہے کہ میرے احوال اور افعال کو تاکتا رہے اور جو کچھ میرے اخلاق اور افعال ظاہری و باطنی میں بُرا معلوم ہو اُس سے مجھ کو اطلاع دے بزرگان دین نے ہمیشہ ایسا ہی کیا ہے۔ مگر ایسا دوست ملنا دشوار ہے کہ دوستی کا لحاظ برطرف کرکے عیب بتلاوے یا حسد کے باعث جتنا چاہیے اُس سے زیادہ نہ کہے۔ اکثر دوست حاسد و خود غرض ہوتے ہیں کہ جو عیب ہو اُس کو عیب جانتے نہیں یا خوشامد کے مارے عیب چھپا دیں۔ زمانہ کا دستور ہو گیا ہے کہ ہم سے جو کوئی نصیحت کی بات کہے اور ہم کو ہمارے عیب بتلاوے ہم اُسکو سب سے بڑھ کر دشمن سمجھتے ہیں افسوس ہے کہ لوگ نہیں سمجھتے کہ اخلاق بد مثل سانپ اور بچھو کے ہیں پس اگر کوئی ہم سے یہ کہے کہ تمہارے کپڑوں میں بچھو ہے تو اُس کا ممنون ہونا چاہیے اور خوش ہو کر اُسکو علیحدہ کرنا چاہیے اور اُسکو مارنا چاہیے بچھو کا زہر تو اگر پہنچا اُس سے بھی کم تکلیف پہنچتا ہے اور اخلاق بد کا وبال تو زندگی تک پیچھا نہیں چھوڑتا۔ اہل مذہب کے نزدیک تو وہ ابدالآباد تک پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اپنے عیب دشمنوں کی زبانی معلوم کرے کہ دشمن عیب ہی کے

در پے رہتے ہیں اور غالب ہے کہ آدمی اس باب میں بہ نسبت دوستوں کے دشمنان عیب جو سے زیادہ
نفع حاصل کر سکتا ہے اسلئے کہ دوست خوشامد کی جہت سے عیب نہیں ظاہر کرتے مگر آدمی کی فطرت میں یہ
بات ہے کہ دشمن کے قول کو جھوٹا اور مبنی بہ حسد جانتے ہیں - لیکن اہل بصیرت دشمنوں کے قول سے
بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اسلئے کہ برائیاں ضرور اُن کی زبانوں پر مذکور ہوتی ہیں - چوتھا طور
یہ ہے کہ آدمیوں سے مل کر جو بات ان میں بری دیکھے اپنے نفس کو اس پر متنبہ کرے اسلئے
کہ ایک دوسرے کا آئینہ ہوتا ہے - دوسرے کے عیب دیکھ کر اپنے عیب کو معلوم کر لے اور جان لے
کہ طبیعتیں سب کی قریب قریب ہوتی ہیں جو بات ایک میں ہوگی اُسکی اصل دوسرے میں بھی ہوگی
یا اس سے بڑھ کر ہوگی اس طرح جو بات دوسرے میں بری معلوم ہو اُس بات کو اپنے نفس سے دور
کر دے اور یہ تادیب بہت عمدہ ہے اگر آدمی اس پر عمل کرے تو مرشد و مودب کی کچھ حاجت نہیں۔

(۱۹) اپنا عیب اوروں کو لگانا

راہ میں ایک زنگی کو آئینہ پڑا ہوا ملا - اُس نے اپنی صورت زشت کو اُس میں دیکھا کہ آنکھیں
مثل آتش اور رخ مثل انگشت ہے - جب آئینہ نے یہ عیب اُس کو بتلائے تو اُس نے اس کو زمین پر دے مارا
اور کہا کہ یہ جو راہ میں ایسا خوار پڑا ہے اسکا سبب یہی ہے کہ وہ ایسا زشت ہے - اگر میری طرح رعنا
ہوتا تو کیوں اس کی یہ بری گت ہوتی - یہ ذلت اسکی زشت خوئی اور سیاہ روئی کی وجہ سے ہے
بس یہی حال جاہل کا دانا کے ساتھ ہے کہ وہ اپنے عیب کو اُس کے ساتھ لگاتا ہے - آدمی جب کشتی میں بیٹھتا
ہے تو نظر اُسکی کج ہو جاتی ہے اپنے تئیں ساکن اور ساحل کو متحرک جانتا ہے - یہ نہیں جانتا کہ میں
چلتا ہوں اور ساحل ساکن ہے - مرد دنیا پرست کا بھی یہی حال ہے کہ وہ لڑکے کی طرح ضعیف و
نادان ہے کہ اپنی نخوت و کبر و عجب و خشم کو خوشنودی و عزت و علم جانتا ہے - اگر تجھے علم ہو اُس کے ساتھ
عمل نہ ہو تو اپنے تئیں گدھا سمجھ کہ بار کو اٹھاتا ہے اور گھاس کھاتا ہے - دانش کے معنی عمل کرنا ہے
جیسے خنجر کا کام صف توڑنا ہے - علم با کار سودمند ہوتا ہے - علم بے کار پا سے بند ہوتا ہے - تجھے اس کوچہ
کی خبر نہیں - تو نے تعصب یہ زبان پر رواں کر رکھا ہے کہ فلاں ملحد ہے فلاں کافر ہے - تو اپنے گریبان میں

منہ ڈال کہ ایمان تیرا سلامت رہے۔ تو اپنی غمخواری کر دوسرے کا اندیشہ نہ کر۔ اپنی گفتار کو کردار کے
موافق کر۔ علم مخلص جان کے اندر ہوتا ہے۔ علم دہوو زبان پر۔ ماہ کو روشنی جیسے آفتاب سے ملتی ہے
ایسے ہی دانش کو تازگی صواب سے ملتی ہے +

باب سوم

علم و عمل و عقل

(۱) علم

علم کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح کوئی چیز ہے اسکو اسطرح جانے۔ علم مال سے
کرتا ہے اور تو مال کی۔ علم حاکم ہے اور مال محکوم۔ مال خرچ کرنے سے گ
ہے۔ کوئی چیز علم سے بڑھ کر عزت والی نہیں بادشاہ ا
حاکم ہوتے ہیں۔ علم کے ماتحت مال اور حکومت ہ
ہوتی ہے وہ علم ہے۔ انسان جب ہی انسان ک
انسان کی شرافت نہ تو جسم کے زور کے باعث
ہونے کی جہت سے ہے کہ ہاتھی اس سے بڑا ہ
نہ کھانے کی وجہ سے کہ بیل کا پیٹ اُ
کے سبب سے۔ علم کے لئے وہ پیدا ہ
باقی رہا۔ دل کی غذا علم ا
جس سے وہ جیتا ہ
اپنے دل کی
رہنے
ہنا

ذخیرہ کی جائے جواب دیا کہ وہ چیز ذخیرہ کرنی چاہیئے کہ جب تیری کشتی ڈوب جائے تو وہ تیرے ساتھ
تیرنے لگے یعنی علم ذخیرہ کرنے کے قابل ہے کہ جب کشتی بدن غرقاب موت ہو تو بھی ساتھ رہے
بعض حکما کا قول ہے کہ جو شخص حکمت کو اپنی لگام بناتا ہے۔ لوگ اسکو امام بناتے ہیں جو شخص حکمت
میں معروف ہوتا ہے لوگ اسکی عزت اور وقار کرتے ہیں۔ اگر آدمی مفلس بھی ہو جائے مگر علم
پاس ہو تو وہ بڑی دولت ہے۔ دل نور حکمت سے ایسا زندہ ہوتا ہے جیسے کہ زمین بہاری مینہ سے
سرسبز ہوتی ہے۔ علماء ہدایتوں کے چراغ ہوتے ہیں۔ ہر ایک اپنے وقت میں شمع ہوتا ہے کہ اس
کے عہد کے لوگ روشنی حاصل کرتے ہیں انہیں کے علم کی بدولت انسان حالت ہیمی سے نکل کر
...سر پہنچتا ہے۔ یہی علم ہے کہ صبح سے لیکر شام تک ہمارا ساتھ نہیں چھوڑتا تنہائی
گفتگو کرنے والا اور ذہن کا راہنما۔ حالت تونگری میں اور افلاس
...اجنبی شخص کو اقرب بنانے والا۔ دشمنوں کے حق میں ہتھیار
...کی طاعت اور توحید اور عبادت و تحمید ہوتی
...حلال و حرام حاصل ہوتی ہے علم امام ہے عمل
...اتا ہے عمدہ اخلاق اور سعادت کی طرف راہ بتاتا
...شناسی پر موقوف ہے جس علم کی وہ
...ہے

...لت کا مادہ فضل ہے جس کے
...کی بات زیادہ ہو تو
...کا کمال ہو
...اسکی
...کا

بالذات اور غیر کے لئے مطلوب ہو ان تینوں قسموں میں جو بالذات مطلوب ہوتی ہے وہ اول کی
نسبت اشرف اور افضل ہے اور اول قسم کی جو چیزیں غیر کے لئے مطلوب ہوتی ہیں وہ بدیہۃ ایسی
ہیں کہ ان خود سے کسی طرح کا فائدہ نہیں آدمیوں کی حاجتیں ان سے روا نہ ہوں تو ان کا
حال کنکروں کا سا ہو۔ جو چیز بالذات بھی اور غیر کے لئے بھی مطلوب ہوتی ہے اسکی مثال بدن
کی سلامتی ہے مثلاً پاؤں کی سلامتی اس جہت سے بھی مطلوب ہے کہ بدن درد سے سلامت رہے
اور اسلئے بھی مطلوب ہے کہ اس سے چل کر اپنے مطالب اور مقاصد پورے کریں اب علم میں یہ تینوں
اوصاف موجود ہیں وہ خود بالذات بھی لذیذ ہے اسکے بالطبع انسان کو بے غرض مسرت حاصل ہوتی
ہے اور وسیلہ معاش و معاد بھی ہے جیسے آخرت میں نجات اور دنیا میں عزت و وقار اور سلاطین پر حکم کرنا حاصل ہوتا ہے
عالم کی قدر و منزلت طبیعتوں میں ضرور ہوتی ہے جیسے علوم مختلف ہیں ان کے فضائل میں بھی تفاوت
ہے غرض علم کے افضل ہونے میں کچھ شبہ نہیں اسلئے اس کا سیکھنا افضل بات کا حاصل کرنا ہے اور
سکھانا افضل امر کی تعلیم ہے۔ انسان کے تمام مقاصد دین یا دنیا سے متعلق ہوتے ہیں اور دین کا
استظام بدون دنیا کے انتظام کے نہیں ہو سکتا کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ لیکن علوم دنیا کے کام
کے ہیں انکا سیکھنا مقدم ہے اور ایسا ضروری ہے جیسا دینی علوم کا۔ کیونکہ جب تک معاش درست نہ ہو
معاد درست نہیں ہو سکتی۔ دنیا کے معاش کے کاروبار کے اصول چار ہیں جنکے بغیر عالم کا قیام
نہیں اول زراعت جس پر کھانا موقوف ہے۔ دوم نوربافی لباس کے لئے۔ سوم تعمیر رہنے کے واسطے
چہارم سیاست آپس میں مانوس ہونے اور اجتماع کے لئے اور اور استعانت میں ایک دوسرے
کی مدد کرنے کے لئے اب تمام علوم دنیاوی انہیں چار اصول کے خادم ہیں اب علوم دینی جنپر
اہل مذہب کی نجات اخروی موقوف ہے۔ ان میں علم معاملہ ہے وہ دل کی حالات کا معلوم کرنا ہے خواہ
وہ اچھی حالات ہوں جیسے صبر و شکر اور خوف و رجا۔ رضا۔ زہد و تقوی۔ قناعت سخاوت سب حالات
میں خدا تعالی کے احسان کو پہچاننا۔ لوگوں کے ساتھ نیک پیش آنا۔ خدا تعالی پر گمان اچھا رکھنا۔ حسن خلق
اور حسن معاشرت اور صدق و اخلاص اور ان کے مثل ہیں اور بری حالات دل کی جیسے کینہ رکھنا

حسد کرنی۔ نفاق۔ برتری کی طلب اور خواہش ثنا۔ دنیا میں اترانے کی محبت۔ کبر۔ نمود۔ غصہ
شیخی۔ عداوت۔ بغض۔ طمع۔ بخل۔ حرص۔ تکبر۔ اترانا۔ تونگروں کی تعظیم کرنی۔ فقیروں کی اہانت کا
خواہاں ہونا۔ آپس میں ایک دوسرے کی برائی کرنی۔ ہر بات میں تکبر کرنا۔ بیفائدہ امر میں خوض کرنا۔
زیادہ گفتگو کرنے کی محبت۔ دوسرے کی کٹتی بات کہنی۔ لوگوں میں بن سنور کر رہنا۔ دین میں سستی کرنا۔
اپنے نفس کو بُرا جاننا اپنی برائیوں سے غافل ہوکر لوگوں کی عیب چینی کرنی۔ خوف الہی کا جاتا رہنا
جب نفس کو ذلت پہونچے تو اس کا بدلہ سختی سے لینا۔ حق بات کے انتقام میں ضعیف ہونا۔ مکر۔ خباثت۔ فریب
سخت دلی۔ سخت کلامی۔ ظلم کرنا۔ ہلکاپن۔ حیا و رحم کا کم ہونا۔ چوری اور جو ایسی چیزیں ہیں یہ سب بُری ہیں
یہ برائیاں تمام اعمال کی ہیں۔ غرض ان بُری بھلی صفات کی تعریفوں اور حقیقتوں اور سببوں اور
ثمروں اور علاجوں کا معلوم کرنا علم تہذیب اخلاق ہے۔ جو دُنیا اور آخرت دونوں میں کام آتا ہے۔
جو ظاہری اعمال بد کرتے ہیں وہ دُنیا کے بادشاہوں کی ہاتھ سے سزا پاتے ہیں۔ جو باطنی اعمال بد
کرینگے وہ بادشاہ حقیقی کے ہاتھ سے سزا پائینگے۔ کوئی آدمی ایسا نہیں جو بُری صفتوں سے مبرا ہو۔ اور حرص
وحسد و ریا و کبر و عجب و غیرہ سے خالی ہو۔ یہ صفات اُسکو ہلاک کرنے والی ہیں اُن کو دل سے چھوڑ دینا
اور اپنے اعمال ظاہری میں مشغول رہنا ایسا ہی کہ آدمی خارش یا پھوڑوں کی تکلیف میں ظاہر بدن
پر لیپ کرے اور اندر کا مواد فصد و سینگی سے نکالنے میں سستی کرے جب تک باطن کو بُری باتوں سے
خالی نہ کروگے اچھی باتوں سے وہ پُر نہیں ہوگا۔ زمین سے جب تک گھاس نولائی نہیں جائے گی
کھیتی اور چمن کی بہار اُس میں نہیں ہوگی۔ علم دنیاوی ہو یا دینی ہر ایک وہ دریا ہی کہ جسکی تھاہ نہیں
معلوم ہوتی تیرنے والے اُسکے کناروں ہی پر پھرتے ہیں۔ جتنا جس سے ہوسکتا ہے اُتنی وہ گردش
کرتا ہی کبھی کوئی اُس کی انتہا پر نہیں پہنچا۔ جو بڑے غواص ہیں وہ بھی کبھی اُس کے پار نہیں گئے۔ سحر کر
ہاتھ پاؤں بہت مارے مگر پانی کی تھپیڑوں نے اُنکو اُلٹا ہی پھیر دیا۔ جاہ و مال کی زینت ایسی ہی جیسے
اُبٹنے کا رنگ مستعار علم و کمال کی شرافت ایسی ہے جیسے کہ عارض پر زلف و خال کہ وہ قائم ہوتے
ہیں۔ علم و کمال وہ حسن خداداد ہی کہ رنجوری و پیری سے باطل نہیں ہوتا۔ نوشتہ دانش وہ نہیں ہے کہ

گزاک مرگ سے صفحۂ روزگار سے وہ زائل ہو جائے۔ اہل علم گو خود چلے جاتے ہیں مگر اُن کے نقوش و آثار باقی رہتے ہیں۔

(۳) علم کی تمثیل

حضرت علی مرتضیٰ کے کلام سے منقول ہے کہ علم کو ایسے شخص سے تمثیل دی ہے کہ جس کا سر تواضع ہو۔ آنکھیں اُسکی حسد سے بری ہوں۔ گوش اُس کے فہم ہوں۔ زبان اُس کی راست گوئی۔ حافظہ اُس کا تفحص و تجسس اور دل اُس کا نیک نیتی۔ عقل اُسکی معرفت اشیاء۔ ہاتھ اُس کے رحمت (ضعیفوں و درویشوں پر عطا سے دستگیری کرتی ہے)۔ پاؤں اُسکے زیارت علما ہوں۔ ہمت و قصد اُس کا سلامت ہو (یعنی نفس کو دوسرے کی اذیت پہنچانے سے بچاتا یا دین و دنیا کے خطروں سے بچاتا ہو)۔ حکمت اُسکی امور معاش و معاد کا منتظم کرنا۔ پرہیزگاری اُسکی منع حرام ہو۔ قصر اور آرام گاہ اُس کی رستگاری ہو۔ پیش رو اُس کی عاقبت ہو۔ سواری اُسکی وفاداری اصلاح ہو۔ آلہ جنگ اُسکی نرم گفتاری۔ شمشیر اُس کی رضا ہو۔ کمان اُسکی مدارو ہمواری۔ لشکر اُسکا محاورہ (آپس میں باتیں کرنی)۔ مال اُس کا ادب ہو۔ ذخیرہ اُس کا گناہوں کا اجتناب ہو۔ توشہ اُس کا خلق کے ساتھ نکوئی۔ اس کا پانی مصالحہ ہو۔ دلیل یعنی رہنما اُس کا ہدیٰ و ارشاد ہو۔ رفیق اُس کا نیکوں کی محبت ہو +

(۴) عقل

(۱) عقل کا شرف بداہۃً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُسکے بیان کرنے میں تکلف کی حاجت نہیں۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ علم کی فضیلت کو ہم نے بیان کر دیا ہو اور یہ جانتے ہوں کہ وہ عقل کا منبع اور مطلع اور اصل ہے۔ علم کو عقل سے وہ نسبت ہے جو اصل کو پھل سے۔ آفتاب کو نور سے۔ آنکھ کو نگاہ سے۔ عقل کی بدولت دنیا کی فضیلت اور آخرت کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ چوپائے خواہ کیسے ہی تنومند ہوں وہ عقل کے زور سے دب جاتے ہیں۔ مخلوقات میں کوئی چیز اکرم عقل سے زیادہ خداتعالیٰ نے نہیں پیدا کی سارے کام عذاب ثواب کے اُسی سے ہوتے ہیں۔ عقل کی زیادتی کمائی میں معاون نیک کاموں کی طرف رہنما۔ کوئی کام دین دنیا کا اُس کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔ اُسی کے موافق انسان سارے برے بھلے اعمال کرتا ہے۔ عقل انسان کی نگہبان ہے +

اسکے ایمان کا سامان ہے۔ وہی اچھی قوم کی محافظ ہے۔ اچھے گہروں کی منتظم ہے۔ اچھے سوداگروں کی بضاعت ہے۔ مسافروں کے لئے ایک بڑا خیمہ ہے۔ ویرانیوں کی آبادی ہے۔ وہی انسان کے بعد اُس کی یادگار ہو سکتی ہے جسکا ذکر مدتوں چلا جاتا ہے۔ جس شخص کی عقل پوری ہے وہ اپنے نفس کو نصیحت کرتا رہتا ہے۔ اور بموجب عقل کے زندگی بہر عمل کرکے فلاح و نجات کو پہنچتا ہے۔ وہ خدا سے ڈرتا ہے اور اُس کے حکموں کو بجا لاتا ہے

(۵) عقل کے معانی

عقل کے معانی مختلف چار لئے جاتے ہیں اول عقل سے مراد وہ وصف ہے جسکے باعث انسان سب چوپایوں سے ممتاز ہے یعنی جسکے باعث علوم نظری قبول کرنے اور حصہ صناعات فکری کے سمجھنے کی اُس کو استعداد ہوتی ہے غرض وہ ایک نور انسان کے دل میں ہوتا ہے جس سے وہ ادراک کے قابل ہوتا ہے اور علوم نظری کا ادراک کرنیکے لئے مستعد ہوتا ہے جیسے زندگی ایک قوت ہے کہ جس سے جسم حرکات اختیاری اور ارادی پر مستعد ہوتا ہے اور حس کی چیزیں ادراک کرتا ہے۔ اسی طرح کی قوت عقل بھی ہے کہ جس سے انسان علوم نظری کے قابل ہوجاتا ہے۔ دوم عقل سے مراد وہ علوم ہیں جو تمیز دار لڑکے کی ذات میں ہوا کرتے ہیں یعنی جائز چیزوں کے جائز ہونے اور محال چیزوں کے محال ہونے کا علم مثلاً اس بات کا علم کہ ایک سے دو زیادہ ہیں اور ایک شخص کا ایک ہی وقت میں دو جگہہ ہونا ممکن نہیں سوم عقل اُن علوم کو کہتے ہیں جو روزمرہ کے حالات دیکھنے سے اور اُن کے تجربوں سے حاصل ہوتے ہیں کیونکہ جو شخص تجربوں سے مشاق اور طریقوں سے واقف ہوجاتا ہے اُس کو رسم کے بموجب عاقل کہا کرتے ہیں اور جو تجربہ وغیرہ سے متصف نہیں ہوتا اوسکو جاہل غبی و ناتجربہ کار کہتے ہیں غرض علوم تجربہ کی بھی ایک جداگانہ قسم علوم ہے جس کو عقل کہا کرتے ہیں چہارم عقل اُس کو کہتے ہیں کہ قوت طبیعی کی قوت ایسی ہو جائے کہ امور کے انجاموں کو جاننے لگے اور جو خواہش کہ سردست کی لذت کی خواہاں ہو اُس کو اکہاڑ دے اور دبائے رکھے جب یہ قوت آدمی میں آجاتی ہے تو اُس قوت والے کو عاقل کہتے ہیں اس اعتبار سے کہ وہ امور پر اقدام اور جرات اس طرح کرتا ہے جس طرح کہ انجاموں میں فکر مقتضی ہے۔ یہ نہیں کہ بموجب سردست کی خواہش لذت کے مرتکب ہوجائے

غرض اول معنی تو سب کی جڑ اور بنیاد اور منبع ہے اور دوسرے اول کی فرع۔ اور اسکے قریب تیسرے
اول اور دوم کی فرع اسلیئے کہ قوت طبیعی اور علوم بدیہی سے تجربوں کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اور چوتھے
معنی ثمرہ آخر ہیں اور علت غائی ہے۔ پس اول کی دونو عقلیں سرشتی ہیں اور آخر کی دونو کسب سے حاصل
ہوتی ہیں اسیلئے حضرت علی رضہ نے فرمایا ہے +

دو ہیں عقلیں میرے نزدیک اے پسر	اک طبیعی اک سمعی یاد کر
فائدہ سمعی سے کچھہ ہوتا نہیں	جب نہ ہو طبیعی کا دل میں کچھہ اثر
جیسے سورج سے نہیں کچھہ منفعت	گر نہ ہووے آنکھہ میں نور نظر

غرض حقیقی معنی عقل کے تو اس قوت جبلی کے ہیں اور مجازاً اور علوم پر اس سبب سے اطلاق ہوتا
ہے کہ اس قوت کے ثمرات ہیں۔ یہ علوم اس قوت جبلی میں چھپے رہتے ہیں اور پھر کسی وجہ سے ظاہر
ہو جاتے ہیں وہ اس قوت سے باہر سے نہیں آتے۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسے کہ پانی کہ کنواں کھودنے
سے نکل آتا ہے اور جمع ہو کر محسوس ہو جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ باہر سے کوئی چیز اس میں ڈالی جاتی ہے
اسی طرح بادام میں تیل اور گل میں گلاب رہتا ہے۔

(۶) عقل کا کم اور زیادہ ہونا

عقل کی کمی اور زیادتی سب قسموں میں سوا قسم دوم کے ہو سکتی ہے۔ یعنی علم بدیہی میں کچھہ تفاوت نہیں ہو سکتا
سب انسانوں کی عقل اس باب میں یکساں ہے۔ کہ ایک سے زیادہ دو ہوتے ہیں اور ایک جسم دو جگہہ نہیں
رہ سکتا۔ باقی تین قسموں میں کمی و بیشی ہوتی ہے۔ اول قسم کی عقل کا کم و بیش ہونا ظاہر ہے کہ لوگ
علوم کے سمجھنے میں متفاوت ہوتی ہیں کوئی تو کم ذہن ایسا ہوتا ہے کہ بہت سا سمجھانے اور استاد
مارنے سے سمجھتا ہے کوئی تیز ذہن ہوتا ہے۔ ادنی رمز و اشارہ میں سمجھہ جاتا ہے۔ کوئی ایسا کامل ہوتا ہے
کہ خود اسکے نفس سے امور حقائق جوش مارتے ہیں سیکھنے کی نوبت نہیں آتی۔ تیسری قسم کی عقل جو
تجربوں کا علم ہے اس میں بھی لوگ کم و بیش ہوتے ہیں بعض جلد بات کو پا جاتے ہیں اور انکی رائے
[illegible] ایسے نہیں ہوتے چوتھی قسم میں یعنی قوت عقل کا اس درجہ پر زیادہ ہونا

کہ وہ قوت شہوات کو اکھاڑ دے اُس میں ظاہر ہے کہ لوگ متفاوت ہوتے ہیں۔ بلکہ اس بات میں صرف ایک شخص کی حالات میں بھی وہ کم وبیش ہوتی رہتی ہے۔ یہ تفاوت کبھی شہوت کی تفاوت کی جہت سے ہوتا ہے کبھی اُس کے ضرر کے علموں کے تفاوت کے سبب سے۔ ایک عالم گناہ کے ضرر جانتا ہے۔ جاہل نہیں جانتا بعض آدمیوں کے نفس میں عقل ایسی ہوتی ہے کہ وہ خود متنبہ ہو کر بات کو سمجھ جاتے ہیں بعض بدون تنبیہ اور تعلیم کے نہیں سمجھتے۔ اور بعض کو تنبیہ وتعلیم بھی کارگر نہیں ہوتی اُسکی مثال ایسی ہے جیسے کہ زمین کی کہ اُس کی تین قسمیں ہوتی ہیں ایک تو وہ جسمیں پانی جمع ہوتا ہے اور زور پکڑتا ہے اور خود اُس میں سے چشمہ بہنے لگتا ہے۔ دوسری قسم وہ جسمیں حاجت کنواں کھودنے کی ہوتی ہے اور پانی بغیر کنوے کے نہیں نکلتا۔ تیسری قسم وہ ہے کہ جسمیں کنوئے سے بھی پانی نہیں نکلتا۔ خشک ہی رہتی ہے اس منقسم ہونے کا سبب یہ ہے کہ زمین کے جواہر اپنی صفات میں مختلف ہوتے ہیں اسی طرح کا حال انسان کی عقل کا ہے +

(۷) عقل

جو کچھ زیر چرخ نیک وبد ہے وہ خرمن خرد کا خوشہ چین ہے۔ علم وعمل سب اُسی سے درست ہوتے ہیں سارے کاموں کی کنجی اُسکے ہاتھ میں ہے تمام امور بستہ کو وہی کشادہ کرتی ہے۔ پایہ نیک وسایہ بد میں وہی تمیز کراتی ہے۔ دولت دین وصلاح میں کسی کی آنکھ آخر بیں ہوتی ہے عقل سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ کیا ہوا ہے۔ کیا ہو رہا ہے۔ کیا ہوگا۔ عقل کے سخن میں صوت وحرف نہیں ہوتے اُس کا نطق جہاں دم مارتا ہے وہاں حرف وآواز عدم میں چلے جاتے ہیں۔ وہ خود ہی گوہر ہے خود ہی کان ہے خود ہی رسول ہے خود ہی نگہبان ہے جسم وجان کو بردباری اور نفس کو علم ویاری دیتی ہے یہ فسون وافسانہ نہیں بلکہ حکیمانہ بات ہے کہ آفتاب عقل کے مشرق ومغرب میں فوق وتحت وچپ وراست نہیں ہے بلکہ اُس کا مشرق ازل ہے اور مغرب اُس کا خداوند عزوجل ہے اُسی کی روشنی سے دین ہوتی ہے۔ اسی سے دنیا کی پائگاہ قائم ہے وہی بنی آدم کی شادی ہے۔ فہم۔ وہم۔ ہوش۔ اُسی سے قائم ہوتے ہیں۔ وہی دونوں جہان کے عیبوں کو کبھی چھپاتی ہے کبھی صریح دکھاتی ہے۔

عقل ہی راہ حق کی دلیل ہے۔ عقل کا دامن پکڑ کہ تیری رہائی ہو۔ جو اُس کا فرمان کرنے اور نکرنے کا ہو وہ دل وجان سے مان۔ اہل عرب اُس کو مدبر الاقرب کہتے ہیں عقل کا نام فعال ہے۔ پانچوں حواس اُس کے غلام ہیں حس وطبیعت اُس کو اپنا امیر کہتے ہیں نفس ناطقہ اُس کا وزیر ہے مصلحت کی وجہ سے نہ کسی ہوس کی جہت سے اُس کا میل خسرو عادل اور عالم عامل کی طرف ہوتا ہے اس جوہر کے یہی دو عرض ہیں اور متابع غرض ہیں ان دونو بغیر ملک و دین برباد ہوتے ہیں جہاں یہ دو نہیں ہوتے وہاں عقل نہیں ہوتی۔ یہ عقل ہی کا جوہر ہے جو نفس کو ہوا و نفسانی و مقتضیات شہوانی سے روکتا ہے۔ وہی شرع و دین کی وارث ہے۔ وہی زیرکوں کی غمخوار اس دنیا میں ہے۔ انسان کی جاں کی حکمت فزاے عقل ہی ہے۔ جہالت سے عقل ہی تجھے رہائی دیتی ہے تیری دستگیری کے واسطے عقل ہی کافی ہے۔ یہی زاد راہ بس ہے جس شخص میں عقل کی بو آتی ہے۔ اُس کی باتوں میں نکتے نکلتے ہیں+

(۸) عقل

عقل ایک سلطان خوشخو صاحب قدرت ہے۔ اُسے سایہ خدا کہتے ہیں۔ ذات کے ساتھ سایہ آشنا ہوتا ہے۔ اُس سے کبھی جدا نہیں ہوتا سایہ بندہ وار ہوتا ہے اُسکو خود اختیار نہیں ہوتا ہے۔ گر ذات کے نیچے ہوتا ہے لیکن عقل بھی خدا کے ماتحت ہے جو وہ حکم کرتا ہے اُس کو کہہ دیتی ہے۔ وہ پیشکار فرمان ہے اُس کی بات ہم قرین قران ہے۔ اُس کا فیض صفا میں سکینہ روح ہے۔ اُس کا فضل وفا میں سفینہ نوح ہے۔ یا اُس کی بارگاہ فرمان سے نہیں وہ تیرے درد کی درمان نہیں عقل برتر وہم وحس وقیاس اور فلک ستارہ شناس سے ہے مصالح میں مدبر جان ممالک پرور بیزداں۔ اگر شیطان اور آگ و دھواں پاس تم کے تو عقل تم کو جلد چھٹا دیگی۔ جو کوئی اُس کا مخالف ہوا وہ خراب خستہ ہوا جو اُس کا تابع ہوا وہ بلا سے چھوٹ گیا عقل انسانی ہر چیز کو جانتی ہے وہ بہتر و بدتر و پاک و مردار میں تمیز کرتی ہے تن بشری کو خدا ہی سے بال سے باخبر ہے جو اُس سے آشنا ہوا سب عیبوں سے جدا ہوا۔ سارے فساد میں فلاح کے واسطے وہی صلاح ہے۔ مرد ہنر گویا بانی ہو مگر اُس کی روح سر لوح ربانی ہوتی ہے

ہنرمرد کے لئے ایسا ہی جیسا تن کے لئے جان۔ بے ہنر کے بدن زندہ ہو مگر جان مردہ ہوتی ہے جو
بردبار ہے وہ شربت عقل چکھتا ہے۔ خر بے خرد بار کھینچتا ہی عقل کو ابجد حق از بر ہوتی ہے۔
جامۂ باطل اس کے سر سے الگ ہوتا ہی جو شخص عقل میں نا اہل ہی اُس کا حلم و علم جہل ہے۔ مرد بے عقل سوا
خیال کے کچھ نہیں ہوتا۔ عاقل قادر و مقتدر و آمر و مامور ہی عقل بادشاہ ہی اور سب اسکے لشکر
ہیں کیونکہ مرتبے میں اُس سے کمتر ہیں عقل کو یہ عزت خدا ہی نے دی ہی ورنہ یہ شرف اس میں کہ
نہ ہوتا جو عقل حیلہ کی رہنما ہی وہ عقل نہیں ہی تیرے لئے عقیلہ ہی جو شخص عقل کو بدی کے ساتھ ملاتا ہے
اُس سے عقل بھاگ جاتی ہی اور وہ خود بھٹک جاتا ہے جو عقل راہ دکھلائے اُس راہ پر چل جسکو عقل نہیں
دیوانہ ہے۔ وہ کسی کا آشنا نہیں بیگانہ ہی جس گھر میں عقل ہے وہاں غرور کی انگور نہیں جس گھر
میں وہ نہیں وہاں می و شطرنج و نرد و بربط و نای ہی عقل مومن امر کے لئے ہی نہ قمار و خمر کے لئے جو سلاطین
عقل سے قرین نہیں وہ شیاطین ہیں عقل طرار و حیلہ گر نہیں ہوتی عقل میں دورو ئی و کینہ وری نہیں
ہوتی عقل کو اشعار سے عار ہوتا ہی اُسکو دروغ و ہرزہ کاری سے کیا کار ہوتا ہی عقل طمع سے
کسی کی مدح و ذم نہیں کرتی کسی دل پر ستم نہیں کرتی عقل برے کام نہیں کرتی جس کام کو وہ خود
نہیں پسند کرتی وہ نہیں کرتی عقل خواجہ محقق ہے صوفی بق بق کرنے والا نہیں عقل کبھی کذب سے
راضی نہیں ہوتی عقل ہرگز وکیل قاضی نہیں ہوتی عقل سوا راست گوئی کے کارساز نہیں مکر و
حیلہ ساز نہیں عقل ہرگز خطا نہیں کرتی کسی کے لئے بلا کا منصوبہ نہیں سوچتی عقل کو سوا صلاح کے
اور کام نہیں اپنی صلاح میں عقل کو معطل نہ کر۔ خود رائے کے ہاتھ میں خرد ایسی ہے جیسے کسی نابینا کے
ہاتھ میں چراغ عقل فریب و بہتان کی دمساز نہیں فلاں و بہمان کی پردہ پوش نہیں جو مال و جاہ و
مذہب کے واسطے عقل کہتا ہی وہ عقل جانتی ہے عقل ایسے کاموں سے کنارہ کرتی ہے۔ دام و دانہ
کا قصد نہیں کرتی۔ جو عقل سے خالی ہیں وہ اپنے جہل سے اپنے گرد کرم کی طرح جالا تنتے ہیں اگر وہ تیز
رائے حکیم بھی ہوں تو ظاہر میں مار اور باطن میں کژدم ہیں سخا میں کند جفا میں تیز ہیں ایسے آدمیوں کی
عقل کو استراق اہرمن کہنا چاہئے۔ قلاب و کاہن و ساحر کے ذہن کو ضرور شعبدہ و شاعر کی

اسے کوطاری و مکاری جاننا چاہیئے۔ جو خرد بدی کی طرف رہ نما ہو وہ سیر لعنت ہیچ عقل ہی خوے
بخل کو جود سے اور بوے بید کو عود سے تمیز کرتی ہے۔ گیاست او باش ہے درگذر عقل دین تلاش کر
اور سردار و چلا جا نہ عقل دین تیری نیک یار ہے اگر وہ ٹل جائے تو اس کو سرسری کار نہ جان عقل دین
سوا ہدایت کے کچھ اور نہیں عطا کرتی جب تک وہ حق پاس تجھ کو نہیں لے جاتی وہ تجھے نہیں چھوڑتی
عقل دین تجھکو مخلوق پر میر بنا دیتی ہے۔ اس دیر کہن میں عقل مادر زاد سے زیادہ کوئی دایہ آدمی
کے لئے نہیں ہے۔ عقل بتلاتی ہے فلاں خوب ہے فلاں زشت ہے وہ زمین شور ہے وہ قابل کشت ہے
اس خار کا گل اچھا ہے۔ یہ آب سرد ہے۔ اس پست کی عقل فتنہ ہے۔ یہ بلند ہے وہ کوتاہ ہے۔ وہ سرخ و سفید
یہ سیاہ ہے۔ اس بیہودگی سے درگذر۔ شاہ بن کر فرزین کی چال نہ چل ٹیڑھی چال نہ چل کسب معاش
کے واسطے کاسہ و کیسہ کو عقل سے پُر کر۔ در غیب عقل ہی ترجمان ہے۔ تن کی جان اور جان کی بادشاہ
خرد ہے۔ جو کوئی ہوا و ہوس کے لئے خرد کو کام میں لاتا ہے وہ دو گڑھوں کے درمیان پیادہ چلتا ہے
ایسے خرد کو فضل و ہنر ایسا بُرا معلوم ہوتا ہے جیسے چیونٹی کو پر۔ خدا ہر شخص کو بقدر عقل ثواب دیگا
تجھ پر افسوس ہے اگر تو عقل کو ایک جھوٹی عورت سمجھے۔ تجھے چاہئے کہ جب عقل تیرے پاس آئے تو
اسکو جان کی برابر عزیز رکھ وہ تجھ کو خوبرو بنائے گی۔ اگر تو اس کی تسبیح توڑے گا تو تیری صورت
مسخ ہو جائے گی خرد ہی تیری جان کی مشاطہ ہے خرد ہی تیرے ایمان کا چراغ ہے۔ اس جہان
میں عقدہ حق خرد ہے۔ جو سر بمہر و پائدار ہے۔ راستی عقل عاقبت کا اور کڑی کینہ و حسد کا نام ہے
الفقر جاہلی ہے۔ دین عاقلی ہے۔ جہل عیب جوئی کرتی ہے عقل غیب گوئی۔ عاقل تجھ پر خفا ہو اس سے
بہتر ہے کہ جاہل تجھے آنکھوں پر بٹھائے۔ خدا عاقلوں سے کام ڈالے جاہلوں کی صحبت سے دور
رکھے۔ مایہ عقل سے آدمی بادشاہ ہوتا ہے۔ اسی کے سایہ سے آفتاب بنتا ہے۔

(۹) عقل و شرع

عقل و شرع دونوں ایسے پاس پاس ہیں جیسے چشم و نور۔ نور بے چشم۔ شاخ بے بر۔ چشم بے نور
جسم بے سر ہیں۔ جو شہوت و خشم کے ہاتھ میں پھنسے ہوئے ہیں وہ چشم بے نور اور نور بے چشم ہیں

ایک تو اضع تلبیس کے ساتھہ کرتا ہی دوسرا ابلیس کی طرح تکبر کرتا ہی۔ دین و دنیا کے چشم و چراغ عقل و شرع ہیں۔ اگر تیرے دل میں خرد کی ہوا ہی تو سب چیزوں سے سوا، جدل کے تو خوش ہوتا ہی۔ خرد ہر دل کی طرف دوڑتی ہی۔ ہر دل سے باتیں کرتی ہی۔ عقل کا کام سوا کرم و داد کے نہیں۔ جب عقل پر کھولتی ہے تو نزاع ہوس بدرو کی طرح سر کو حس میں چھپاتا ہی۔ جس سوار کے ہاتھہ میں عقل کی باگ ہی نیک انجامی کا گھوڑا اُس کی ران کے نیچے ہے۔ جس چہرہ کی مشاطہ خرد ہی اُس کو روز بد کبھی نہیں پیش آیا۔ جو بدگوہر ہیں وہ خرد سے قرب نہیں حاصل کرتے۔ سنگ بد گوہر گوہر نہیں ہوتا۔ باخرد ہوا نفسانی کو ایک علت زہر آمیز سمجھہ کر اُس سے بھاگتا ہی۔ اہل عاطفت کی عمر خرد ہی پر ختم ہوتی ہے۔ زبان پر حرف بد زبان ہوتا ہے۔ اہل دین کبھی دون نہیں ہوتا۔ عقل کا مالک ہونا زر و جواہر کے مالک ہونے سے بہتر ہے۔ بادشاہی پاسبانی سے اچھی ہوتی ہے۔ عقل کی تعریف نہیں ہوسکتی۔ جو ملک عقل میں پہونچ گیا۔ اُس نے دونو عالم کو جیسے وہ ہیں دیکھہ لیے ؎

اے خداوند خالق سبحاں ... تن رہی را بملک عقل رساں

(۱۰) علماء

عالم جو لوگ بنتے ہیں وہ دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جو دنیاوی علوم سیکھتے ہیں۔ اور جنکی غرض علم سے اپنی کشایش ہوتی ہے جس سے دنیا کے چین حاصل ہوں۔ اور اہل دنیا کے نزدیک جاہ و منزلت کا ذریعہ ہو۔ انسان کی عادت ہے کہ وہ ایسی چیز کو اختیار کرتا ہے جو اُس کو سہل اور اپنی طبیعت کے موافق معلوم ہوتی ہے اسلیے آدمی زیادہ تر دنیا کے حاصل کرنے کے لیے علم سیکھتے ہیں۔ کسب کمال سے غرض جاہ و ریاست مرجع خلائق اور انتظام ملکی میں شریک ہونا ہوتا ہی وہ مدرسے کے چراغ کے دہوئیں کو دماغ میں لئے بہرتے ہیں کہ مشعلیں اُن کے آگے جلیں وہ اوراق پر متوجہ ہو کر کتابوں کی سطور کو ایوان دولت کا نردبان بناتے ہیں اور منصبوں پر عروج کرتے ہیں۔ کتابوں کی طرف رجوع اُن کو اسی سبب سے ہوتی ہے کہ مرجع خلائق اور پیشواے عوام بنیں۔ دوسرے وہ جو دین کا علم سیکھتے ہیں آخرت کے کاموں کا خیال دنیا میں کرنا مشکل ہے

حق تلخ اور گراں ہوتا ہے اُس پر آگاہ ہونا مشکل ہوتا ہے۔ اور اُس کا دریافت کرنا نہایت سخت ہے۔ اُس کا طریق دقیق ہے خصوصًا دل کی صفات کو معلوم کرنا اور اُس کو بُرے اخلاق سے پاک کرنا جو ایک ہمیشہ کی جان کندنی ہے۔ اور جو شخص اُس کے درپے ہوتا ہے وہ ایسا ہی جیسے دوا پینے والا کہ دوا کی تلخی پر بامید شفاے آیندہ صبر کرتا ہے پس ایسے طریق کی رغبت کس طرح بہت ہوسکتی ہے صفت باطنی پیدا کرنے کے اہل خواص ہوتے ہیں۔ اور جو چیز عوام کو دی جاتی ہے وہ سہل ہوتی ہے۔ اُس کے خواستگار بہت ہوتے ہیں ایک بزرگ کا قول ہے کہ سارا علم دُنیا ہے مگر عمل اُس کا آخرت ہے۔ پس جو علم حاصل کرتے ہیں اور اُس پر عمل نہیں کرتے ہیں اُن کا علم بیکار ہے علم عمل کو پکارتا ہے۔ اگر عمل نے ہاں کہا تو خیر ورنہ علم رخصت ہوتا ہے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ تین شخصوں کا حال قابل افسوس ہوتا ہے۔ ایک شخص وہ جو اپنی قوم میں عزت رکھتا تھا وہ ذلیل ہوگیا ہو دوم وہ جو قوم میں تونگر تھا مفلس ہوگیا ہو۔ سوم وہ عالم آخرت جو دنیا میں مشغول ہوگیا ہو حقیقت میں آخرت کے عمل کو چھوڑ کر دُنیا کی طلب میں مشغول ہونا عالم کے دل کی موت ہے ایسے عالموں کا حال ایسا ہی جیسا کہ کوئی پتھر نہر کے مُنہ پر رکھدے کہ وہ نہ خود پانی پئے نہ پانی کو پہنچنے دے نہ کھیتی میں جانے دیوے۔ یا وہ باغوں کے تختوں کی پختہ نالیاں ہیں کہ باہر سے شفاف ہے۔ اور اندر بدبو یا قبر کہ اوپر سے آباد اور اندر مُردوں کی ہڈیاں۔ دنیا اور آخرت ایک دوسرے کی ضد۔ اور مثل دو سوکنوں کے ہیں کہ جب ایک کو راضی کرو تو دوسری ناخوش ہو۔ یا ترازو کے دو پلڑوں کی طرح ہیں کہ جتنا ایک جھکے اُتنا دوسرا اُٹھے۔ یا مشرق و مغرب جیسے ہیں کہ جتنا ایک سے پاس ہو اُتنا دوسرے سے دور ہو۔ یا دو پیالوں کی طرح جن میں سے ایک بھرا ہے اور ایک خالی جسقدر بھرے ہوئے میں سے خالی میں بھرنے کے لئے ڈالوگے اُتنا ہی بھرا ہوا خالی ہوگا۔ ایک شخص نے اپنے بھائی کو لکھا تھا کہ تجھ کو خدا نے علم عنایت کیا اپنے علم کے نور کو گناہوں کے اندھیرے سے مت بجھانا۔ ورنہ جس وقت اہل علم اپنے علم کے اُجالے میں چلینگے تو تو تاریکی میں رہے گا۔ جب کسی قوم کے عالم دنیا میں نہایت مصروف ہوجاتے ہیں تو اُن کی اصلاح مشکل ہوجاتی ہے۔

جب خود نمک ہی میں فساد آجائے تو وہ اور کہانوں کا مصلح کیسے ہوسکتا ہی علما ء آخرت جو ندی
لباس میں دنیا کو طلب کرتے ہیں تو وہ بکریوں کی کہال پہنتے ہیں اور اُن کے دل بھیڑیوں کے ہیں
و زبان اُن کی شہد سے میٹھی اور دل ایلوے سے زیادہ کڑوا ہی۔ ایک وہ عالم ہیں جو اپنے علم کو جمع کر رکھتے
ہیں اور ایسا بخل ہوتا ہی کہ یہ نہیں چاہتے کہ وہ دوسرے کے پاس بھی موجود ہو بعض عالم اپنے علم کی حکم
شاہانہ چاہتے ہیں کہ اگر اُن پر ذرا اعتراض ہوتا ہی یا اُن کے حق میں سستی کی جاتی ہے تو وہ
غصہ کے مارے آگ بگولا ہو جاتے ہیں ایک وہ عالم ہیں جب وعظ کہینگے تو بڑی درستی سے مگر جب
کوئی اُنکو نصیحت کرتا ہی تو ناک بہوں چڑہاتے ہیں۔ ایک وہ عالم ہیں کہ عجب و کبر کرتے ہیں فروتنی
اور تواضع اُن میں نہیں ہوتی۔ غرض علما آخرت وہ ہیں جو دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتے ہیں اُن کا
فعل قول کے خلاف نہیں ہوتا۔ وہ پہلے اپنے نفس کو نصیحت پذیر بناتے ہیں پہر اوروں کو نصیحت
کرتے ہیں یہ نہیں کہ اوروں کو کہے کہ خیر کرو اور آپ نہ کریں۔ جو ناصح ایسا ہے کہ وہ جو عیب اوروں کے
بتاتا ہے وہ خود کرتا ہے۔ جو اوروں کو کہتا ہی کہ دنیا کی طرف نہ مائل ہو اور آپ خود اُس پر مرتا ہے
اُس کی نصیحت دلوں پر سے ایسی رپٹ جاتی ہے جیسے کہ پتہر پر سے قطرہ ڈہل جاتا ہے۔ وہ
اوروں کو خدا یاد دلاتے ہیں اور خود بہولے ہوئے ہیں۔ اوروں کو خدا سے ڈراتے ہیں اور آپ اُس پر
دلیر ہیں۔ خدا کے نزدیک اوروں کو بلاتے ہیں آپ اُس سے دور بہاگتے ہیں پس ایسے عالمون کا
حال ایسا ہی کہ جیسے کوئی عورت خفیہ زنا کرے اور حمل رہ جائے اور جب حمل ظاہر ہو تو رسوا ہو جب علما
آخرت لغزش کرتے ہیں تو اُس کا بہت بڑا اثر لوگوں پر ہوتا ہے وہ اُن کے دلوں کو زمین شور
بنا دیتے ہیں کہ اُن پر میٹھے پانی کے قطرے گرتے ہیں مگر اُن کو ذرا شیرینی نہیں معلوم ہوتی۔
ایسے عالم بے عمل بہت سے جھگڑے کہڑے کر دیتے ہیں اور اعمال سے روگرداں ہوتے ہیں اُن کا حال
ایسا ہی جیسے کسی بیمار کو بہت روگ ہوں اور وہ کسی حاذق طبیب سے ملے اور وقت بہی تنگ ہو کہ وہ
چلا جاوے ایسے وقت میں وہ طبیب سے دواؤں کی خاصیت اور علم کی عجیب باتیں پوچھے اور جس ضرورت
میں خود گرفتار ہے اُس کو دریافت نہ کرے [illegible]

جانتے ہیں کہ ہر شخص جو دنیا کسی چیز کو محبوب کہتا ہے وہ اس سے پہلے چھوٹ جاتی ہے مگر نیکیاں ایسی قابل و
محبوب ہیں کہ وہ قبر میں ساتھ جاتی ہیں جن شخصوں کے پاس کوئی چیز قدر و قیمت کی ہوتی ہے اُس کو اٹھا کے
احتیاط سے رکھتے ہیں اور حفاظت کرتے ہیں نیک علما کہتے ہیں جو چیز قدر و قیمت کی ہوتی ہے وہ خدا تعالیٰ
کی طرف پھیر دیتی ہیں لوگوں کا میل مال اور حسب نسب شرافت کی طرف ہوتا ہے علماء آخرت کے
نزدیک یہ سب امور ہیچ ہوتے ہیں وہ تقوی و ورع ہی کو بزرگی و شرافت جانتے ہیں حسد کے سبب سے
لوگ اوروں پر بدگمانی کرتے ہیں اور برا کہتے ہیں مگر وہ خلق سے عداوت نہیں رکھتے - رفق و
مدارا کرتے ہیں غرض وہ سب طرح سے خدا کی طاعت پر جمے رہتے ہیں - دنیا کی خواہشوں کے لیے
اپنے نفس کو ذلیل نہیں کرتے - خدا پر توکل رکھتے ہیں وہ اور لوگوں کی طرح تجارت - حرفے نہیں
بدن کی تن درستی پر اپنی قسم کی مخلوق پر بھروسا نہیں رکھتے - وہ زیب و زینت میں پھنسے
نہیں رہتے - نہ اُس سے اُنس رکھتے ہیں وہ حکام سے دور رہتے ہیں کیونکہ جو شخص حکام سے
ملتا ہے اُس کو کچھ نہ کچھ تکلف اُن کی رضاجوئی اور دلداری میں کرنا پڑتا ہے - وہ جانتے ہیں کہ
امیروں کے دروازے فتنے سے خالی نہیں ہوتے اسلئے وہ اُس سے گریز کرتے ہیں وہ علما بدتر ہیں جو
بادشاہوں کے پاس جائیں اور وہ بادشاہ بہتر ہیں جو عالموں کے پاس آئیں - ظالم بادشاہوں پاس
ہدایت کے لیے عالم کا جانا اچھا ہے - مگر اُن پاس جاکر مشکل پڑتی ہے کہ کلام میں نرمی اور مداہنت
نہ کرے - اور اُن کی تعریف اور خوشامد نہ کرے - غرض نہ دنیا کی طرف مائل ہوتے ہیں نہ سلاطین سے
ملتے ہیں وہ تو علم باطن کے سیکھنے کا اور دل کی نگرانی اور طریق آخرت کے پہچاننے اور اُس کے
چلنے کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں خدا کے یقین کو لوگوں کے دلوں میں قوی کرتے ہیں اور ان کو شبہ سے
نکالتے ہیں (فصل اول میں پڑھو) ایسے علما اکثر گفتگو علم و اعمال کے کرتے ہیں اور جو چیزیں کہ عمل کو
فاسد کرتی ہیں اور دلوں کو پریشان کرتی ہیں اور وسواس کو ابھارتی ہیں اور شر کو اٹھا کر کھڑا کرتی
ہیں اُن کے حال سے بحث کرتے ہیں کیونکہ دین کی اصل شر سے بچنا ہے - اشعار

بدی کے علم سے ہم کو بدی نہیں منظور | ولے بچے رہیں اُس سے یہی ہے اپنی مراد

کہ شر کے حال سے جو آدمی نہیں آگاہ | بعید کیا ہے کہ وہ شر میں پڑ کے ہو برباد

ایسے لوگ اپنی عمر کو زیادہ نہیں سمجھتے۔ جانتے ہیں کہ جو چیز آنی والی ہے وہ نزدیک ہے دور وہی ہے جو آئی نہیں۔ اسلئے وہ امور خیر میں جلدی کرتے ہیں نفس کی تہذیب اور باطن کی درستی کی طرف خیال رکھتے ہیں۔ اپنے علم کے موافق عمل کرتے ہیں کسی کو ایذا پہنچانے سے حذر کرتے ہیں جو مال اُن پاس پہنچتا ہے وہ نیک راہ میں خرچ کرتے ہیں جو بات کہ زائد از حاجت ہوتی ہے اُس کو زبان سے نہیں نکالتے۔

(۱۱) علم و عمل

علم بہر کمال باید خواند | نہ بسودائے مال باید خواند

ہم عقل کا بیان لکھ چکے اب علم کا بیان لکھتے ہیں علم ہی انسان کو درگاہ الہی تک پہونچاتا ہے ہوائے نفسانی و مال و جاہ سے بے پروا کرتا ہے۔ جتنا علم آتا ہو اُس کو کام میں لاؤ اور کام کے واسطے اُس کو پڑھو۔ علم کے ساتھ حلم ضرور ہے بے حلم کے آدمی علم سے متمتع نہیں ہوتا علم بے حلم خاک کو ہے اور علم با حلم آبرو ہے جان بے علم شاخ بے بار ہے۔ علم بغیر آدمی گمراہ ہے اور سرائے الہی کی رسائی میں سست کوتاہ ہے جسکا دستار علم ہوا وہ نعمت و ناز میں سرافراز ہوا۔ اہل علم و ہنر کا سینہ آسمان ہوتا ہے اور اس میں فائق و نکات اختر ہوتے ہیں سنگ بے سنگ کے لعل نہیں ہوتا۔ ایسا ہی آدمی کامل علم بغیر علم کے نیک نہیں ہوتا سب باتوں کی طرف کان لگانے چاہئیں جو اُن میں بہتر معلوم ہو وہ دل میں نقش کرنی چاہیئے خذ ما صفا و دع ما کدر۔ (جو چیز صاف ہو اسکو لے جو کدورت رکھتی ہو اُسے چھوڑ) علم والی کہ خدا سے جہاں اور خاصگان خدا ایسے ہوتے ہیں جیسے کاہ کاہ ربا سے زیادہ قیمتی نہیں سمجھا ایسے ہی بدون کوشش کے ذریعہ سلامتی نہیں حاصل ہوتی۔ اگر علم پڑھنے سے اہل ہنر نہ ہو تو تمہارے علم سے جہل بہتر ہے جو شخص علم کے واسطے آمادہ نہیں ہو وہ مثل کاہ و کاہربا کی ہے کہ کاہربا کو کاہ کی جذب سے کچھ نہیں حاصل ہوتا علم کا عالم بڑا فراخ و عجیب ہے اُسکی اطراف و حدود نہیں ہیں اگر آدمی سے ہو تو اُس عالم کی سیر علم گلشن جان کا بام ہے عقل و حواس اُسکی نردبان ہے جو عالم عمل سے دور رہا اُسکا

سال مہندس و مزدور کا ساہے۔ مہندس جو ایک دم میں سوچ لیتا ہے وہ مزدور سے پانچ مہینے میں نہیں
سوچا جاتا۔ دو مہینے میں جو مہندس کام بنا لیتا ہے وہ اُس کے شاگرد سے برسوں میں نہیں ہوتا اور
جو یہ شاگرد کام کرتا ہے وہ مزدور سے عمر بھر نہیں ہوتا۔ اسی سبب سے مہندس سے مزدور کی مزدوری
کم ہوتی ہے یہ جسم سے کام کرتا ہے اور وہ علم سے۔ دیدۂ عالم مآل میں ہوتا ہے دیدۂ جاہل حال میں
ہوتا ہے جو نادان نیک ہوتا ہے وہ اصل میں نیک نہیں ہوتا۔ بد دانا اُس سے زیادہ نیک ہوتا ہے عالم
کی ایک لحظہ کی بہا ایک عالم ہوتا ہے۔ جاہل کی ایک سال کی کام کی بہا چند درم ہوتے ہیں علم ایسا
ہے عمل سواری ہے اسلئے عمل بار بردار علم کا ہے۔ علم نر ہے عمل مادہ ہے۔ دین و دولت انہیں سے
پیدا ہوتے ہیں اول عالم اس عالم میں کم ہیں اور پھر عامل ان میں کمتر۔ علم بغیر کوئی کام بار ور نہیں
ہوتا تخم کے مغز کی طرح ثمر نہیں دیتا۔ علم جو دین و داد کے واسطے ہے وہ آتش و آب خاک و باد ہے
جو علم باغ و راغ کے واسطے ہو وہ دزد کے ہاتھ میں چراغ ہے۔ علم داں علم خواں نہیں ہوتا۔ جو
عالم اپنی گفتار پرست ہوتا ہے وہ کبھی ہشیار نہیں ہوتا۔ علم سخن فروشی کے لئے نہیں ہوتا بلکہ خموشی
کے واسطے جو علم مدعی ہوس کے لئے کرتا ہے وہ بانگ جرس ہے جس کے کچھ معنی نہیں جو اہل معنی ہیں وہ
بکواس نہیں کرتے ہیں۔ جس نے علم سے صدق و حق کو ڈھونڈا وہ سبقت لے گیا جس نے اس سے دنیا
کا قصد کیا وہ ہلاک ہوا۔ علم مخلص جان میں ہوتا ہے علم دروغ زبان پر۔ جو علم با کار ہے وہ نیرو مند
جو علم بے کار ہے وہ پائے بند ہے۔ اہل صواب کے دل میں علم حق جو ہے خرد میں آب روشن ہے علم مغز
عمل پوست ہے ایک نوید چراغ دوسرا روغن ہے۔ افسوس ہے کہ عمل میں ایک مرد صادق نہیں لیکن مدعی بہت
سے ہیں ایک حکیم حاذق نہیں جو پیر فالج کا اور جوان کی دق کا معالج ہو۔ وہ اپنی دانش کا رنج خلق
کو دکھاتے ہیں اور اسکی مزد پا لیتے ہیں مال و جاہ کے واسطے علم کی ہوس نہیں چاہئے خدا کے
واسطے علم چاہئے آسمان ازل کے واسطے علم و عمل سے بہتر کوئی نردبان نہیں ہے یہی دو پر ہیں
جو اوج قرب الٰہی میں پہونچاتے ہیں یہی دو بازو ہیں جو دل کے باغ کو ہوسہائے نفسانی کے خار و خس
سے پاک صاف کرتے ہیں اہل علم باعمل کی برابر کسی فرقہ کو عیبوں سے پاک صاف رہنا ضرور نہیں ہے

کیونکہ اُن سے اور وںکے حال کی اصلاح و تہذیب اخلاق ہوتی ہے عوام انہیں کی پیروی کرتے ہیں
اُن کے محاسن دیکھنے سے ایک خلق نکوکار ہو جاتی ہے۔ اگر اُن کے اوضاع زشت و ناصواب ہوں
تو اُس سے خلق کے اخلاق میں فساد ہوتا ہی۔ عوام کی زشتی اعمال تو نجاست خشک ہی کہ اُن سے
اثر دوسرے کو نہیں پہنچتا اور اہل علم کی بداطواری نجاست تر ہی کہ ایک خلق اُنسی پلید و ناپاک ہوتی
ہے۔ انسان گوہر کی آب علم ہی۔ اسلئے علو شان کے آسمان پر آفتاب ہی علم ہے۔ جمال علم کے کمال
کے سبب سے انسان بہائم و دواب سے جدا و ممتاز ہے۔ اسی ہنر کی آبرو سے وہ محفل ہستی میں سب پر مقدم
نشین ہے۔ علم ہی سے حرام و حلال معلوم ہوتا ہی۔ وہی راہ بہشت کا ستارہ ہی۔ وحشت میں مونس
و غربت و تنہائی میں مصاحب۔ خلوت میں سخن گو۔ سستی و سختی روزگار میں دلیل۔ دشمنوں پر سلاح
اور دوستوں کی فلاح۔ ضعف میں قوت بدن۔ علم دل کی زندگی۔ اور دیدوں کی روشنی ہی جہل موت
و ظلمت ہے۔ وہی اخیار کی منازل میں اور ابرار کی مجالس میں پہونچاتی ہے۔ دنیا و آخرت میں اُسی
سے درجے بلند ہوتے ہیں۔ علم کوئی مال نہیں ہے کہ صندوق میں جُدا رکھا ہوا ہی۔ وہ دل میں ہوتا
ہے ہر وقت ساتھ رہتا ہی گھر اور بازار میں جدا نہیں ہوتا۔ کیا خوش وقت وہ صاحب توفیق ہے
کہ شمع جہل سوز سے اپنا دل روشن کرتا ہے چراغ مدرسے سے اپنی ظلمت نادانی کو دور کرتا ہے۔
فرخ فال وہ صاحب اقبال ہے کہ ممالک علم و دانش کی تسخیر کے لئے علم بلند کرتا ہے۔ زندہ دل
وہ عاقل ہے کہ کتب معتبرہ کی سواد ظلمات میں آب حیات تحقیق سے اپنے تئیں زندہ کرتا ہے
وہ کیا شیریں کام ہی کہ چار پانچ کتب مستندہ میں شاخسار سطور سے معارف کے اثمار خوشگوار کے مزے
لیتا ہی۔ علم کے لئے عمل اور عمل کے لیے علم درکار ہے۔ کیونکہ ہر کام کے کرنے کے لئے اس کا جاننا
ضرور ہے اور ہر مقصد کے طلب میں اُسکے حاصل کرنے کا طریقہ جاننا مقدم ہے۔ غرض علم کو عمل پر تقدم
ہے۔ نساجی و حلاجی و نجاری۔ حدادی میں شاگردی و استادی ضرور چاہیے۔ اُستاد بتلائے
تو شاگرد عمل کریگا۔ جو لوگ بے علم کے عمل کرتے ہیں وہ جہل و نادانی کی باریک و تاریک راہ میں
قدم رکھتے ہیں عمل بے علم ہمیشہ اصلاح کی نسبت فساد زیادہ کرتا ہی۔ عامل بے علم ایسا راہ رو

ہوتا ہے کہ راہ مقصد پر نہیں چلتا۔ جتنا جلد چلتا ہے اُتنا ہی منزل مقصود سے دور ہوتا ہے۔ جو لوگ خدا کی راہ میں چلنا چاہتے ہیں اُن کے لئے ہادی و مرشد کی ضرورت ہے۔ جو شخص بے ہادی علم کے عمل کے وادی میں قدم رکھتا ہے وہ ضلالت میں پڑتا ہے۔ جیسے عمل کے لئے علم درکار ہے ایسا ہی علم کے لئے عمل کی ضرورت ہے۔ اہل علم و کمال عوام و جہال میں ایسے ہوتے ہیں جیسے اندہوں میں دیکھنے والے۔ اندہوں کی نسبت دیکھنے والوں کا کنوئے میں گرنا یا راہ جو مدعا کی طرف جاتی ہے اُس سے بہک جانا زیادہ قبیح و بُرا ہے۔ اِس طرح اگر اہل علم طریق بندگی میں بے پروائی کرکے گہاٹیوں کے اندہے کنوئے میں گر پڑیں تو یہ نسبت جاہلوں کے زیادہ بُرا ہے۔ جاہل تو اپنے جہل کے سبب سے عمل نہ کریں تو اتنا بُرا نہیں ہے جیسا کہ اہل علم کا باوجود علم کے عمل نہ کرنا بُرا ہے

سنائیؒ

نہ ازاں لعنت است بر ابلیس ۔۔۔ کہ نداند ہمیں یمیں زیسار

زاں برد لعنت است کاندریں ۔۔۔ علم دارد بعلم نہ کند کار

تو دزد حرص سے ڈرتا نہیں رات کو وہ چراغ لے کر آئے گا اور تیرے گھر میں سے عمدہ اسباب لے جائے گا۔ عالم فاسق جاہل فاسق سے زیادہ بدبخت ہوتا ہے۔ اور اس سے مواخذہ سخت ہوتا ہے۔ سچ ہے علم کے ساتھ ہی عمل ضرور ہے۔ اِن ہی دو مقدموں کی ترتیب سے نتیجہ رستگاری دین و دنیا پیدا ہوتا ہے۔

(۱۲) جہالت اور عالم بے عمل کی مذمت

تو نے عقل سے بہت دور اپنا خیمہ لگایا ہے اور جہالت کے پاس جا کر پڑا ہے جس نے تیرے منہ پر مہر لگا دی ہے تو اس راہ پر چلا نہیں جس میں آدمیوں کو چلنا چاہیئے۔ بلکہ جنگل میں گمراہ ہو رہا ہے۔ علم کی مدد سے تجھے فراغ نہیں ہے۔ شب تاریک میں تیرے پاس چراغ نہیں ہے۔ جس کی راہ میں چراغ نہ ہو وہ چاہ میں گرتا ہے۔ اور پھر راہ بھی وہ ہو جس میں سو چاہ ہوں۔ اور تو اُن سے بے خبر ہو۔ تو تیرا چلنا اُس میں ایسا ہے جیسا کہ چھلنی میں چیونٹی کا چلنا۔ جو شخص دانش کے سبب عزیز نہیں ہوتا وہ کائے بیل ہوتا ہے۔ جاہل پاس زر خواہ کتنا ہی ہو وہ گدا ہے۔ جو مرد علم سے تونگر ہوتا ہے

اُسکی نظر گوہر و زر پر نہیں ہوتی۔ علم و درم دونوں کسی شخص کے پاس نہیں ہوتے۔ عالم تونگر جاہل سے
بہتر ہوتا ہے۔ اگر جاہل اپنے زر پر خروش کرے تو ارباب ہوش اُس کو عیب سمجھتے ہیں گائے
پر اگر موتیوں کی جھول ہو تو اُس پر بوجھ زیادہ ہوگا۔ کوئی ہنر اُس میں نہیں پیدا ہوگا۔ سفید سر پر
عمامہ رکھنے سے فقیہ نہیں بن جائیگا۔ خر جُل دیبا سے اہل نہیں ہوگا۔ جب سرمایہ علم نہیں تو اُسیر
دستار کے پیچ میں کیوں اپنے تئیں ڈالتا ہے۔ سب لباسوں میں جہل کا لباس زشت ہے۔
اگر کوئی اہل علم کا جاہل لباس پہن لے تو اُس سے جہل پوشیدہ نہیں ہوتی۔ یہ ایسا ہے کہ
جبہ سفید ہے مگر استر اندر سے رنگین۔ اوپر لطیف ہے نیچے خارا ہے۔ اگر آدمی فقط لباس ہی پہن کر
صدر جوئی کرے تو جسوقت کوئی اُس سے مسئلہ پوچھے گا تو کیا کہے گا۔ منصب بے مایہ کو سزاوار ہی نہیں
خواہ وہ پیغمبر زادہ ہی کیوں نہ ہو جسکی جگہ صف نعال میں ہونی چاہیئے اُس کے واسطے گاؤ تکیہ
لگانا وبال ہے۔ جو جاہل مایہ اعلیٰ طلب کرتا ہے وہ اجہل ہے۔ جانگاہ کی کمی و بیشی کو ذلت و
جاہ بے بصر جانتے ہیں۔ مگر جو بینا ہیں وہ اُس کی کمی و بیشی پر کچھ خیال نہیں کرتے۔ دیدہ
فربہ ہو ند لاغر۔ فائدہ خاص ہے کہ جاہ تکبر سے خلاص ہو۔ جہالت بے دینی کے دیباچہ کا مطلع
ہے اور خود بینی کا سبق ہے۔ جو شخص دانش کو آبرو کے لیے تلاش کرتا ہے اور یہ چاہتا ہے
کہ اہل تکلف میری تعظیم کے لئے کھڑے ہوں صدر بلند پر بٹھائیں۔ وہ اپنی آبرو سے ہاتھ دھوتا ہے
دانشمند اُس کو اپنا شرف نہیں سمجھتا کہ صدر بلند پر اُسے بٹھائیں محراب اُسی کو سزاوار ہے جو
دین و دیانت کی باتیں بہت جانتا ہے اگر وہ ہمسروں کی صفوں میں بیٹھ کر نمائش کے لیے
ہرزہ درائی کرے تو وہ گدہا ہے اُسکو چاہیئے کہ وہ نیشکر کی طرح پُری سے خموش ہو۔ خالی
نے کی طرح خروش نہ کرے۔ جو عالم سوال و جواب سے غافل ہو اُس کا بیان ایسا ہوتا ہے جیسا
کہ خواب میں بڑانا۔ جو علم کہ خواب کی طرح بیان ہو وہ علم نہیں ہے بلکہ افسانہ ہے علم وہ زندہ
دلی سے پڑھ کہ تیرا خواب بھی عبادت ہو جب تلک ہی شاہد و ہمی لیٹے بہانے علم سے بتائے گا
تو اُس کو علم نہ کہو خواب پریشان کہو۔ نوزات میں زہر کا ہونا زہر ہے۔ الٰہی بادہ و قران کا

ایک سینہ میں ہونا قہر ہے۔ جو حافظ قرآن ہو کر شراب پیے تو وہ قرآن کو شراب سے دہوتا ہی
جو کفر ہے۔ علم وہی ہی کہ سلامتی کی راہ بتائے اور راہ قیامت کا بدرقہ ہو۔ جو بدرقہ راہ کو رہزنی
سکہاتا ہے وہ اپنے وطن میں آگ لگاتا ہے۔ تعلیم وہی ہے جو دل فروزی کرے نہ یہ کہ دوزخ
کے واسطے سبق آموزی کرے۔ جو تیشہ زن ہنر سکہاتا ہے وہ تختہ جلانے کے واسطے ہنیں بناتا
ہے۔ شمع گہر کی شب افروزی کے واسطے ہوتی ہے نہ گہر میں آگ لگانے کے واسطے۔ سوئی
اس لئے ہوتی ہے کہ جو پاؤں میں کانٹا چبہہ جائے اُس سے نکالے نہ یہ کہ وہ خود اپنی نوک
پاؤں میں اور چبہوئے۔ تو جو مسائل مذہب کو مکر و فریب سے بیان کرتا ہے تو فرشتہ کے نیچے بیضۂ
شیطان رکہتا ہی۔ ہما کے نیچے خواہ کسی مرغ کا بیضہ رکہو وہ اپنے نسب پر پیدا ہوگا۔ تجہے
شرم ہنیں آتی کہ فرمانِ نبی کے وقت تو تیغ نبی کو شیطان کے ہاتہہ میں دیتا ہے۔ جو عالم ربانی
ہوتے ہیں وہ حیلہ و مکر سے ایسے دور رہتے ہیں جیسے سایہ سے نور۔ جاہل اگر نیک و بد میں
فرق نہ کریں تو مضائقہ ہنیں کیونکہ ورق بے نگار میں کوئی شک ہنیں ہوتا۔ مگر عالم ہو کر ایسا کرے
تو غضب ہی۔ علم وہی ہی جو راہ تحقیق میں نفس نفی کرے۔ خشم خدا سے ترسناک ہو کر صواب اور پاک
باتیں کہے۔ اگر تجہے اپنی خطا کی بیم نہ ہو تو تیرے لیے علم خلل عظیم ہے۔ تو اپنے عمل سست سے فتنوں
کے واسطے کمر چست کرتا ہی۔ جو علم کہ عمل کا نشان ہنیں رکہتا وہ ایک کالبد بے جان ہے۔

(۱۳) صوفی

اگر تجہکو صوفی ہونے کا شوق ہو تو تو خود بینی سے آنکہہ بند کر لے گنج عرفان کو اپنا حاصل کسب بنا
فقط خدا کی ذات کو اپنا قبلہ بنا جلوہ وحدت تو ہمیشہ آنکہوں کے سامنے رکہہ لطف و قہر کو نوش
و زہر کو یکساں جان۔ صوفی صافی صفت تو یہی خوبیاں رکہتے ہیں جو صوفی اپنا آوازہ بلند کرتے
ہیں اور اسی شغل کو پسند کرتے ہیں وہ مثل خم تہی کے ہیں کہ جتنے آواز نکلتی ہے۔ وہ صوفی
نہیں اُن کو اس دعوی سے کچہہ سود نہیں خام جو پختگی کا دعوی کرے اسے کچہہ حاصل نہیں ہیچ
زنگی کا نام کافور رکہو تو اس سے سیاہی اُسکی دور نہیں ہوتی۔ طوطی قدسی ہونے کا دعوی

اور ہوا میں مکس کی طرح ہوس کے سبب سے لوگوں کے خوان پر پر زنی۔ خرقہ صدپارہ کیا کام آئیگا
جب تیرا دین ہی صدپارہ ہو گیا۔ یہ صوفی ہونا نہیں ہے بلکہ اپنے تئیں بدی میں مشہور کرنا ہے
اور درد و بلا کو جمع کرنا۔ ریا سازی کی عادت کو طاعت بازی بنا رکھا ہے۔ سجادہ کو کندھے پر
سجادہ فروشوں کی طرح ڈال رکھا ہے۔ اہل بازار دیدہ ور ہیں وہ تیری ایسی جنس کو پھوٹی
کوڑی کو بھی نہیں خریدیں گے۔ اہل دل کی راہ میں ہمت پست کے سبب سے سوا عصا کے کچھ
اور تیرے پاس نہیں ہے۔ اگر لغزش پا سے کنوئیں میں گرے گا تو یہ عصا تجھہ تیری مدد نہیں کریگا
مسواک کو تونے دندان طمع کے تیز کرنے کے لیے سوہان بنا رکھا ہے۔ وہ تیرے دانتوں کو آرہ
کی طرح کاٹ ڈالے گی۔ تو تسبیح کو انگلیوں پر پیچ دے رہا ہے تیرے اس پیچ میں کوئی نہیں آئیگا
چند مہرے سر رہا کی بست و کشاد سے نقش مراد حاصل نہیں ہوتا ہے۔ اگر تجھہ کو حساب حسنات مطلوب ہے
تو انگلیوں کی پوریں ہی کافی ہیں۔ تو اپنی ڈاڑھی کے بالوں کو کنگھی سے ایسا آراستہ کرتا ہے
جیسے کہ عورتیں اپنے بالوں کو سنوارتی ہیں۔ اگر مرد ہے تو شانہ کو پھینک دے۔ تو جو اوروں کے ساتھ
لیکر دانتوں کی طرح صف باندھ کے غیروں کی روٹیوں پر بیٹھا ہے تو اس سے تجھہ کو کچھ بہرہ نہیں
حاصل ہوگا۔ حرص و شرہ سے دست کوتاہ کر اہل قناعت کی صف میں آ۔ اس دیر مجازی میں دست
درازی سے کوتاہ دستی کرنی سب باتوں سے زیادہ اچھی ہے +

(۱۴) صوفی

اگر تو راہ تصوف میں چلنا چاہتا ہے تو اس راہ میں خدا کی رضا کا توشہ لے۔ اور اپنے سب آرام کو
ایک کونہ میں کہہ دے۔ اسباب دنیا کی محبت کو اس راہ میں لے کر نہ چل ہزاروں راہ زن اس میں
ہیں۔ اگر اس بار کو سر سے نہ اتارے گا تو تیرا حال دُنبے کا سا ہوگا جسکے پیچھے بھیڑیا دوڑے تو
اُس کی دُم کی چکتی کا بوجھہ ہے اُسکے پاؤں کے لیے سنگ راہ ہوگا جب تک تو اپنے تئیں خاک و
گھاس کی طرح پا کوب سب نہیں بنائے گا درگاہ کبریائی میں قدم نہیں رکھنے پائے گا جب تک
سو جگہہ سے دل کو خستہ نہیں کریگا نور حقائق تجھہ کو نہیں حاصل ہوگا۔ بہت سے خلائق

پشمینہ پوش ہیں جنکے گوش میں آواز اذان نہیں جاتی۔ بہت سے زاہد خشک ایسے ہیں کہ اپنی ظاہری طہارت دکہانے کے واسطے بدن کو بار بار دھوتے ہیں جب کہ آبرو لوگوں میں حاصل ہو ایسی آبرو روغن دوزخ ہے جو آلودگی میں اپنے تئیں پاک دکھاتا ہے وہ اہل نظر کی نظر میں پاک نہیں ہوگا۔ جو حقیقت میں پاک ہیں جیسے آفتاب گو اُس کی تابش کی نگاہ کو تاب نہیں مگر اُس کو آب میں دیکھ لیتے ہیں غرض کسی ذریعہ سے پاکوں کو لوگ جان جاتے ہیں بہت سے زاہد زر دوست ہیں کہ وہ زر کی خوب مضبوط گرہیں باندھتے ہیں مگر زر فقیر لے اور وہ کسی کو نہ دے تو وہ خسیس ہے صوفی کو دولت سے پرہیز چاہئے۔ یہ کیا کہ سر پر بالوں کا بوجھ نہ اُٹھائیں اُس کو مُنڈائیں مگر یہ بار زر سر پر لیں اگر فقیر سے غرض زر طلبی ہو تو فقیر اور تجارت میں کیا فرق ہے بھاری جو پاک بار دستار باندھنے والا ہے وہ اس عابد سے اچھا ہے جسکی عبادت کا سبب جمع حرص آز ہے۔ صوفی کو یہ سمجھنا چاہئے جیسا برہمنوں کے واسطے بت زریں بد ہے ایسے ہی میرے لئے اس زر کا بت بنانا بُرا ہے۔ سچ یہ ہے کہ آدمی دین و دنیا دونوں کے ساتھ موافقت نہیں کرسکتا۔ زہر و تریاق ایک جگہ نہیں اکھٹے ہوتے۔ ایک پلڑے میں شیر کی مونچھیں اور گوزن کی پلکیں نہیں تل سکتیں +

(۱۵) اُستاد کے آداب

علم کے باب میں آدمی کے چار حال ہیں جیسے مال کے حاصل کرنے میں ہوتے ہیں مثلاً اول تو مال پیدا کرتا ہے اُس وقت کمانے والا کہلاتا ہے دوم اپنی کمائی کو جمع کرتا ہے تو تونگر ہوجاتا ہے کہ حاجت دوسرے کے مانگنے کی نہیں رکھتا۔ سوم اپنے مال کو خود اپنی ذات پر خرچ کرتا ہے تو اس سے مستفید و متمتع ہوتا ہے۔ چہارم وہ دوسروں کو دیتا ہے تو اس صورت میں سخی اور اہل فضل گنا جاتا ہے۔ اور یہ پچھلی حالت سب حالتوں سے اشرف ہے پس یہی حال علم کا ہے۔ وہ بھی مال کی طرح تحصیل کیا جاتا ہے اور چار حالتیں اُسکی بھی ہیں اول طلب کا زمانہ۔ دوم حاصل کئے ہوئے علم پر ایسا عبور ہونا کہ حاجت سوال کی نہ رہے سوم جس بات کو حاصل کیا ہے اُس کو فکر کر کے اس سے مستفید ہونا چہارم اسے دوسروں تک پہنچانا اور یہ حال سب میں اشرف ہے پس جو شخص اور لوگوں کو علم سکھاتا ہے اس کا حال آفتاب کی

طرح ہے کہ دوسرونکو روشنی دیتا ہی اور آپ بھی روشن ہی۔ یا مشک جیسا ہی کہ دوسرونکو معطر کرتا ہے
اور خود بھی خوشبودار ہے۔ جو شخص معلمی کا کام اپنے ذمے لیتا ہی۔ وہ ایک امر خطیر کو اختیار کرتا ہی
اُسکو ان آداب اور قواعد پر عمل کرنا چاہیئے۔

آداب اول شاگردوں پر شفقت کرے اور اُن کو اپنے بیٹوں کی برابر جانے۔ اور اپنے شاگردوں میں باہم وہ محبت پیدا کرے جو بھائیوں میں ہوتی ہے۔ جیسے کہ ایک باپ کے بیٹے آپس میں محبت وسلوک رکھتے ہیں ایسے ہی اُسکے سب شاگرد آپس میں پیار اخلاق سے رہیں +

دوم آداب علم سکھانے پر نہ مزدوری طلب کرے اور نہ کسی اور طرح کے بدلہ کی نیت ہو کہ شکر کا خواہاں ہو نہ اُن پر اپنا احسان جتائے غرض پڑھانے سے صرف علم پھیلانے سے ہو۔ تاکہ تہذیب وشائستگی بڑھے۔ نیک کمائیوں کی طرف لوگ متوجہ ہوں۔

آداب سوم شاگرد کی نصیحت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے۔ اُستاد اپنے طلبہ کی اخلاق اور تہذیب نفس کو دیکھتا رہے اور جب وہ تہذیب کے خلاف کام کریں تو اُن کا مزاحم ہو اور جہانتک ہوسکے کنایۃً اور پیار کی راہ سے اخلاق بد سے منع کرے۔ تصریح و توبیخ کے ساتھ نہ جھڑکے اسلیئے کہ تصریح ہیبت کا حجاب دور کردیتی ہی اور خلاف کرنے پر جرأت کا باعث اور اصرار پر حریص ہونے کا موجب ہوتا ہی مگر کنایۃً سمجھانے میں یہ خوبی ہے کہ جن طلبہ کے نفوس اچھے اور ذہن تیز ہوتے ہیں وہ اوس کے معانی نکال لیتے اور مقصود کے سمجھ جانے کی خوشی کے سبب اوسپر عمل کرنے کی رغبت کرتے ہیں جسکے سبب اُن کی دانائی کا اظہار اوروں پر ہو +

چہارم۔ اُستاد جس علم کو سکھاتا ہو شاگرد کے دل میں اُس علم کے سوا اور علوم کی بُرائی نہ ڈالے اور علوم کے سیکھنے کی بھی راہ بتلائے کہ وہ اُن کو اور عالموں سے سیکھے۔ یہ نہیں کہ وہ جو منطق و فلسفہ پڑھاتا ہی تو وہ علم لغت کو کہے کہ وہ کسی کام کا نہیں اُس کا سیکھنا ضرور نہیں

پانچواں ادب شاگرد کے سامنے بیان کرنے میں صرف اُس کی سمجھ پر کفایت کرے۔ ایسی بات اُس سے نہ کہے جس تک اُس کی عقل نہ پہونچے۔ نہ سمجھنے کے سبب سے وہ اُس سے نفرت کرنے لگے

یا اُس کی عقل میں خبط نہ ہو۔ غرض اُن کی فہم کے موافق باتیں کرے۔ وہی باتیں شاگرد کے آگے بیان کرے جس کو جانے کہ وہ اچھی طرح سمجھے گا۔ اور وہ اس سے فائدہ اٹھانے کا اہل ہے جس صورت میں کہ شاگرد ایک بات کو سمجھتا ہی نہیں ہو بہتر ہے کہ اُسکے آگے ذکر نہ کرو بقول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ سوروں کی گردن میں جواہر مت ڈالو کہ حکمت جو ہر وں سے بہتر ہے اور جو شخص اُسکو بُرا جانتا ہو وہ سوروں سے بدتر ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ ہر شخص کو اُسکی عقل کے پیمانے کے بموجب نا پو۔ اور اُسکی سمجھ کی ترازو کے بموجب اس کے لئے سخن سنج ہو تا کہ وہ تم سے نفع پاوے علم تو جہل نہیں ہوتا۔ مگر اُسکی تاثیر ضرر پہنچانے میں نا اہلوں پر جہل کی طرح ہوتی ہے۔

چھٹا ادب جب شاگرد کا حال معلوم ہو جاوے کہ کم فہم ہے تو اُستاد کو چاہیئے کہ اُسکو موٹی بات جو اُس کے لائق ہو بتاوے اور اس سے یہ نہ کہے کہ اُس میں کوئی دقیق بات بھی ہے جو میں نے تم کو نہیں بتائی کیونکہ اس کہنے سے شاگرد کی رغبت اُس موٹی بات میں پھیکی پڑ جائے گی اور اُس کے دل کو پراگندگی ہو جائے گی اور یہ وہم کرے گا کہ مجھے بتانے میں دریغ کرتے ہیں کیونکہ اپنے گمان میں ہر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ میں ہر ایک علم دقیق کے قابل ہوں اور ہر شخص یہ جانتا ہے کہ میری عقل کامل بنائی ہے اور حقیقت میں وہ شخص بڑا احمق اور کم عقل ہے جو اپنی عقل کے کامل جاننے سے زیادہ خوش ہو

ساتواں ادب اُستاد اپنے علم کے بموجب عمل کرتا ہو ایسا نہ ہو کہ کہے کچھ اور کرے کچھ اسلئے علم تو دل کی آنکھ سے معلوم ہوتا ہے اور عمل ظاہر کی آنکھ سے۔ ظاہر کے دیکھنے والے لوگ بہت ہیں اسلئے جو شخص ایک کام خود کرے اور دوسروں کو کہے کہ اُس کام کو نہ کرو کہ زہر قاتل ہے تو اس سے لوگ تمسخر کرینگے اور تہمت لگائینگے کہ اُستاد جی خود ایک کام کو کرتے ہیں تو ضرور وہ اچھا اور مزہ دار ہوگا تو ہم بھی کریں اُستاد کو شاگرد کے لحاظ سے دیکھو تو ایسا ہے جیسے مہر اور نقش یا لکڑی و سایہ جس مہر پر خود نقش اچھے نہ ہونگے وہ موم پر کیسے اچھے نقش کرے گی جو لکڑی خود سیدھی نہیں وہ اپنا سایہ کیسا سیدھا ڈال سکتی ہے پس جو اُستاد کسی خطا میں خود

مشغول ہے اور وہ اپنے شاگردوں کو منع کرتا ہے وہ بڑا نامعقول ہے جو ایک اچھی بات ہے دوسرے شاگردوں پر کرے پہلے اسکے کہ آپ مانے۔ پس جن برائیوں سے اوروں کو منع کرے آپ اُس سے باز رہے

(۱۴) آداب طالب علم

پہلا ادب طالب علم اور شغلوں کے تعلقات کو کم کرے ہو سکے تو سب اپنے عزیز و اقارب اور وطن سے دوری اختیار کرے۔ اسلئے کہ یہ سب علاقے تحصیل علم کے حارج اور مانع ہیں اور کسی انسان کے دو دل نہیں ہوتے۔ پس جب دل بٹا رہے تو تحصیل علم سے اندر قصور رہے گا کسی بزرگ کا قول ہے کہ علم تجھ کو اپنا تھوڑا حصہ دے گا جب تک تو اُسکو اپنا سب دل و جان حوالہ نہ کرے گا غرض جب آدمی کا ذہن بہت کاموں میں بٹا رہتا ہے اُس کا حال نالے کا ہوتا ہے جس کا پانی پھیل گیا ہو کہ کچھ تو زمین پی جاتی ہے اور کچھ ہوا سکھا دیتی ہے تو اُس میں اتنا پانی نہیں رہتا کہ اکٹھا ہو کر کھیتی میں پہنچے۔

دوسرا ادب کہ علم پر تکبر نہ کرے اور نہ اُستاد پر حکومت۔ بلکہ اپنے معاملہ کو ہر حال میں بالکل اُستاد کے اختیار میں چھوڑ دے اور اُسکی نصیحت کو ایسا مانے جیسے جاہل بیمار طبیب شفیق و حاذق کو مانتا ہے اُستاد سے چاہئے کہ انکسار کے ساتھ پیش آئے اور اُسکی خدمت کو اپنا شرف جانے طالب علم کو تکبر کرنا منع ہے کبھی تکبر یوں بھی ہوتا ہے کہ ہم کسی مشہور عالم سے پڑھینگے اور دوسرے عالموں کے پڑھنے سے کنارہ کش ہیں۔ یہ امر عین حماقت ہے علم ہر عالم سے حاصل ہو سکتا ہے غرض علم کو تکبر سے تنفر ہے علم بغیر انکسار اور کان لگانے کے نہیں آتا جو کان میں ڈالا جائے اُس کو اچھی طرح سن کر خوشی کے ساتھ قبول کرے اُستاد کے سامنے شاگرد کو جب رہنا چاہئے جیسے کہ نرم زمین جس پر بہت سا مینہ برسے اور وہ سب پی جائے ایسے ہی جو اُستاد بتائے اُسکو قبول کرے اور اُس میں اپنی رائے کو دخل نہ دے۔ جو شاگرد اپنے اُستاد کی رائے کے سامنے اپنے آپ پر اپنا اختیار باقی رکھے گا تو وہ اپنی حاجت سے محروم رہے گا بے شک اُستاد سے پوچھنا چاہئے اور جو اپنی سمجھ میں آئے وہ کہنا چاہئے مگر اُستاد جہانتک پوچھنے کی اور اپنی اظہار رائے کی اجازت دے

اور جن چیزوں کی استفسار کو کہے مانند تھے یہ کام جائز ہی ایسی بات پوچھنی کہ جسکے سمجھنے کا رتبہ ہمکو حاصل نہیں ہوا ابھی جس چیز کے بتانے کا وقت ہوتا ہی وہی وقت اُسکے پوچھنے کا۔ استاد سے بہت سوال نہ کرو جواب میں اُسکو طعنہ مت دو۔

تیسرا ادب طالب علم ابتدا میں ایسے امور کے سننے سے احتراز کرے کہ جسمیں اختلاف آرا ہو اسلیے کہ اختلافوں کے سننے سے مبتدی کی عقل متحیر اور ذہن پریشان اور رائے سست ہوجاتی ہے اور ادراک اور اطلاع سے یاس ہوجاتا ہے۔ بلکہ اُس کو چاہیے کہ اول ایک عمدہ طریقے اسی باب میں جو اُستاد کے نزدیک پسندیدہ ہو اُس کو یقین کرلے اور پھر اُس کے بعد جو اختلافات ہوں اُن کو سُنے۔ اگر اُستاد کی رائے اچھی نہ ہو تو یہ مجبوری ہے ع چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی
غرض مبتدی کو منتہیوں کی رایوں میں دخل دے کر اپنے دل میں شبہات نہ پیدا کرنے چاہئیں جن سے خاطر پریشاں ہو۔

چوتھا ادب طالب علم عمدہ علوم میں سے کوئی فن بدون دیکھے نہ چھوڑے۔ اور اس طرح پر دیکھے کہ اُس کے مقصود اور علت غائی سے مطلع ہوجاوے۔ پھر اگر زندگی وفا کرے تو اُس میں کمال پیدا کرنے کا طالب ہو۔ اور جو اُن میں اہم معلوم ہو اُسکو اول سیکھ کر اُس میں کمال پیدا کرے۔ غرض کوئی علم میں کامل ہو اور باقی علوم میں سے تھوڑا تھوڑا حاصل کرے کیونکہ علوم ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور آپس میں وابستہ ہیں۔ قاعدہ ہے کہ جو چیز آدمی کو نہیں آتی اُس کا دشمن ہوتا ہے۔ اسلئے آدمی جانتے کہ کوئی علم مجھے جو اچھا نہیں معلوم ہوتا وہ میرے جہل کے سبب سے۔ جیسے مریض کا منہ کڑوا ہو تو میٹھا پانی بھی کڑوا معلوم ہوتا ہے۔ ایسے ہی میرا مذاق اس علم کے لئے درست نہیں جیسے وہ بُرا معلوم ہوتا ہے۔

پانچواں ادب علوم و فنون کو بالترتیب سیکھے جو ضروری وجہ معاش کے لئے زمانہ کے موافق ہوں اُن کو اہم سمجھ کر اول سیکھے۔ یہ کچھ ضرور نہیں کہ اُس میں کمال ہی حاصل کرے۔ غرض جو کچھ حاصل کرے وہ عمدہ علم ہو۔ اور تھوڑے ہی پر قانع ہو۔ اور اس سے جو قوت حاصل ہوئی ہو وہ سب اعلیٰ علم کے پورا کر دینے میں صرف کر دے۔ علوم کو وہ یہ دیکھ لے کہ اس کا ثمرہ کیا ہے اور اُس کا شرف کیا ہے

چھٹا ادب علم کا مقصد سر دست یہ ہو کہ اس سے اپنے باطن کو آراستہ اور فضیلت سے مزین کرے

تحصیل معاد و معاش میں عقل بڑھاؤں۔ شاگرد میں تین باتیں ہونی ضرور چاہئیں جن سے کہ وہ استاد سے پوری تعلیم پا سکتا ہے۔ اول عقل دوم ادب۔ سوم اچھی سمجھ +

(۱۷) عالم بے عمل

جو عالم ایسا ہے کہ اپنے علم کے بموجب عمل نہیں کرتا۔ اُس کا حال قبر کا سا ہے کہ دوسرے کو اس سے فائدہ ہوتا ہے اور وہ خود علم سے خالی ہوتا ہے یا سان کا سا ہے کہ لوہے کو تیز کرتا ہے اور خود نہیں کاٹتا یا سوئی کا سا ہے کہ اوروں کے لئے لباس سیتی ہے اور آپ ننگی ہے۔ عالم بے عمل فتیلہ شمع ہے کہ اُس سے ایک مجمع روشن ہوتا ہے۔ اور وہ خود جلتا ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ آدمی چار طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو جانتا ہے اور واقع میں جانتا ہے اور جانتا ہے کہ میں جانتا ہوں تو وہ شخص عالم ہے۔ اس کا اتباع کرو اور ایک وہ ہے کہ جانتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ جانتا ہوں تو وہ سونے والا ہے۔ اُس کو ہوشیار کرو اور ایک وہ کہ نہیں جانتا اور جانتا ہے کہ نہیں جانتا۔ ایسا شخص ہدایت کے قابل ہے اس کو ہدایت کرو اور ایک وہ نہیں جانتا اور یہ بھی نہیں جانتا کہ میں نہیں جانتا تو وہ جاہل ہے اُس کو ترک کرو کہ علم عمل کو پکارتا ہے۔ اگر عمل نے ہاں کہا تو خیر نہیں علم رخصت ہوتا ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ جب تک آدمی طلب علم میں رہتا ہے تب تک عالم ہوتا ہے اور جب یہ گمان کرتا ہے کہ میں جان چکا تب جاہل ہو جاتا ہے۔

(۱۸) انبیا و جہلا کا بیان

انبیا دین میں سچے تھے۔ اُنہوں نے خلق کو راہ راست دکھلائی۔ جب مغرب فنا میں چلے گئے تو پھر جہالت کا زور ہوا۔ ظلمت نے شب شرک کے پردہ لگا دئے۔ کفر اب شرک پر بوسے دینے لگا۔ کسی نے چلیپا کو شاخ گل کی طرح ہاتھ میں لیا۔ کسی نے نیلوفر کی طرح آفتاب پرستی شروع کی کسی نے صنم کو معبود بنایا کسی نے بت کو اپنا خدا بنایا۔ جہل سے بدی کو دیو سے اور نیکی کو یزدان سے شمار کیا۔ کسی مذہب نے شراب کی طرح مغز سے عقل زدائی کی۔ کسی نے آندھی کی طرح سر سے عمامہ اُتارا۔ کوئی سحر و تنجیم کی امید و بیم میں لگا۔ غرض بہت خوب سیرت اور اچھی طبیعت

ہو گئے۔ دین میں عوام مکر کرنے لگے خواص گھر میں ہو بیٹھے۔ دین حق نے منہ اپنا نہاں کیا
دین باطل نے منہ اپنا عیاں۔ بیہودگی کی تلقین اور تخییل شروع ہوئی۔ عوام و خواص غیبت
و فضولی کے پابند ہوئے۔ خواص لذات شہوات میں ڈوبے۔ عوام ہزل و ترہات میں۔ غرض عالم
سباع و دیو و ستور سے پر ہو گیا۔ ہزاروں راہیں اور ان میں چاہ و غول و نہنگ رہبر
اندھے ہمراہ لنگ۔ غرض راہ دین پر چلنا دشوار ہو گیا۔ لوگ جہالت کی نیند میں خوب سوتے تھے
اگر اٹھتے تھے تو جب کہ حمق کا بچھو اُن کو کاٹتا تھا۔ جو نیک نہاد و سُنتِ انبیا پر چلتے تھے وہ اس
دنیا سے رخصت ہو گئے۔ انکا نام باقی رہا جو نئے لوگ اُن کے قائم مقام ہوئے وہ اپنے دل و جان
کے عشووں میں مصروف ہو گئے۔ اب اُنہوں نے باغ و زمین پر دل لگایا۔ عقل و دین و شرع کو بھلایا
راہ صدق سے بے خبر ہوئے۔ آدمی سے خر بنے۔ اُنہوں نے مکتب شرع کی صورت تک نہ دیکھی
عقل کے دروازہ پر قدم تک نہ رکھا۔ ماہر و تیرہ ہوش اور چاہ جو دین فروش ہوئے۔ رعنا مگر عقل سے
دماغ خالی۔ اندھے خر آواز بنے۔ اپنے ہم آواز سے پرہیز کریں۔ اپنی آواز سے آپ بھاگیں اصل کو
چھوڑ دیا فرع کو لے لیا ہر کام میں ایک شرع کا بہانہ بنایا۔ باز آشیان شاہیں خشم طوطی زبان
کرگس چشم ہوئے۔ مگر عاقبت کے کاموں میں کور۔ اپنے خواب و خور کی بندگی میں مثل ستور۔
بلکہ مگس و فرس سے بدتر۔ علم میں ابتر۔ باتوں میں فربہ۔ دین میں لاغر۔ بے فراغ و بے فروغ۔
بالکل دروغ عیش و آرام میں مشغول۔ اُن کی زندگی مرگ سے بدتر۔ معلوم نہیں اُن کے مرگ
کا کیا برگ ہوا۔ امام اجل بنے ہوئے ہیں روپیوں کی تھیلیاں بغل میں۔ کبر و تمکین کی جستجو ہے
شریعت و دین سے کچھ غرض نہیں یہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کا سر ہمارے پاؤں میں کہیں سب ہمارا جاہ بڑھے۔ حقد کینہ و بخل سے
فتوے دیتے ہیں بغض سے کبھی کافر کسی کو ملحد بتاتے ہیں جیسے شمع نابینا کے آگے ایسا ہی علم اُس گروہ رعنا کے رو برو
بیا گو کم علم شیطان جو ان کو لو کہے تو اُسے زیادہ شیطنت کی سمجھے دکھا دیں نفاق و خباثت و تلبیس میں ابلیس
سے سو درجہ زیادہ۔ باتوں میں شہد پیے بھاری یتیموں اور بیواؤں کے مال کو حلال سمجھتے ہیں
تقویٰ کی بو نہیں سبو کی طرح پانی سے خالی سکوئی خوبی نہیں +

باب چہارم

کہنا سننا

(۱) زبان

إِنَّ اللِّسَانَ صَغِيرٌ جِرْمُهُ وَلَهُ ۔ جُرْمٌ كَبِيرٌ كَمَا قَدْ قِيلَ فِي الْمَثَلِ

حقیقت میں زبان کا جِرم (یعنی جسم) چھوٹا ہے اور اُس کا جُرم (یعنی گناہ) بڑا جیسا کہ عرب کی مثل میں کہا گیا ہے۔

زبان یوں تو ایک گوشت کا ہی ٹکڑا ہے۔ مگر اس میں خدا کی عجب حکمت بالغہ پائی جاتی ہے زبان ہی انسان کے تمام خیالات کی ترجمان ہے۔ وہی دل کی تمام باتوں کو ظاہر کرتی ہے۔ اس سے ہمارا کفر اور ایمان ظاہر ہوتا ہے۔ جو کچھ ہماری عقل و وہم و خیال میں آتا ہے زبان اُس کو تعبیر اور تقریر کرتی ہے۔ جو زبان کا میدان وسیع ہے وہ کسی عضو کا نہیں شکل اور رنگت کے سوا آنکھ کسی اور چیز کو نہیں دیکھ سکتی کان آواز کے سوا کسی اور شے کو سن نہیں سکتے۔ ہاتھ اجسام سوا نہیں چھو سکتے۔ مگر زبان کے لئے کوئی حد و انتہا نہیں جو دل میں آئے خواہ وہ معدوم ہو یا موجود خالق ہو یا مخلوق معلوم ہو یا موہوم۔ وہ خیالی ہو یا عینی سب کی سب زبان پر آتی ہیں۔ اس کو اختیار ہے کہ خیر کی باتیں کرے یا شر کی۔ غرض جو بات زبان پر آتی ہے وہ دل میں ایک صفت پیدا کرتی ہے۔ اگر خوشی کی باتیں کرتی ہے تو دل میں خوشی پیدا ہوتی ہے۔ اگر رنج کی باتیں کرتی ہے تو رنج اگر بُری باتیں کہتی ہے تو دل تاریک ہو جاتا ہے۔ اور اگر نیک باتیں کرتی ہے تو دل روشن ہو جاتا ہے اور جب جھوٹی اور ٹیڑھی بات کہتی ہے تو دل کا حال ایسا ہو جاتا ہے جیسا کہ آئینہ ٹیڑھا ہو جائے کہ اس میں کوئی صورت سیدھی نہیں دکھائی دیتی۔ غرض زبان پر انسان کے سب کاموں کا مدار ہے۔ اگر اُس کو اختیار میں رکھے تو معلوم نہیں کیا کیا آفتیں وہ سر پر لائے وہی شخص زبان کی شرارت سے بچ سکتا ہے جو اسکو ابتدا ہی سے لگام دیگا۔ منھ سے وہی بات نکالے گا

کہ جس میں نفع دنیا و آخرت کا ہو اور جس بات کی ابتدا و انتہا میں کچھ شک پاویگا اُس کو زبان تک
نہ لائے گا۔ مگر یہ دریافت کرنا کہ کس بات کا کہنا اچھا ہے اور کس کا برا بہت مشکل اور دقیق کام ہے
اور اُس پر عمل کرنا اور بھی زیادہ مشکل ہے۔ زبان انسان کے تمام اعضا میں زیادہ نافرمان ہے۔
کیونکہ اُس کے ہلانے میں ذرا بھی مشقت نہیں پڑتی۔ اور انسان اُس کی آفات سے بچنے میں اور مضرت
سے خوف کرنے میں سہل انگاری کرتا ہے اسلئے ہم زبان کی سب آفات مع اُن کی تعریف اور اسباب
اور علاج کے آگے بیان کرینگے۔ پہلے خاموشی کا ذکر کرتے ہیں +

(۲) خاموشی

من صمت نجا (جو چپ رہا نجات پائی)

اگرچہ پیش خردمند خامشی ادب است
بوقت مصلحت آن بہ کہ در سخن کوشی
دو چیز طیرۂ عقل است دم فرو بستن
بوقت گفتن و گفتن بوقت خاموشی

خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمے آید +

حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول ہے کہ اگر کلام بالفرض چاندی ہو تو چپ رہنا سونا ہے حضرت
طاؤس رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میری زبان درندہ ہے اگر چھوڑ دوں تو مجھے چیٹ کر جائے۔ غرض
عاقل پر واجب ہے کہ عارف زبان اور حافظ زبان ہو۔ مالک ابن دینار فرماتے ہیں کہ آدمی کو زبان
کا روکنا روپیہ پیسے کی حفاظت سے زیادہ دشوار ہے۔ یونس بن سعد رحم فرماتے ہیں کہ جس کی
زبان ایک ٹھکانے پر رہتی ہے اُس کے سب کام ٹھیک رہتے ہیں ایکبار چار بادشاہ جمع ہوئے
ان میں سے ایک نے کہا کہ جو میں کہتا ہوں اُس سے پچتاتا ہوں۔ اور جو کچھ نہیں کہتا اُس پر کبھی
ندامت نہیں ہوتی دوسرے نے کہا کہ جب میں کلمہ بولتا ہوں میں اُس کے اختیار میں ہو جاتا ہوں وہ میرے
قابو میں نہیں رہتا۔ اور جب تک نہیں بولتا تو وہ میرے اختیار میں رہتا ہے میں اُس کے قابو سے
باہر رہتا ہوں۔ تیسرے نے کہا کہ مجھے اُس بولنے والے ہی سے تعجب ہے کہ اگر وہی بات اُس پر
واپس آوے تو ضرر دے۔ اور اگر واپس نہ آوے تو کچھ فائدہ نہ دے چوتھے نے کہا کہ میں بھی

بات کے ہٹا لینے پر زیادہ قادر ہوں کہی ہوئی کو نہیں ہٹا سکتا۔ غرض خاموشی کے یہ فوائد بیان کئے
جاتے ہیں بولنے میں زیادہ آفات یہ ہیں۔ جھوٹ۔ ٹھٹھا۔ غیبت۔ چغلی۔ ریا۔ نفاق۔ فحش۔ تکرار۔
اپنے آپ کو بتلانا۔ دوسرے کی بات کاٹنی۔ زیادہ گوئی۔ بات بدلنی گھٹانی بڑھانی۔ خلق کو ایذا
دینا۔ پردہ دری۔ یہ ساری باتیں زبان ہی کے سبب سے ہوتی ہیں۔ زبان ہلانے کے وقت وہ
کچھ نہیں معلوم ہوتیں دل میں مزا معلوم ہوتا ہے۔ جہاں بولنے کی عادت ہوئی پھر یہ مشکل ہوتا ہے کہ
زبان قابو میں رہے۔ کہ جہاں بولنا چاہئے وہاں بولے جس بات کو نہ کہنا چاہئے اُس سے باز رہے
کیونکہ یہ تمیز نہایت مشکل ہے کہ کونسی بات کہنی چاہئے کونسی نہیں اسیلئے لوگ کہتے ہیں کہ بولنے
میں خطرہ ہے اور خاموشی میں سلامتی ہے۔ اسلئے خاموشی کو فضیلت بولنے پر لوگ دیتے ہیں اور
کہتے ہیں کہ سکوت سے ہمت اٹھی رہتی ہے اور ہیبت بنی رہتی ہے۔ فکر۔ ذکر۔ عبادت کی فراغت ملتی
ہوتی ہے۔ مگر یہ انسان سے نہیں ہو سکتا کہ + زبان بُریدہ بکنجے نشستہ صُمّ بکم +
انسان کو چاہئے کہ اشعار سعدی پر عمل کرے جو اول ہم نے لکھے ہیں زبان کو ان آفات سے
بچائے جو ہم نے نیچے لکھے ہیں۔

(۲) انسانوں کی صحبت میں ہمزبانی خویشی و پیوندی پیدا کرتی ہے اور غیر زبانی تنزی بہت ہندو مسلمان
ہم زبان ہیں اور دو مسلمان غیر زبان۔ اگر زبان محرمی اور چیز ہے اور ہمدلی اور چیز ہے نطق۔ ایما۔ رمز
نوشتے کے سوا دل سے ہزاروں ترجمان پیدا ہوتے ہیں ہمزبانی سے ہمدلی بہتر ہے۔ زبان مثل
سنگ و آہن ہے۔ اس سے آگ نکلتی ہے تو غفلت و لاف میں بیہودہ طور پر آگ نہ نکال اسلئے کہ چاروں
طرف ایک نیستان ہے۔ اُس میں آگ لگ جائے گی۔ ایک سخن سے عالم ویران ہو جاتا ہے۔ زبان
ہی سے آدمی کا زیان ہوتا ہے جب ہی کچھ کہے تو اُسے آدمی کیا کہہ سکتا ہے۔ وہی آتش ہے
وہی خرمن ہے جو کچھ کہتی ہے وہ کرتی ہے۔ اے زبان تو ہی گنج بے پایاں ہے اور تو ہی رنج
بے درمان ہے تو ہی ہم صفیر بن کر مرغوں کو فریب دیتی ہے۔ تو ہی مرغوں کی رہبر ہوتی ہے
اے زبان تیرے ہی نیچے آدمی مخفی ہے ؎ تا مرد سخن نگفتہ باشد ۔ عیب و ہنرش نہفتہ باشد

ای زبان توہی درگاہ جان پر پردہ ہے - جب ہوا اُسکو اُٹھاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ صحن درگاہ
میں کیا رکھا ہے موتی ہیں گندم ہیں یا مار گزدم یا گنج ہے جسکے کنارہ پر سانپ بیٹھا ہے کیونکہ گنج
زر بے پاسبان نہیں ہوتا - ای زبان توہی بعضوں کی سچے موتیوں کا دریا برساتی ہے جس سے
معلوم ہوتا ہے کہ بولنے والے کے باطن میں دریائے سخن جوش مار رہا ہے جس سے باہر موتی
نکلے پڑتے ہیں جو حق و باطل میں فرق بتلاتا ہے +

(۴۳) کلام بیفایدہ کرنا اور زیادہ گوئی

زِیَادَةُ الْقَوْلِ تَحْکِی النَّقْصَ فِی الْعَمَلِ ۔ وَمَنْطِقُ الْمَرْءِ قَدْ یَهْدِیْ بِهٖ لِلزَّلَلِ +

آدمی کی زیادہ گوئی نقصان کو ظاہر کرتی ہے اور اُس کی گفتگو کبھی اُس کو لغزش کا رستہ دکھاتی ہے
زیادہ گوئی اُسے کہتے ہیں کہ آدمی ایسی باتیں کرے کہ جنکی کچھہ حاجت نہیں اور اگر نہ کہے تو اُس کو
کسی طرح کی دینی اور دنیوی مضرت نہ پہونچے - ایسی باتوں کا ترک کر دینا حسن اسلام میں داخل ہے
جیسا کہ کلام بیفایدہ کا ترک کرنا چاہیے ایسا ہی کلام مفید کا بے موقع نہ کہنا چاہیے - اسلیے
کہ اکثر کلام مفید بے موقع کہا جاتا ہے تو اُس سے خرابی ہوتی ہے - ایسے ہی حلیم اور احمق سے
بحث کرنی بھی زیادہ گوئی میں داخل ہے - کیونکہ بحث کرنے سے حلیم کو غصہ دلانا ہے اور بیوقوف
سے ایذا اُٹھانی ہے - کلام بیفایدہ کی مثال یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص اپنی محفل میں اپنے سفروں کا
ذکر کرے اور اُس میں کچھہ کم و بیش اس نظر سے کرے کہ بیان دلچسپ ہو جائے اور اس سے فخر اُسکی
سیاحت کا ظاہر ہو - اکثر آدمی اپنی تضیع اوقات زیادہ گوئی میں کرتے ہیں اور بے فایدہ کلام
کرتے ہیں کہ جن سے کوئی دنیاوی فایدہ حاصل ہوتا ہے نہ دینی اکثر وہ دوسرے آدمی سے بیفایدہ
سوالات کیا کرتے ہیں کہ جواب دینے میں دوسرے آدمی کو وقت و زحمت پیش آتی ہیں اگر
جواب نہیں دیتا تو پوچھنے والے کی تحقیر ہوتی ہے - اگر سچ کہتا ہے تو اپنا راز کہتا ہے اگر
بات کو بدل کہتا ہے تو جھوٹا ہو جاتا ہے مثلاً رمضان میں پوچھینگے کہ تم آج روزہ سے ہو یا نہیں
اب جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ہاں میں روزہ سے ہوں تو عبادت کا اظہار ہوتا ہے اور کہیں نہیں تو

ترک فرض کے اظہار سے اپنی خفت ہوتی ہے اور اگر کچھ جواب نہ دیں تو سائل کی تحقیر ہوتی ہے
یا کسی مولوی صاحب سے ایک مسئلہ مجلس میں بے ضرورت پوچھ رہے ہیں کہ چھپکلی کے بیٹے کو سرمہ
میں پیس کر آنکھ میں لگانا کیسا ہے۔ اگر مولوی صاحب کو معلوم نہیں تو وہ بغلیں جھانکتے ہیں اور شرمندہ
ہوتے ہیں یا کچھ گھڑ دیتے ہیں تو جھوٹ بولتے ہیں یا جواب دینے کو جی نہیں چاہتا تو پوچھنے والا
ذلیل ہوتا ہے۔ غرض کلام بیفائدہ کرنے میں وقت جو انسان کا بڑا راس المال ہے ضائع کرنا
نہیں چاہیے۔ عوام الناس بعض اوقات ایسے سوال کرتے ہیں کہ جس کا جواب سمجھنا ان کی
عقل سے پرے ہوتا ہے۔ ان کو خوشی دخل در معقولات دینے سے ہوتی ہے۔ مثلاً وہ بعض اوقات
خداتعالیٰ کی ذات اور صفات کی نسبت ایسے سوالات کرتے ہیں۔ جو ان کو کرنی نہیں چاہیے
وہ راز کی باتیں خاص بندگان خدا پر کھلتی ہیں عوام کو ان کا دریافت کرنا ایسا ہے جیسے کوئی
سائیس معاملات ملکی کو دریافت کرنے لگے۔

زغن را بہر طاؤسی نزادند ۔۔ مگس را فر عنقائی ندادند

ایک زیادہ گوئی یہ ہے کہ ضروری کلام میں مقدار ضرورت سے زیادہ باتیں ہوں۔ ایک بات چار
لفظوں میں بیان ہو سکتی ہے وہ دس لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔ آدمی کو چاہیے کہ زبان کو
زائد بات سے روکے اور زائد مال کو خرچ کرے مگر آدمی زائد مال کو جوڑتا ہے اور زبان کو مطلق العنان
چھوڑتا ہے۔ اور سوا ان امور مذکورہ کے زیادہ گوئی میں یہ بھی لوگ کرتے ہیں کہ امور باطلہ کا ذکر
داخل کر دیتے ہیں یعنی سوا اور زائد از مطلب کہنے کے ایسی بات داخل کر دیں کہ جس میں حرمت ہو
مثلاً گناہوں کی باتوں کا ذکر عورتوں اور شراب کا ذکر۔ بدکاروں کی مفلسی کا بیان۔ دو
اور بادشاہوں کی عیاشی کا بیان لوگوں کی گالیوں کی نقل یہ عادت یوں ہی پڑتی ہے
کہ پہلے کلام بیفائدہ اور زائد از مطلب کہنے کی عادت ہوتی پھر رفتہ رفتہ اس میں ان حرام کاموں
کی داستانیں شروع ہوتی ہیں ایک اور آفت زیادہ گوئی میں مراء یعنی دوسرے کی بات کاٹنی
ہے۔ مراء کی تعریف یہ ہے کہ دوسرے شخص کی بات میں براہ اعتراض خواہ لفظوں میں یا مضمون میں

یا ارادہ میں خلل ظاہر کرنا۔ دوسرے کی بات میں لفظوں میں عیب بتلانا اس طرح کہ علم نحو یا لغت یا محاورے
کے برخلاف کہتے ہو یا اُس کلام کی بندش اچھی نہیں اسکے الفاظ میں تقدیم و تاخیر ہو گئی ہے اور
ایسا اکثر ہوتا ہے کہ جو شخص کم علم ہوتا ہے وہ صحیح عبارت نہیں بول سکتا یا زبان بہک جاتی ہے
کچھہ سے کچھہ منہ سے نکل جاتا ہے تو جس میں عادت اعتراض کی ہوتی ہے وہ فوراً عیب جوئی پر آمادہ ہوتا ہے
حالانکہ اظہار عیب کی کوئی وجہ نہیں ہے معنوں پر طعن کرنا یہ ہے کہ جیسا تم کہتے ہو ویسا نہیں ہے۔ اسمیں
یہ غلطیاں ہیں اور ارادہ میں عیب ظاہر کرنا یہ ہے کہ اس طرح کہے کہ تمہارا کلام تو درست ہے مگر تم نے
اثبات حق کے لئے نہیں کہا بلکہ اُس میں تمہارا کچھہ مطلب ہے۔ غرض بعض آدمیوں کی عادت ہوتی ہے کہ
جب کوئی بات کہتا ہے تو وہ اُس کی بات کو کاٹتا ہے یا رد کرتا ہے۔ اور ایسی باتیں کہتا ہے کہ جسکے معنی یہ
ہوتے ہیں کہ کہنے والا احمق نادان جھوٹا ہے۔ اور میں زیرک اور عاقل اور سچا ہوں دیکھیں دیکھو
کہ ایسی عادت سے کیا کیا جھگڑے اور اختلاف امور دنیا اور دین میں پیدا ہوتے ہیں آدمی اپنا فضل
اور برتری دوسروں پر اُن کے نقصان کے اظہار سے چاہتا ہے۔ اپنا اظہار فضل قبیل خودستائی سے
ہے جو بڑائی اور بزرگی یعنی صفات ربوبیت کے جوش میں پیدا ہوتی ہے اور دوسرے کو ناقص جاننا صفات
سبعی کے مقتضاء سے بروئے کار آتا ہے کیونکہ درندہ یہی چاہتا ہے کہ دوسرے کو چیر پھاڑ کر برابر کرے
یا صدمہ و ایذا پہنچائے۔ انسان کو اُس سے پرہیز چاہیئے کہ ان دونوں بُرائیوں سے بچے۔ ایک اور آفت
زبان کی یہ ہے کہ کلام کو خوب بنا بنا کر کہنا اور سجع اور قافیہ اور فصاحت کے لئے تکلف کرنا اور تمہید
اور مقدمات گھڑنے جیسا کہ اکثر مدعیان تقریر کی عادت ہے۔ اس طرح کا تکلف و تصنع گفتگو اور بول
چال میں مذموم ہے۔ آدمی کلام اس طرح کرے کہ مقصود حاصل ہو اور مطلب دوسرے کی سمجھہ میں آجائے
اسکے سوا جو کچھہ ہے وہ تکلف میں داخل ہے۔ مگر یہ یاد رکھو کہ اُس میں وہ قافیہ بندی اور فصاحت داخل
نہیں جو خطبہ یا وعظ میں بے افراط اور مبالغہ کے کرتے ہیں کیونکہ وعظ سے دلوں کا شوق دلانا ہے
اور اُس میں الفاظ کی خوبی کو بڑی تاثیر ہے۔ مگر جو محاورے کہ روزمرہ کی حاجات میں بولے جاتے
ہیں اُن میں وزن و قافیہ کی کچھہ ضرورت نہیں ہے۔ اس میں ایک تصنع اپنی فصاحت و بلاغت کے اظہار کا

ہوتا ہے۔ ایک اور آفت زبان کی فحش بکنا ہے۔ گالی دینا۔ جھگڑا لڑنا۔ مسخراپن کرنا خبث باطنی یا کمینہ
پن کے سبب سے ہوتا ہے۔ فحش اس کا نام ہے کہ امور قبیحہ کو صریح الفاظ سے ذکر کرنا مثلاً شرمگاہ کا نام
لینا وغیرہ جیسا کہ اکثر مسخرے دن رات بکا کرتے ہیں نیک بخت لوگ ایسی چیزوں کا نام کنایۃً لینے
سے بھی بچتے ہیں بضرورت وقت رمز کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔

فحش کا سبب یا ایذا دینی ہوتی ہے یا بُروں کی صحبت سے عادت پڑ جاتی ہے کہ یوں ہی زبان پر گالیاں آتی
ہیں سب سے زیادہ بڑی گالی یہ ہے کہ آدمی کسی پر لعنت بھیجے لعنت کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے ہاں سے دور
نکال دینا پس یہ لفظ اُسی شخص پر بولنا درست ہوگا کہ جس میں ایسی صفت پائی جائے جس سے اللہ تعالیٰ
سے بعید ہو اور وہ صفت کفر اور ظلم کی ہے۔ تو یہ کہنا جائز ہے۔ کہ ظالموں پر خدا کی لعنت اور کافروں پر
خدا کی لعنت۔ کسی خاص معین شخص کو ملعون نہیں کہہ سکتے اسلئے اُس کو کہنا گویا غیب دانی کا دعویٰ
ہے سوا خدا کے کون جان سکتا ہے کہ کوئی خاص آدمی اُس سے بعید رہتا ہے۔ ایک اور آفت زبان
کی ہنسی ٹھٹا جسے مزاح اور خوش طبعی بھی کہتے ہیں ہر وقت مزاح کرنا معیوب ہے۔ مگر کبھی کبھی تھوڑی
سی خوش طبعی کرنی مباح ہے۔ ایک اور آفت استہزا اور تمسخر ہے۔ تمسخر اور استہزا کے معنی یہ ہیں
کہ دوسرے کی حقارت اور اہانت کرنی اور اُس کے عیب نقصان اس طرح بیان کرنے جس سے
ہنسی آئے۔ اور یہ امر کئی طور سے ہو سکتا ہے کسی فعل کی نقل کرنے سے یا قول کی نقل
سے یا اشارہ اور ایما سے اگر یہ امر پیٹھ پیچھے ہو تو غیبت ہے ورنہ تمسخر اور استہزا نام ہے۔ استہزا
میں ہمیشہ دوسرے کو ایذا پہنچتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی بات میں بہک جائے۔ تو اُس پر ہنسنے لگنا یا افعال
پر استہزا کرنا کہ خط کیا خوب لکھتے ہیں یا فلانا کام کیا اچھا کرتے ہیں یا قد و قامت و صورت پر
ہنسنا جیسے بونے یا لمبے آدمی پر ہنسا کرتے ہیں یا کوئی عیب اور نقصان دیکھ کر ہنسنا سب داخل تمسخر
ہے اُن سے اجتناب چاہیئے۔ ایک لوگ وہ ہوتے ہیں کہ استہزا اور تمسخر کی صحبتوں کا نام خوش صحبتی
اور دانائی رکھتے ہیں ستم ظریفی ایسی کرتے ہیں کہ ہر دم ایک دل کو جلاتے ہیں اور ایسی باتیں
پہلودار کہتے ہیں کہ دوسرے شخص کی شگفتگی پژمردہ ہو جاتی ہے۔ اخلاق ذمیمہ شوخ طبعی کو دانائی

دنٔاءت جانتے ہیں خود گناہوں میں وہ گرانبار ہوتے ہیں اسلئے بزرگوں درویشوں وزاہدوں کی
خفت وسبکی کا اعلان کرتے ہیں قرب حق سے خود محروم ہیں نزدیکان درگاہ الٰہی پر نام رکھتے ہیں
متحمل بردباروں کے تحمل کو گدہاپن بتاتے ہیں خاکساروں کے انکسار ادر خاموشی پر ہنستے ہیں ایک
خاموشی اور سو شرارت جن امرا کی مجالس میں مسخرے ندیم جمع ہوتے ہیں اُن کا حال ایسا ہے کہ جیسا
ایک شاہزادہ کا تہا کہ جسنے اپنی خبث طینت اور شوخی طبیعت سے ملازموں کو حکم دے رکہا تہا کہ
بچہو پکڑ پکڑ کر کلہڑوں میں بند کرکے جمع کریں جب وہ بہت سے جمع ہو جاتے تو کسی دن مجلس جمع کرتا
اور اُن میں کلہڑوں کو پہوڑ کر بچہوؤں کو چہوڑ کر اہل مجلس کا تماشا دیکہتا جب کسی کو بچہو کاٹتا
اور وہ تڑپتا تو یہ خوش ہوتا۔ بس ان امرا کی مجلس میں بچہو مسخروں کی زبانیں ہوتی ہیں جو اپنی
جاں گزا اور کلفت افزا باتوں سے لوگوں کے دلوں کو تکلیف دیتے ہیں۔ اُن کی زبان درازی
سانپ کی سی نیش زنی دلوں پر کرتی ہے۔ وہ انبیا۔ اولیا کی اہانت کرتے ہیں سچے مسلمانوں
کی باتوں پہ قہقہے اُڑاتے ہیں اُن کی طینت میں وہ خباثت بھری ہوئی ہوتی ہے کہ۔
ہمی تراود ازکوزہ ہرچہ دروست – ایک آفت راز کا ظاہر کردینا یہ بھی ممنوع ہے اسلئے
کہ اُس میں کبھی دوسرے کو اذیت ہوتی ہے اور حق معرفت برباد جاتا ہے کسی دوست یا عزیز کا راز
کہدینا بھی خباثت میں داخل ہے۔ ایک آفت جہوٹا وعدہ کرنا ہے۔ زبان وعدہ کرنے میں
پیش قدمی کیا کرتی ہے مگر نفس پر پورا کرنا ناگوار ہوتا ہے تو وعدہ جہوٹا ہو جاتا ہے۔ وعدہ ایک طرح
کا قرض ہی ہوتا ہے اُس کا ادا کرنا فرض ہوتا ہے وہ منافق کامل ہے کہ بات کہے تو جہوٹی کہے
دوسرے وعدے کے خلاف کرے سوم عہد کرکے فریب اور دغا کرے چہارم خصومت کے وقت
گالیاں سنا دے اور یہی حال اُس شخص کا ہے کہ وعدہ کرنے کے وقت نیت وفا کی نہ ہو عہد وفا نہ
کرے مگر جو شخص وعدہ کے وقت اُس کے پورا کرنے کا ارادہ رکہتا ہے اور کسی عذر کے سبب سے پورا
نہ کرسکے تو وہ منافق نہیں ہے مگر بے ضرورت شدید اپنے نفس کو معذور کرنا نہ چاہئے سب سے
بڑی آفت جہوٹ بولنا ہے۔

(۴) جھوٹ بولنا

جھوٹ بولنا اور قسم کھانی عیب فاحش اور گناہِ عظیم ہے۔ ظاہر و باطن اور قول و فعل اور مدخل اور مخرج کا اختلاف نفاق کہلاتا ہے اور جس اصل پر مبنی ہے وہ دروغ ہے۔ جھوٹی باتیں وہی بناتے ہیں جنکو خدا کا یقین نہیں ہوتا۔ جھوٹ کو شیطان کی چٹنی کہتے ہیں۔ حضرت لقمان رحمہ نے اپنے بیٹے کو فرمایا کہ جھوٹ مت بولنا کہ وہ چڑیا کے گوشت کی طرح مزہ دار ہوتا ہے الا تھوڑی سی بات میں متکلم کو اس کی برائی معلوم ہو جاتی ہے۔ حضرت عمر رضہ فرماتے ہیں کہ جب تک تم سے ملاقات نہیں ہوتی تب تک تو تم میں سے زیادہ وہ معلوم ہوتا ہے جسکا نام اچھا ہو اور جب ملاقات ہو جاتی ہے تو وہ اچھا معلوم ہوتا ہے جو عادت اچھی رکھتا ہو۔ اور معاملہ کرنے کے بعد وہ اچھا معلوم ہوتا ہے جو بات کا سچا اور امانت کا پکا ہو۔ قاعدہ ہے کہ آدمی کے دل میں جھوٹ اور سچ لڑتے رہتے ہیں۔ یہانتک کہ ایک غالب ہو کر دوسرے کو نکال دیتا ہے۔ بعض اکابر کا قول ہے کہ جھوٹ اپنی ذات سے حرام نہیں ہے۔ بلکہ اس وجہ سے حرام ہے کہ اس سے دوسرے شخص کو ضرر پہنچتا ہے ادنی سی بات جھوٹ کی یہ ہے کہ ایک بے اصل بات کو اعتقاد کرے اور حقیقت سے جاہل رہے۔ اور اس سے کبھی نقصان بھی ہو جاتا ہے۔ پس اگر حقیقت امر کے جاہل رہنے میں نفع اور مصلحت معلوم ہو تو جھوٹ کچھ برا نہیں بلکہ بعض کا تو یہ قول ہے کہ۔ دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز۔ گو بعض قومیں اس کے برخلاف رائے رکھتی ہوں مگر دنیا میں عمل اسی پر ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص بھاگ کر ایک گھر میں تمہارے سامنے چھپ جاوے اور دوسرا شخص ناحق مار ڈالنے کے لئے تلوار لے کر پیچھے سے آوے اور تم سے پوچھے کہ فلانا شخص کہاں ہے تو ایسی صورت میں جھوٹ بولنا واجب ہے خلاصہ یہ ہے کہ جہاں جھوٹ اور سچ دونوں سے عمدہ مقصود حاصل ہو سکتا ہے تو وہاں جھوٹ بولنا حرام ہے اور اگر صرف جھوٹ ہی سے وہ مطلب حاصل ہو سکتا ہے تو جھوٹ مباح ہے بشرطیکہ وہ مطلب بھی مباح ہو اور اگر مطلب واجب ہے تو جھوٹ بھی واجب ہے جیسا کہ اوپر کی مثال میں خون ناحق سے بچانا واجب تھا تو جھوٹ بولنا بھی واجب تھا۔ صلح و جنگ کے مقاصد بغیر جھوٹ کے درست نہیں ہیں

تو ایسے مقامات میں جھوٹ بولنا ساری قوموں نے جائز کہا ہے۔ مگر حتی الوسع اس سے پرہیز کرنا چاہیے
کیونکہ جھوٹ کی عادت ہونے میں اس بات کا خوف ہے کہ جس جھوٹ کی حاجت نہ ہو وہ بھی زبان سے
نکل جائے یا ضرورت سے زیادہ کہدے حقیقت میں جھوٹ حرام ہے مگر ضرورت کے لئے بعض اس کو
جائز سمجھتے ہیں مگر اکثر لوگ جو جھوٹ بولتے ہیں وہ حظ نفسانی کے لئے اور زیادتی جاہ و مال کے
لئے اور یہ ایسی باتیں ہوتی ہیں کہ اگر فوت ہو جائیں تو کچھ خرابی لازم نہیں آتی۔ دوکاندار قسمیں
کھا کھا کے اپنی چیزوں کی قیمتیں بڑھاتے ہیں تو وہ بہت برا کام کرتے ہیں۔ عالم بلا تحقیق
فتوی دے دیتے ہیں جس سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنا فضل ظاہر ہو اسی واسطے یہ منہ سے نہیں
نکلتا کہ میں نہیں جانتا۔ لڑکوں کو مکتب میں بھیجنے کے لئے جھوٹے ڈراوے سے ڈرانا یا جھوٹے
وعدوں سے ترغیب دینی بُری ہے۔ اس سے لڑکپن ہی میں عادت خود جھوٹ بولنے کی اور دوسرے
کے وعدہ پر یقین نہیں کرنے کی پڑتی ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ کنایۃً بھی جھوٹ نہ بولے مثال
کنایۃً کی یہ ہے کہ کوئی دوست کسی اپنے دوست پاس مدت بعد جاوے اور جب وہ سبب اس دیر کی ملاقات
کا پوچھے تو کہے کہ میں بیمار تھا اسلئے حاضری سے مقصر رہا۔ غرض لوگ سیکڑوں طرح سے جھوٹ
بولتے ہیں کوئی کنایۃً کوئی مزاحاً کوئی صریحاً۔ جھوٹ کا بڑا رواج انسانوں میں ہے بعض اوقات
مبالغہ سے ایسی جھوٹی باتیں بنا کر کہتے ہیں کہ اُسپر لوگوں کو ہنسی آئے۔ بہت سی باتوں کی عادت
ایسی پڑ جاتی ہے کہ اگرچہ وہ اصل میں جھوٹی ہوتی ہیں مگر وہ جھوٹ سمجھی نہیں جاتیں مثلاً کوئی شخص
کہے کہ ہم نے تم کو ہزار دفع منع کیا مگر تم کہنا نہیں مانتے تو یہاں غرض شمار عدد منظور نہیں فقط کثرت
بطور مبالغہ منظور ہے۔ ایک جھوٹ جسکی عادت اور سہل انگاری لوگوں میں شائع ہے یہ ہے کہ جب
دوسرے آدمی سے کہیں کہ کھانا کھاؤ تو وہ کہے کہ میں کھانا کھا چکا ہوں یا بھوک نہیں ہے یہ بھی جھوٹی
بات ہے۔ بعض آدمی جھوٹے خواب بنایا کرتے ہیں۔ بعض آدمیوں کی عادت ہی ہوا کرتی ہے کہ
جو بات اپنے تئیں نہیں معلوم اُس کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ آگے خدا جانے۔ یوں کہنا
بھی بُرا ہے +

(۴) جھوٹ آدمی کو اور آدمیوں کی نظر میں خوار کرتا ہے اور وہ اُس کی قدر و قیمت گھٹاتا ہے۔ اُس کی بے اعتباری اور خواری کی بنیاد ڈالتا ہے۔ اندوہ و ملال کا سرمایہ جمع کرتا ہے عرق انفعال کا سرچشمہ بہاتا ہے آبرو ریزی کرتا ہے۔ اس کی گفتگو کی قدر کھوتا ہے۔ عزت کو غارت کرتا ہے۔ خجلت پیدا کرتا ہے۔ نکوئی کو باطل کرتا ہے۔ سیاہ روئی کو ظاہر کرتا ہے۔ بیزاری کی جڑ جماتا ہے کیا وہ شخص اچھا ہے! کہ اس جھوٹ کی سموم جاں سوز عافیت گداز سے بچکر بحر صدق میں غوطے لگاتا ہے۔ اور راستی کے سفینہ میں بیٹھ کر کبھی اور فساد کے گرداب سے بچتا ہے۔ اور راستی کو جانتا ہے کہ وہ حصار امن و امان ہے چراغ ایمان کی فانوس ہے۔ گلشن حیات کا پانی۔ نجات کی راہ۔ اقتدار و اعتبار کا تعویذ۔ علم نصرت کا پرچم۔ گوہر آبرو کا خازن۔ طریق معاش کا عصا۔ راہ معاش کا رہبر۔ شعلۂ بیان کا نور۔ دلہائے ریش کا مرہم۔ چراغ عزت کا روغن۔ دروغ گوئی کا سر آزار کرتا ہے صدق و صفا کا آب صافی گل وریحاں کا تختہ لگاتا ہے۔ سب سے اول آدمی کو سچ بولنا سیکھنا چاہیئے +

(۵) غیبت کا بیان

غیبت اُسے کہتے ہیں کہ دوسرے آدمی کا ذکر اس طرح کریں کہ اگر وہ سُنے تو بُرا مانے۔ اب یہ ذکر خواہ کسی قسم کا ہو۔ اُسکے ناقص الاعضا ہونے کا ہو یا نسب کا یا خلق کا یا قول و فعل کا یا دین و دُنیا یا کپڑے اور گھر اور سواری وغیرہ کا۔ بدن کا عیب یہ ہے کہ اُس شخص کی آنکھیں چندھی ہیں یا وہ بھینگا۔ کانڑا۔ گنجا۔ بونا۔ لمبا۔ غرض کوئی عیب بدن کا ظاہر کیا جائے۔ نسب کا عیب یہ ہے کہ وہ کنیزک زادہ ہے۔ یا باپ اُس کا موچی ہے۔ یا کمہار ہے۔ یا کوئی اور مکروہ پیشہ رکھنے والا۔ خُلق کا عیب یہ ہے کہ فلاں شخص بدمزاج یا بخیل و متکبر یا ریاکار یا غصیلا یا نامرد یا بزدل ہے۔ مذہب کے عیبوں کو یوں بیان کرنا کہ وہ شخص شراب خوار۔ خائن۔ ظالم۔ بے نماز۔ بے روزہ۔ والدین سے سلوک نہیں کرتا دُنیا کے عیبوں کو یوں بیان کریں کہ وہ شخص ادب سے لوگوں کی تعظیم نہیں کرتا۔ اپنا حق سب سے چاہتا ہے اور اپنے اوپر کسی کا حق نہیں سمجھتا یا بُرا بکی ہے یا بسیار خور۔ اور بہت سونے والا ہے۔ کپڑے کے

عیب کہ فلاں شخص کے کپڑے چھابر چھلو ہوتے ہیں یا ہمیشہ میلے کپڑے پہنتا ہی۔ بعض آدمیوں کا قول ہے کہ دین کے باب میں جو کسی کو کچھ کہے تو داخل غیبت نہیں اس لیے کہ جس چیز کو کہ خدا نے بُرا کہا ہے اُسی کی مذمت کرتے ہیں تو ایسے شخص کے بُرا کہنے میں کیا گناہ ہے جو خلاف احکام مذہبی کام کررہا ہو۔ مگر غیبت تو اُس کا نام ہے کہ دوسرے آدمی کو ایسا کہنا کہ وہ سُنے تو بُرا مانے۔ پس ایسا کہنا اس میں داخل ہے۔ اگر آدمی کی کسی بُری بات کا ذکر کیا جائے جو اُس میں ہو وہ غیبت ہے اور اگر نہ ہو تو وہ بہتان ہی۔ بعض اوقات غیبت نقل اتارنے سے ہوتی ہے جیسے کوئی لنگڑے آدمی کی نقل اُتارے اور خود اُسکی چال چلنے لگے۔ بلکہ نقل کرنا غیبت سے بھی بڑھ کر ہے اس لیے کہ اس سے زیادہ تر صورت دوسرے شخص کی ذہن میں آتی ہے گویا تصویر پیش ہو جاتی ہے اور یہی حال لکھنے کا ہی کہ قلم بھی بنصف زبان ہی پس اگر کوئی معین شخص کی نسبت بُرا لکھے تو بھی داخل غیبت ہے۔ یہ معین شخص خواہ صراحتہً ہو یا کنایتہً ہو۔ بعض ریاکار مکار پڑھے لکھے غیبت ایسے پیرایہ میں کرتے ہیں کہ اُن کا مقصد پورا ہو جاتا ہے اور اچھے کے اچھے بنے رہتے ہیں مثلاً کسی شخص کی حکام میں عزت ہو۔ اُس کا ذکر اُن کے روبرو ہو تو وہ کہتے ہیں کہ خدا کا شکر ہے کہ ہمکو حکام سے غرض نہیں پڑی اور نہ ہم دنیا کے واسطے اُن کے سامنے جا کر ذلیل ہوئے ایسے شرمی سے خدا بچائے غرض ان الفاظ سے یہی ہوتی ہے کہ دوسرا شخص معیوب ہے۔ مگر اُس کو خدا کے شکر اور دعا کے پیرایہ میں ادا کرتے ہیں بعض اوقات کسی شخص کی مدح بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلانا شخص کیتنا اچھا ہے اُسکے تمام افعال اور اقوال درست ہیں مگر بے عیب خدا کی ذات ہے۔ وہ بھی ایک بلا میں مبتلا ہے جسمیں ہم سب گرفتار ہیں وہ یہ کہ صبر نہیں کرسکتا ہے پس اول اپنے نفس کا ذکر کر لیتے ہیں اور اُس کے ضمن میں دوسرے کی مذمت کرتے ہیں اپنے تئیں صلحا سے مشابہ کرتے ہیں تو اس صورت میں تین خطائیں جمع ہو جاتی ہیں غیبت۔ ریا۔ اپنے نفس کو صاف و بے عیب جاننا خود بھی سمجھتے ہیں کہ ہم بے عیب ہیں کسی کی نسبت ہمسے سروکار نہیں کہتے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی جلسے میں ایک آدمی کے عیب کا ذکر کرتے ہیں اور بعض شخص اُس پر کان نہیں لگاتے تو کہتے

وہ پیرایہ بدل کر یوں کہتے ہیں کہ سبحان اللہ عجیب غریب بات ہی تاکہ لوگ خوب متوجہ ہو کر سنیں
اپنے خبث باطن کے اظہار میں خدا کا نام لیا جاتا ہی۔ خدا کو بھی دہوکہ دیتے ہیں وہ یہ نہیں جانتے
کہ خدا تو دلوں کی بات جانتا ہے کہ اُن کی کیا غرض ہی بعض اوقات یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دوست
پر جو یہ حال گذرا ہم کو بھی رنج ہوا کہ اُن کی سُبکی و ذلت ہوئی خدا تعالیٰ اُس کے عوض راحت دے
یہ غم کا اظہار اور دعا کا اظہار دونو جھوٹے ہوتے ہیں وہ اپنے خبث باطن کو ان پیرایوں میں
چھپاتے ہیں۔ غیبت کا سُننا بھی داخل غیبت ہی اگر لوگ غیبت سنتے نہیں تو کوئی کہے بھی نہیں
جب غیبت کو سُنکر لوگ تعجب کرتے ہیں تو غیبت کنندہ خوش ہوتا ہے اور زیادہ کہنے کو تیار ہوتا
مثلاً جب کسی نے دوسرے کا عیب بیان کیا اور سُننے والے نے کہا کہ ہم اُس کو ایسا نہیں جانتے
تہے ہم تو اُس کو کچھ اور ہی سمجھے بیٹھے تہے۔ یہ تو آج تم نے ایک نئی بات کہی خدا اُس سے بچائے
اس سے وہ شخص غیبت کنندہ اور ایسی ہی باتیں اُس آدمی کی نسبت کہنے لگتا ہے جس سے زیادہ تر
تعجب ہو اور سُننے والا بھی اُسکی ہاں میں ہاں ملاتا ہے۔ غرض غیبت کا سُننا اور اس کا تصدیق
کرنا بھی داخل غیبت ہی۔ سُننے والا بھی ایک غیبت کرنے والا ہی۔ آدمی کو چاہیے کہ جب دوسرا غیبت
کرنی شروع کرے تو اُسے زبان سے منع کردے اور اگر زبان سے منع نہ کرسکے تو دل میں بُرا جانے
یا مجلس سے اُٹھ کر چلا جاے۔ یا کہنے والے کو دوسری باتیں میں لگا لے کسی اشارہ چشم و ابرو و ہاتھ سے
منع کرے یا ظاہر منع کرے کہ خبردار ایسا ذکر بہت برا ہے۔ آدمی ان سببوں سے لوگوں کی غیبت کیا کرتا
ہے۔ اول جب آدمی کو دوسرے آدمی پر غصہ آتا ہے تو اسکو بُرا کہنے لگتا ہے اور اپنے دل کی بہڑاس
نکالتا ہی۔ یہ امر مقتضائے طبع ہی کبھی بظاہر کچھہ نہیں کہتا۔ مگر دل میں بُرا جانتا ہی جس سے دل میں کینہ
پیدا ہوتا ہے جس سے آئندہ بُرا کہنے کی بنیاد پڑتی ہی پس کینہ اور غضب دونو غیبت کے سبب ہوتے ہیں
آدمی یہ سمجھہ لے کہ یہ غصہ و کینہ دونو کیسے انسان کی جان کے لئے عذاب ہیں اُن سے بچنا چاہئے
جسکے سبب سے اور غیبت کی مصیبت نہ زیادہ ہو۔ دوسرا سبب یہ ہوتا ہی کہ اوروں کی دیکھا دیکھی ہاں
میں ہاں ملاتا ہی مثلاً اگر اپنے رفیق اور اہل جلسہ کسی کی بُرائی کریں تو اسوقت یہ سمجھتا ہی کہ انہیں کی طرح

میں نہ کہوں گا تو ناراض ہونگے یا مجھہ کو برا سمجھینگے اور کنارہ کشی کرینگے تو ان کی سی یہ بھی کہنے
لگتا ہے اور اس امر کو حسن معاشرت اور ملنساری جانتا ہے۔ تو جب وہ کینہ اور غصہ کے سبب سے کسی
کو برا کہتے ہیں تو یہ بھی ان کو برا کہنے لگتا ہے یہ انسان کا بڑا کمینہ پن ہے کہ اپنے تئیں اچھا کہلانے
کے لیے برے کام کرنے لگے۔ اسکو چاہیے کہ وہ خود غیبت سے باز رہے اور اوروں کو منع کرے۔
تیسرا سبب جہاں پیش بندی منظور ہوتی ہے جب اس کو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی بڑے آدمی کے
حق میں بدزبانی کریگا یا میرے خلاف گواہی دیگا تو وہ پہلے کی برائی کرنے لگتا ہے۔ اگر پھر وہ
اسکی نسبت کچھہ کہے تو شنوائی نہ ہو۔ اور دشمنی پر محمول ہو۔ یا اول ہی سے مخاطب کے دل میں
جم جائے کہ یہ آدمی لغو اور فضول گو ہے یا اول اول اوس کے سچے حالات بیان کرے۔ بعد اسکے
کچھہ جھوٹے معاملات بھی اُسکی طرف منسوب کرکے کہدے۔ تاکہ پہلے حالات کی طرح مخاطب ان کو بھی
صحیح تصور کرے اور اُس کا جھوٹا اور فریبی ہونا مشہور ہو جائے۔ وہ اس طرح بیان کرتا ہے کہ میری
عادت جھوٹ بولنے کی نہیں ہے میں تم سے فلاں فلاں حال جو اُس شخص کے بیان کئے سب ایسے
ہی نکلے جیسے میں نے کہے تھے۔ ان بیانوں کی تصدیق کرا کے وہ اپنے جھوٹی باتوں کو تصدیق
کرانا چاہتا ہے۔ چوتھا سبب یہ ہے کہ کسی عیب سے اپنے تئیں بری کرنا منظور ہوتا ہے اُس وقت
دوسرے شخص کا نام لے کر کہتا ہے کہ اُس نے بھی ایسا کیا یا وہ بھی میرے ساتھہ شریک تھا میں اسمیں معذور
ہوں۔ اسکو چاہیے تھا کہ خود عذر کرتا اور دوسرے کا نام لیتا۔ آدمی خوب سمجھہ لے کہ انسان کا نقص
یوں برائی سے بری نہیں ہو سکتا بلکہ اور زیادہ لوگوں کو برا معلوم ہونے لگتا ہے۔ پانچواں
سبب زیادہ فخر اور مباہات ہے کہ دوسرے کے ناقص بتلانے سے اپنا افضل ہونا ثابت کرے
مثلاً کسی کو یہ کہنا ہو کہ وہ جاہل آدمی ہے اسکی سمجھہ اچھی نہیں کلام ہیچ کرتا ہے۔ اس سے غرض
یہی ہوتی ہے کہ ہم اُس کی نسبت زیادہ جانتے ہیں یا یہ خوف ہو کہ شاید میری سی تعظیم کہیں
اسکی نہ ہونے لگے اسلئے اُس میں عیب نکالنے شروع کئے۔ یہ امر موہومی ہے کہ اس طرح
اُس کو عزت حاصل ہو تجربہ سے معلوم ہوگا کہ وہ خود لوگوں کی نظروں میں اس سے ذلیل ہو جاتا ہے

چھٹا سبب یعنی جب لوگوں کو دیکھا کسی کی تعریف اور تعظیم کرتے ہیں اور اُس سے محبت پیش آتے ہیں تو آگ حسد کی جوش کرتی ہے اور یہ دل چاہتا ہے کہ یہ نعمت اُس کے پاس نہ رہے تو اور کچھ نہیں بن پڑتا اُس کا عیب ظاہر کرنے شروع کرتا ہے تا کہ لوگوں کے نزدیک اُس کی عزت اور بے تعظیم و اکرام و مدح سے باز آئیں اس لئے اُسکو تعریف کا سُننا اور تعظیم ناگوار گذرتی ہے اُسکا نام حسد ہے۔ غصہ اور کینہ کی صورت میں تو یہ ہوتا ہے کہ دوسرا شخص کچھ اپنا بگاڑ کرتا ہے تو غصہ آتا ہے اور کینہ ہوتا ہے اور حسد بگاڑ پر موقوف نہیں دوست محسن رشتہ دار پر بھی ہوا کرتی ہے آدمی سمجھ لے کہ حسد اپنی جان کے لئے ایک عذاب ہے کسی استاد کا شعر ہے کہ ؎

حاسد کو ایک دم نہیں راحت جہان میں ۔۔۔ رنج حسد ہے جان ہے جب تک کہ جان ہیں

اپنے بھلے کے لئے اور ونکا برا چاہنا برے شگون کے واسطے ناک کٹا تا ہے قاعدہ ہے کہ حسد اور غیبت کے سبب دوسرے کا فضل اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ اور اپنی حماقت جہالت ظاہر ہوتی ہے جس سے ندامت ہوتی ہے۔ ساتواں سبب کھیل اور دل لگی ہے کہ دوسرے کی برائی بیان کر کر ہنسنا اور ہنسانا اور وقت کا ٹالنا منظور ہوتا ہے۔ آٹھواں سبب کسی کو پیٹھ پیچھے بنا لینا اس سے غرض اپنی بڑائی اور دوسرے کی ذلت منظور ہوتی ہے۔ نواں سبب کسی کا استہزا کرنا اور اُس کو بنا لینا گو کسی شخص کو رسوا کر دے۔ یہ بنانا صرف چند آدمیوں کے روبرو ہوتا ہے مگر آدمی سوچے کہ اُس کا نتیجہ کیا برا اپنے حق میں ہوتا ہے۔ نواں سبب کسی خاص دیندار کا نام لے کر اُس کے عیب برائی کو تعجباً کہنا یا اُسکے واسطے دعا مانگنی یا اپنا غصہ و غضب جتلانا۔

انسان کو جب غیبت کا خیال آئے تو اپنے نفس میں فکر کرے کہ کوئی عیب مجھ میں بھی ہے یا نہیں اگر کوئی عیب پائے تو اُس کے دور کرنے میں مشغول ہو جائے۔ وہ شخص بڑا خوش نصیب ہے کہ جو اپنے عیبوں کی درستی سے شغل رکھے اور دوسروں کی عیب جوئی نہ کرے۔ آدمی کو اس سے شرم آنی چاہئے کہ اپنے تئیں تو عیبوں پر ملامت نہ کرے۔ یہ نہ سمجھے کہ جیسا میں اپنے عیب کے دور کرنے میں مجبور تھا ویسا ہی دوسرا شخص معذور تھا کہ اپنے عیب نہیں دور کر سکتا تھا۔ ورنہ پھر دوسری

ہوگی خود را فضیحت دیگرے را نصیحت - یہ امر اس صورت میں ہے کہ دوسرے شخص میں عیب اس قسم کا ہو جو اُس کے فعل و اختیار سے ہو - ورنہ اور کوئی جبلّی امر اعضاء ظاہری میں ہو تو اُسپر بُرا کہنا تو خالق کو بُرا کہنا ہے معاذ اللہ جیسا کہ منقول ہے کہ ایک شخص نے کسی حکیم سے کہا کہ اے بدصورت اس نے جواب دیا کہ صورت کا بنانا میرے اختیار میں نہیں تھا - کہ میں اُس کو اچھا کر لیتا - بنظر انصاف دیکھو تو کوئی آدمی عیب سے خالی نہیں اگر کوئی شخص اپنے تئیں عیب سے پاک تصور کرے تو محض حماقت اور نادانی ہے - غرض دوسرے شخص کے عیب چھانٹنے سے یہ بہتر ہے کہ اپنے نفس کی اصلاح کرے اور یہ سوچے کہ اگر کوئی شخص مجھکو بُرا کہے تو مجھے کیسا بُرا معلوم ہوگا ایسا ہی دوسرے شخص کو سمجھے پس جیسے آدمی یہ پسند نہیں کرتا کہ دوسرا آدمی میری غیبت کرے ایسا ہی یہ امر نا پسند کرے کہ دوسرے کی غیبت یہ خود کرے - انسان کو چاہیئے کہ جیسے زبان سے غیبت کرنے کو بُرا جانے ایسے ہی دل میں بھی کسی طرف سے بدگمانی نہیں کرنی چاہیئے - بدگمانی سے غرض یہ ہے کہ کسی کو قصداً دل سے بُرا نہ سمجھے سوء ظن اس سبب سے بُرا ہے کہ اسرار قلوب کو سوائے عالم الغیب کے کوئی نہیں جانتا پس بندہ کا یہ حق نہیں ہے کہ دوسرے کی طرف بدی کو اپنے دل میں جمائے - ہاں اس صورت میں کہ بدی کا معائنہ ایسی طرح پر ہو جائے جسمیں محل تاویل نہ رہے کیونکہ پھر اُس کے خلاف دل میں جمنا دشوار ہے - مگر جب تک کسی کا حال نہ دیکھا ہو نہ سُنا خواہ مخواہ دل میں اُس کی طرف سے بدگمان ہونا شیطان سیرتوں کا کام ہے جب کسی کی طرف سے دل میں بُرائی پیدا ہوتی ہے تو اس سے کسی قدر نفرت دل میں سما جاتی ہے اس کا پاس بیٹھنا ناگوار ہوتا ہے - اُس کی تعظیم و اکرام میں بھی سستی ہونے لگتی ہے -

(۳) الحاصل غیبت بُری خوئے زشت ناپسند ہے - دوستوں کو دشمن بناتی ہے اور دشمنوں کو اور زیادہ دشمن بناتی ہے - جب تم لوگوں کو بُرا کہتے ہو تو لوگ تم کو بُرا کہتے ہیں - گویا تم اوروں کی غیبت کیا کرتے ہو اپنے تئیں رسوا کرتے ہو - اپنی تیغ زبان کو اوروں پر کیا چلاتے ہو اپنا گلا کاٹتے ہو جو مرد عاقبت اندیش ہے وہ اپنے حفظ ناموس کے لئے اوروں پر زبان درازی نہیں کرتا ؎

عیب تو خواہی نگوید خصم عیب او مگو ۔۔۔ باخموشی میتوان خاموش کردن کوہ را

اگر تم میں عیب ہو تو سو عیبوں کا یہ ایک عیب ہی کہ تم اوروں کی عیب پوشی نہیں کرتے اور اسمیں
اپنی اوقات شریف کو ضائع کرتے ہو ؎

در گفتن عیب دگراں بستہ زباں باش   از خوبی خود عیب نمائے دگراں باش

اوروں کے افعال و اقوال کو بدی پر حمل کرنا اور لوگوں کے عیبہائے نہانی کا ڈہونڈنا عین
بد ذاتی اور بد طینتی کی نشانی ہے شیطان سیرتی اور شرارت نفس کی دلیل۔ انسان کو چاہئے
کہ ہمیشہ نظر خلق کی خوبیوں اور محاسن پر رکھے*

(۶) کہاں کہاں غیبت کرنی درست ہی

اول ظلم کی دادرسی کے لئے غیبت مثلاً مظلوم آدمی اگر حاکم اعلی سے کہے کہ فلاں حاکم ادنی نے میرے
اوپر ظلم کیا یا خیانت کی یا رشوت لی تو یہ داخل غیبت نہیں۔ اس بدون دادرسی نہیں ہو سکتی مگر سوائے
مظلوم کے اور کوئی شخص ایسا کہے تو غیبت ہوگی مظلوم کو ظالم کا کہنا درست ہے۔ دوسرے یہ کہ
بری بات کے دور کرنے کے لئے یا گناہگار کی راہ راست پر آنے کے لئے استعانت منظور ہو۔
غرض جہاں شرارت سے بچاؤ غیبت کے سبب سے ہو سکے اور اُس کے سبب سے خیر پیدا ہو*

(۷) چُغلی

چغلی کی تعریف لوگوں میں یہ مشہور ہی کہ ایک آدمی دوسرے سے جا کر یہ کہہ دے کہ فلانا شخص تم کو یہ
کہتا تہا مگر چغلی واقع میں اُسی پر منحصر نہیں بلکہ تعریف اُسکی یہ ہے کہ جس چیز کا ظاہر کرنا بُرا ہو اُسی کو
ظاہر کر دے خواہ جسکی طرف سے کہا ہے اُسکو بُرا لگے یا جس سے کہا ہے اُس کو بُرا معلوم ہو خواہ کسی تیسرے
آدمی کو ناگوار گذرے۔ یہ ظاہر کرنا بھی خواہ قول سے یا لکہنے سے یا اشارہ کنایہ سے ہو۔ اور جو چیز ظاہر کی
ہی وہ بھی خواہ عمل ہو یا کلام خواہ عیب و نقصان دوسرے کا ہو یا نہ ہو غرض کہ چغلی افشاء راز اور مکروہات
کے اظہار کا نام ہے آدمی کو چاہئے کہ جب اُسکی نظر لوگوں کے حال پر پڑے تو سکوت اختیار کرے۔ مگر
ہاں وہاں بولے جہاں کسی دوسرے کا نقصان ہوتا دیکھے مثلاً جب کسی شخص کو دیکھے کہ وہ دوسرے کا
مال لئے لیتا ہے تو چاہئے کہ اُسکے واسطے گواہی دے اسمیں رعایت مال والے کی ہوگی لیکن اگر کوئی

اپنا مال چھپا کر رکھتا ہو اُس کو اگر ظاہر کر دیگا تو چغلی ہوگی۔ اگر کسی کا عیب یا نقصان کا ذکر کرے گا تو غیبت اور چغلی دونو ہونگے۔ چغلی کھانے سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ جسکی بات کہے اُس کو کچھہ برائی پہنچے یا یہ کہ جس سے بیان کرتا ہے اوسکی دوستی کا اظہار منظور ہو۔ یا باتوں میں دل لگی کے طور پر مذکور ہو یا فضول اور باطل بکنے کا شوق ہو بہر صورت جب کسی شخص کے سامنے اُس قسم کی چغلی پیش ہو مثلاً یوں کہے کہ فلاں شخص تم کو ایسا ایسا کہتا تھا۔ یا تمہارے باب میں تدبیر کی یا تمہارے بگاڑ کی فکر میں ہے یا تمہارے دشمن سے ساز رکھتا ہے یا کوئی اور ایسی بات کہے تو سننے والے کو پانچ باتیں چاہیئیں اول اُسکو سچا نہ جانے چغل خور اکثر بدکار ہوتے ہیں اُس کی بات قابل اعتبار نہیں ہوتی۔ دوم کہنے والے کو منع کرے کہ پھر تم ایسی بات مت کہنا اور نصیحت کر دے کہ یہ حرکت بیجا ہے۔ سوم غائب شخص پر بدگمانی نہ کرے۔ چہارم یہ کہ اُسکے کہنے سے در پے تجسس اور تحقیق نہ ہو۔ پنجم یہ کہ جس بات سے کہ چغلخور کو منع کیا ہے اُس میں خود مبتلا نہ ہو۔ مثلاً لوگوں میں ذکر نہ کرے کہ فلاں شخص مجھہ سے ایسا ایسا کہتا تھا۔ نقل ہے کہ ایک حکیم کا کوئی بھائی پاس آیا اور اُسکے کسی دوست کا کچھہ حال کہا اُس نے سن کر جواب دیا کہ تم بہت دن میں تو آئے اور تین کرتوت ساتھہ لائے اول یہ کہ ایک دوست کے بغض پیدا کر دیا۔ دوم دل میرا فارغ اور چین سے رہتا تھا اُس میں پاپے دوڑا دیا تیسرے میں تم کو امین جانتا تھا اب اعتبار جاتا رہا حضرت حسن رح کا قول ہے کہ من نم الیک نم علیک اُسی کا ترجمہ حضرت سعدی رح نے یہ کیا ہے

ہر کہ عیب دگراں پیش تو آورد و شمرد	بیگماں عیب تو پیش دگراں خواہد برد

غرض چغل خور لوگوں میں بگاڑ ڈالنے سے خالی نہیں ہوتا معلوم نہیں اُس کا کیا سبب ہے کہ انسان ہر قوم کے لوگوں سے سچ بات پسند کرتے ہیں مگر چغل خور ان کی جھوٹی بات کو پسند کرتا ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ چغلی کی نسبت چغلی کا مان لینا زیادہ برا ہے اس لئے کہ چغلی میں تو صرف بتلانا ہی ہے اور ماننے میں اجازت پائی جاتی ہے کہ وہ کہا کرے دونوں میں بڑا فرق ہے چغل خور اگر سچا ہو تو بھی اُس کا فعل چغلی کا کمینگی سے خالی

نہیں ہوتا کہ وہ عیب پوشی کا پابند نہ ہوا۔ حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو فرمایا کہ جو شخص تجھہ میں اور لوگوں میں بگاڑ ڈالا چاہے اور فریب دیا چاہے اُس کی بات کبھی مت مان۔ اور اپنا بھائی اور دوست اُس کو جان کہ جب علحدہ ہو جاے تو نہ تو اُسکی بُرائی کرے اور نہ وہ تیری۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ چغلی جھوٹ اور حسد اور نفاق سے بنتی ہے۔ اور یہی تینوں چیزیں ذلت کی بنا اور ارکان ہیں۔ اور بعض اکابر کا قول ہے کہ چغلخور اگر بالفرض سچ ہی کہتا ہے تو واقع میں وہ خود گالی دیتا ہے اس واسطے کہ جسکی طرف سے بیان کرتا ہے سچ پوچھو تو قابل رحم ہے کہ اُس کو اتنی ہمت اور جرأت نہ ہوئی کہ سامنے کہتا۔ اپنی زبان سے تمکو رنج دیتا۔ یہ رنج تو چغلخور نے اپنی زبان سے کہہ کر دیا **اشعار**

یکے تیرے افگند و در رہ فتاد	وجودم نیازرد و رنجم نہ داد
تو برداشتی و آمدی سوئے من	ہمی در سپوزی بہ پہلوئے من

حاصل یہ کہ چغلی کی بدی قابل بچنے کے ہے وہ بُری بلا ہے اُس سے بڑے بڑے بکھیڑے پیدا ہو جاتے ہیں +

(۸) دو رُخی باتیں کرنی

آدمی دو رُخی باتیں جب کیا کرتا ہے کہ وہ دو ایسے آدمیوں سے ملتا ہے جنمیں عداوت ہوتی ہے جسکے پاس جاتا ہے اُسکی سی کہتا ہے اُسی کو نفاق کہتے ہیں۔ آدمی کو چاہیے کہ اگر وہ دو دشمنوں کے پاس ہو تو وہ باتیں کرے جو سچی سچی ہوں اس طرح وہ دو رخا نہ ہوگا ممکن ہے کہ وہ عداوت والوں سے سچی بات کہی جاے اور دوستی بنی رہے۔ گو اس قسم کی دوستی ضعیف ہوتی ہے۔ بھائی چارہ کے درجہ کو نہیں پہونچتی۔ کیونکہ پکی دوستی میں تو دوست کے دشمن کے ساتھہ عداوت کرنی پڑتی ہے آدمی دو رُخا جب ہوتا ہے کہ وہ عداوت والوں میں سے ہر ایک کی بات دوسرے سے جا کہے۔ اور یہ امر چغلی سے زیادہ بُرا ہے اسواسطے کہ چغلخور تو ایک ہی طرف کی نقل کرتا ہے یہاں دونوں طرف کی بات ایک دوسرے سے کہتا ہے اور اگر کلام ایک دوسرے کی نقل نہ کرے بلکہ ہر ایک سے یہی کہے کہ تم فلاں شخص سے عداوت کہتے ہو یہ بہت اچھی بات ہے یا ہر ایک سے وعدہ کرے کہ میں تمہارے ساتھہ ہوں یا دشمنی کے سبب ایک کی تعریف کرے تو اُن سب باتوں سے دو رُخا کہلائیگا۔ یہی حال اس صورت میں

کہ منہ پر اچھا کہے اور پیٹھ پیچھے بُرا کہے۔ آدمی کو سزاوار یہ ہے کہ کچھ نہ کہے اور اگر کہے تو حق کہے خواہ کسی کے سامنے ہو یا پیچھے۔ ایک دشمن کے سامنے بھی دوسرے دشمن کی سچی تعریف کرے۔

(۹) مدح و ہجو

ہجو کا حال تو بعینہ غیبت کا سا ہی جسکا بیان پہلے ہو چکا ہے۔ مدح کی بعض آفتیں تو اُس شخص سے متعلق ہیں جو مدح کرتا ہے اور بعض ممدوح سے۔ مدح میں اکثر افراط ایسی ہوتی ہے کہ وہ جھوٹ بن جاتی ہے۔ کبھی اُس میں ریاکاری ہوتی ہے کہ تعریف میں اظہار محبت ممدوح کے ساتھ ہے مگر دل میں محبت کچھ بھی نہیں۔ کبھی ممدوح میں وہ اوصاف بیان کرتا ہی جس سے یہ خود واقف نہیں ہوتا کہ ممدوح میں ہیں یا نہیں اور نہ اُن پر آگاہ ہونے کی کوئی سبیل ہوتی ہے۔ انسان دوسرے انسان کے اعمال ظاہری کو دیکھ کر تعریف کر سکتا ہی۔ مگر اوصاف باطنی پر یقین نہیں کر سکتا۔ ایک شخص نماز پڑہتا ہے روزہ رکھتا ہی زکاۃ دیتا ہی حج کرتا ہی تو وہ ان باتوں کی نسبت یقینی کہہ سکتا ہے کہ وہ یہ نیک کام کرتا ہے کیونکہ اُن کا یقین صرف دیکھنے سے ہو جاتا ہی۔ اوصاف باطنی مخفی ہوتے ہیں وہ کچھ دیکھنے میں نہیں آتے۔ اسلئے جب تک آدمی کے باطن کا امتحان نہ کرلے تب تک یقیناً اُن اوصاف کا حال نہیں کہنا چاہئے۔ ممدوح باوجودیکہ بدکار اور ظالم ہوتا ہی پھر بھی اُس کے دل خوش کرنے کے لئے اُس کے عدل و انصاف کی تعریف کرتے ہیں چاہئے تہا کہ اُسکی مذمت کر کے اُس کے دل کو ناخوش کرتے۔ برخلاف اِس کے مدح کرنے والا خوش کرتا ہے۔ اب ممدوح میں برائیاں پیدا ہوتی ہیں کہ جب اُسکی تعریف ہوتی ہی اور اوصاف اُس کے بیان کئے جاتے ہیں تو وہ اپنے تئیں کامل سمجھنے لگتا ہے۔ اور شیخی و غرور اُس میں پیدا ہو جاتا ہی اور اپنے منہ میاں مٹھو بن جاتا ہے۔ مداح تعریف کرنے کی بھی کوئی حد نہیں چھوڑتے۔ امرد کو خدا کہہ دیتے ہیں معشوق کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ اگر وہ دن کو اپنے چہرہ سے نقاب اُٹھا دے تو دو آفتاب نظر آنے لگیں اگر رات کو زلفیں شانوں پر چھوڑ دیں تو تین لیلۃ القدر ہو جائیں اُسکے شادی افزا بال و مجلس فروز چہرہ شب روز سے اچھے ہیں وہ مردوں کو زندہ کرتے ہیں وہ آنکھوں کے لئے یوسف و گل ہیں مگر دل کے لئے گرگ و خار چہرا اُنکا

تو عالم افروز ہو مگر دل گزا۔ اُن کی چشم جانوں کے چرانے کے واسطے دل میں رخنہ کرتی ہیں اُن کی زلفیں
ایسی سانپ ہیں کہ جن کے دانتوں تلے زہر ہے مگر سر میں مہرہ نہیں یہ زلف مرغول دلوں کے لئے غول
ہیں غرض مدح و ہجو میں کسی کو آسمان پر چڑھاتے ہیں کسی کو تحت الثریٰ کو پہنچاتے ہیں۔ ایک کہتا ہے کہ
کمال و فضل و جود و سخا میں کوئی تیری برابر نہیں دوسرا کہتا ہے کہ تو دو نو عالم کا مالک ہے۔ تیرے طفیل
سے یہ ساری جانیں پیدا ہوئی ہیں تو ہی عیش و خرمی ہے تو ہی نوش دمرہم ہے جب ممدوح دیکھتا ہے
کہ مداح اس کی ستائش میں بدمست ہوئے ہیں تو پھر تکبر کے مارے وہ اپنے آپے میں نہیں رہتا
وہ یہ نہیں سمجھتا کہ مجھ جیسے ہزاروں کو شیطان نے ڈبویا ہے۔ یہہ لطف و مکر کا لقمہ اچھا معلوم ہوتا
ہے مگر اُس کے اندر آگ چھپی ہوئی ہے۔ آخر کو اُس میں سے دھواں اٹھتا ہے مادح پھر تیری بلا
ہجو کرتا ہے تو رات دن تیرا دل جلتا ہے۔ گر تو کہتا ہے کہ اُسکی طمع میں نے پوری نہیں کی اس لئے
اُس نے میری ہجو کہی ہے۔ مگر اُس کا اثر دل میں باقی رہتا ہے۔ وہ سرمایہ کبر بنتا ہے۔ مدح شیریں اور
ہجو تلخ ہوتی ہیں اسلئے وہ بھلی اور بُری معلوم ہوتی ہیں۔ ہجو کا حال تلخ گولیوں اور دوا کا سا ہے
کہ وہ دیر تک رنج و سوزش میں رکھتی ہیں اور تعریف کا حال حلوے کا سا ہے کہ اُس کا مزا دم بھر کا
ہوتا ہے۔ اُس کا اثر دیرپا دوا کا سا نہیں ہوتا۔ مگر ایک اثر اُسکا چھپا ہوا یہہ ہوتا ہے کہ کچھ مدت کے
بعد بدن پر پھوڑے پھنسیاں نکلتی ہیں اور اُن گولیوں کا یہہ اثر ہوتا ہے کہ بدن اخلاط
کثیف سے صاف ہوتا ہے +

(۴) نفس مدح سے فرعون ہو جاتا ہے۔ اسلئے آدمی کو چاہیئے کہ وہ بندہ ہو کر شیطان نہ بنے
گیند بن کر چوٹیں کھائے مگر چوگان نہ بنے جب تجھ میں لطف و جمال نہیں ہے گا تو حریفوں کو
تجھ سے ملال ہوگا۔ پھر جو تعریف کرتے تھے وہ ہجو کرینگے۔ تجھکو اس طرح دیکھینگے جیسے کہ کسی نے
گور سے سر باہر نکالا۔

(۳) جو لوگ اپنی تعریف و خوشامد کو بہت پسند کرتے ہیں اُنکو یوں سمجھو کہ وہ ایک زخم رکھتے ہیں
جسکی بُرائی اس سبب سے نہیں معلوم ہوتی کہ مکھیاں اُسکو گھیرے بیٹھی ہیں۔

(۱۰) زبان حال کو زبان قال سے تعبیر کرنا

ایک طریقہ بیان کا یہ بھی ہے کہ زبان حال کو زبان قال سے تعبیر کرتے ہیں تا کہ دل پر زیادہ اثر ہو جیسے کہتے ہیں کوئی چیز نہیں ہے جو خدا کی خوبیاں نہیں پڑھتی اور سبحان اللہ نہیں کہتی ہے اب کوئی بڑا ہی احمق وغبی و نادان ہو جو یہ سمجھے کہ درحقیقت یہ نباتات وجمادات میں عقل اور جان رکھی ہے جسے کہ وہ لغات وحروف میں بولتے ہیں اس سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے وجود سے زبان حال سے گویا ہو کر خدا کی تسبیح و تقدیس و وحدانیت کی شہادت دیتی ہیں **شعر**

ہر گیا ہے کہ از زمیں روید   وحدہٗ لاشریک لہ گوید

اس کے یہ معنی ہیں کہ ہر گھاس کا پتا اپنی صورت حال سے خدا کی توحید کی شہادت دیتا ہے غرض جو صنائع اپنے صانع کی قدرت اور حسن تدبیر و کمال پر شہادت دیتی ہیں اس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ وہ اپنی زبان سے کہتے ہیں کہ ہم گواہ ہیں بلکہ اُنکی ذات اور حال سے شہادت مراد ہوتی ہے۔

(۱۱) استعارہ

بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر اسکا ذکر صریح کیا جاوے تو سمجھ میں وہ آتی ہیں مگر اُن کو استعارہ اور اشارہ کے طور پر بیان کرتے ہیں تا کہ اُن کا اثر سننے والے کے دل پر زیادہ ہو مثلاً کوئی شخص نااہلوں کو حکمت اور علم کی باتیں سکھا رہا ہو تو کہیں کہ وہ سوروں کو آم چسپا رہا ہے۔ اب وہاں سوروں سے آم سے اس سے مطلب یہ ہے کہ جیسے کہ سوروں میں آم چسنے کی قابلیت نہیں ہے ایسی ہی سننے والوں میں مسائل حکمت سمجھنے کی قابلیت نہیں ہے۔ مثال مسجد ریٹھ سے ایسی سکڑتی ہے جیسے آگ سے کھال یعنی جیسے آگ کھال سے مخالف ہے ایسے ریٹھ مسجد کی پاکیزگی سے خلاف ہے جو شخص نماز میں امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے اسکو ڈرنا چاہیے کہ خدا اُس کے سر کو گدہے کا سر بنادے۔ یہاں یہ مراد ہے کہ جیسا گدہے کے سر میں بیوقوفی اور کم ذہنی ہوتی ہے ایسے ہی اُس شخص کے سر میں بیوقوفی ہوگی جو امام کا اقتدا بھی کرتا ہے اور اُس سے آگے بھی بڑھتا ہے وہ نہایت حماقت کرتا ہے۔ یا جیسے حدیث ہے کہ خدا تعالیٰ کی دو انگلیوں میں مومن کا دل ہے تو اسمیں انگلیوں سے

اشارہ قدرت کی طرف ہے۔ اس کے اقتدار کے سمجھانے میں بڑا اثر ہوتا ہے جیسے کہتے ہیں یہ کام ہماری چٹکی میں ہے۔

(۱۲) شاعر و شعر و شاعری کی برائیاں

قول سہ کس نیست بدہر استوار ۔ شاعر و قرعہ زن و اختر شمار

ایک گروہ اپنے تئیں شعر تراش کہتا ہے مگر وہ شعر خراش ہوتا ہے۔ قلب اُن کا سلیم (زہر آلود) قالب اُن کا الیم۔ خاطر اُن کی عقیم۔ نظم اُن کی سقیم۔ چہرہ اُن کا پیاز کی طرح لال و نیک معلوم ہوتا ہے مگر اندر سے بالکل پوست ہوتا ہے۔ سخن طرفہ زبان کو جوہری کرتے ہیں مگر عقل کو بہلے بہرا کر دیتے ہیں اُن کی جان جیسے شعر بیہودہ۔ دل اُن کا مثل اُن کی نظم کے سادہ۔ اُن کے افعال ایسے زشت جیسی اُن کی عبارت۔ جان اُن کی ایسی گران جیسے اُن کے استعارے۔ صورت بھلے آدمیوں کی سی مگر کام بن مانسوں کے۔ ایسے شاعروں کی امر ابڑے خوش ہوتے ہیں کہ وہ اُن کے فتنے کا نام بھی عافیت رکھتے ہیں شکل اُن کی گربہ مسکین کی سی وہ ایک لقمے کے لئے محتاج ہوتے ہیں دستر خوان پر ایک ایک ٹکڑے کے لیے مار کہاتے ہیں چوہوں کی طرح لوگوں کے گھروں میں پڑے پھرتے ہیں اور دستر خوان کو کترتے ہیں۔ طوطے کی طرح اپنے بولنے کی لاف مارتے ہیں اور معانی سے دل اُن کا خالی ہوتا ہے۔ کمینوں کے سامنے شعر اپنے لے جاتے ہیں اور اپنے تئیں اُن کا ندیم بناتے ہیں اُن کی مجالس کے حکیم بن جاتے ہیں اور شعرا کے سخن کے ریزے ریزے جمع کر کے اپنا ذخیرہ جمع کرتے ہیں۔ غرض روز و شب دربدر خاک بسر روٹیوں کے لئے پھرتے ہیں اور شاعروں کے نیک نام کو بد کرتے ہیں شعر جو حسب طبع ہو وہ جان پرور ہوتا ہے جب وہ معمولی طریقوں سے کہا جاتا ہے تو مسخرہ ہوتا ہے شاعری میں سروش ہو وہ فروغ نہیں کہتی۔ شاعری سے دل میں گدائی کا نقش جم جاتا ہے عقل جو بادشاہ سخن ہے وہ ہر دم زن ہو کر غلط موزون ہو جاتی ہے۔ شاعروں کی باتیں سارے غمزے ہوتے ہیں اُن کا غرور ایسے وہ خواجہ بننا چاہتے ہیں وہ بے ہمت و بے خبر دہوتے ہیں۔ سخن اُن کا معنی سے ایسا بے بہرہ ہوتا ہے جیسا اُن کا سر۔ جب وہ کسی گروہ میں سخن پڑھتے ہیں تو اپنی فقر و شکوہ ظاہر کرتے ہیں

مگر اُن کی آواز کانوں کو ایسی بُری معلوم ہوتی ہے کہ دل چاہتا ہے کہ وہ خاموش ہوں جس سے درد سر
موقوف ہو۔ جو اُن میں ہزل گو ہیں اُن کا کلام عاقل کب سُنتے ہیں وہ اُن کے سامنے پڑھنے بیٹھ
جاتے ہیں تو وہ اپنے کانوں میں اُنگلیاں دیتے ہیں اگرچہ وہ ظاہر میں سُنتے ہیں مگر دل میں غصے ہوتے
ہیں۔ اور اُن کے کلام سُننے کو عاقل گناہ اور جاہل موعظت جانتے ہیں۔ وہ ایک قصیدہ کو دو سو جگہ
سفلوں کے روبرو ڈاڑھی کو ہلا ہلا کر پڑھتے ہیں۔ کچھ اشعار ازبر کر کے شہر کو گدائی سے زیر و زبر کرتے
پھرتے ہیں۔ موچی۔ درزی۔ نداف کی دکانوں میں بیٹھے اپنی شاعری کی لاف مارتے ہیں۔ اور دل
کے موتی چیر کے اپنے خرمہرہ کے ساتھ ملا کے بیچتے پھرتے ہیں ہمیشہ احمقوں کی طرح غرور کرتے ہیں اور
خلق کو سخنور۔ کوئی شخص ایک دو بیت کے پڑھنے سے شاعر نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ سخنور شاعر کہلاتا ہے جو معانی
سے ماہر ہو۔ یہ شاعر بالکل بے مایہ ہوتے ہیں رزق اور تن دہی کے طلبگار دُش جو بیہودہ مدح سرائی کرنے والے
دھوبی موچی کے ستائش میں شعر اس سبب سے پڑھنے والے کہ کپڑے دھو دے اور جوتی پہنا دے۔ وہ دو
روٹیوں پر شعر بیچتے ہیں کتّے کی طرح دربدر پڑے پھرتے ہیں۔ اور گُوگل کو چلغوزہ کہتے ہیں جو بادشاہ
کی تعریف میں کہتے ہیں وہ عوام کی تعریف میں جن کو کبھی خلعت ابھی کہتے ہیں خلخال کی جگہ تاج پہنتے ہیں مدح و ذم
اُن کے نزدیک یکساں ہے۔ ہیں بے زبان مگر اپنے تئیں زبان داں جانتے ہیں ہر ایک ان میں مگر اپنے
تئیں بینا سمجھتے ہیں بادشاہ کا بڑا برگزیدہ کام یہ ہے کہ اُن کی نسل کو جہان سے برکندہ کرے کہ اس قوم
نابکار کے عذاب سے خلق چھوٹ جائے۔ اسلئے کہ اکثر شاعروں کے پوچ خیالات واہی قضاء الٰہی کے عدم
رضا پر مبنی ہوتے ہیں اُن کے مضامین کفر آمیز نظم میں یا نثر میں ہوتے ہیں۔ کبھی آسمان سے
لڑائی ہے کہ کیوں اُس نے ایسا کیا کبھی دورِ فلک پر عتاب ہے کہ کیوں اس نے اُن کا سب سر تاج نہ بنایا
قضا و قدر کے ساتھ بھی گستاخی سے نہیں چوکتے جو مضمون اُن کے ذہن میں آئے اور اُس میں کچھ
لطائف شعری پائے جائیں پھر اُس کے کہنے سے باز نہیں رہتے خواہ اُس میں سراسر کفر ہی کیوں نہ بھرا ہو
عرش و کرسی اپنے ممدوح کے پایہ سے کمتر کہہ دیتے ہیں حضرت عیسیٰ و موسیٰ کو تو مورد اعتراض بنا دیتے
ہیں اور خضر و الیاس پر ملامت کرتے ہیں یہ ہرگز نہیں سمجھتے کہ برگزیدگان خدا کا رتبہ ایسا برتر ہے

بے نام و نشانوں کے واسطے اُن کے ساتھہ یہ گستاخی اور بے ادبی کرنی نہایت حماقت و نادانی ہے

(۱۳) شاعر و شعر و شاعری کی خوبیاں

لطف سخن کا لباس انسان کو خاص خدا تعالی نے عنایت کیا ہے جسوقت وہ وزن کا خلعت ناز سے پہنتا ہے اور قافیہ کو دامن کا طرار بناتا ہے اور ردیف کی خلخال ڈالتا ہے خیال کا خال نہ پر لگاتا ہے۔ تشبیہ سے رخ پر جلوہ ماہ دکھاتا ہے تجنیس کی مانگ بناتا ہے ایہام سے چشمک زنی کرتا ہے مجاز کی زلف کو چھوڑ کر حقیقت سے پردہ اُٹھاتا ہے۔ جب وہ اس شکل سے شبستان خیال سے جلوہ افروز ہوتا ہے تو کوئی شاہد موزوں اُسکی برابر دلربا نہیں ہوتا۔ اُسکے عشق میں صبر اور صعب تسلی مشکل ہے۔ وہ کانوں کو موتیوں سے پر کرتا ہے کبھی تحمید میں نغمہ سرائی کبھی توحید میں عقدہ کشائی کبھی خوش حالوں کے صومعہ میں ہے کبھی صوفیوں کے سماع میں وہ نکتہ سنجی قوالوں کے لب سے کرتا ہے کہ وہ دل و جان کو اُس پر فدا کرتے ہیں کبھی عاشق کا غم نامہ پڑھتا ہے کبھی معشوقوں کی پردہ سازی اور عاشقوں کی پردہ دری کرتا ہے غرض اُس سے کبھی دل کو قوت ہوتی ہے کبھی جان کو راحت۔ کبھی اُس سے دولت ملتی ہے کبھی عزت۔ غرض وہ سرتاسر ہنر ہے اور بے عیب ہے۔ مگر جب بے ہنروں سے اُس کو پالا پڑتا ہے۔ تو اُسکا وہ حال ہوتا ہے جو اوپر بیان ہوا کہ پھر وہی زبان سے بیہودہ باتیں کراتا ہے۔ شعر دل کے سرچشمہ کا پانی ہوتا ہے۔ اگر چشمہ مٹی سے اٹا ہوا ہے تو اُسکا پانی کیوں نہ گل آلود ہوگا پہلے دل تمام آلودگی سے پاک ہو تو شعر پاک ہو جب وہ خباثت سے معمور ہے تو شعر بھی خبث سے خالی نہیں ہو سکتا جو شاعر پاک نہاد نہیں اُس کا کلام بھی نجاست سے خالی نہیں نظم سخن کا بھی کیا وزن ہے کہ وہ اس ترازو اور باٹ سے نہیں ہوتا بلکہ طبیعت کے دست اور ترازو سے ہوتا ہے۔ بس یہ طبیعت ہی اُس کی قوت بازو ہے وہی اسکو حکمت اور بیان میں سحر بناتی ہے۔ وہی اِسکو آسمان پر چڑھاتی ہے وہی تحت الثرے میں لے جاتی ہے غرض جیسی طبیعت شاعر کی ہوتی ہے ویسا شعر ہوتا ہے +

(۱۴) فکر اشعار

شاعر دن بھر شعر کی اُدھیڑ بن میں رہتے ہیں راتوں کو قافیہ جوئی کے خیال میں آنکھیں نہیں بند کرتے

اپنے مقاصد کے واسطے قصائد ارباب مناصب کی مدح میں کہتے ہیں اور مطالب حاصل کرتے ہیں
سادہ دلوں کی ہجو میں بھی کبھی کبھی کاغذ کو سیاہ کرتے ہیں غزل پردازی میں غزالوں کے
ساتھ عشق بازی کی باتیں کرتے ہیں کبھی مثنوی میں ایک وزن کے ہزاروں شعر کہتے ہیں اور اپنے
خیال میں ہزاروں موتی پروتے ہیں۔ ان کی ترصیع میں ایسے محو ہوتے ہیں کہ عقل و دین و دنیا
کھوتے ہیں کبھی رباعی دل کی غمخواری کے واسطے فرماتے ہیں کبھی قطعہ میں طبع بلند دکھاتے
ہیں۔ کبھی کوئی ایک بیت فرد ایسی کہہ دیتے ہیں کہ وہ سینہ پر درد کے واسطے مرہم ہوتی ہے
کبھی کسی کے نام کو معمے میں گم کرتے ہیں۔ کبھی ماتم داری کے واسطے مرثیہ ارشاد کرتے ہیں
جس کے سننے سے آنکھوں سے آنسوؤں کا مینہ برستا ہے۔ اُس میں بیان کرتے ہیں کہ فلانا امیر
فلانا بادشاہ مر گیا۔ اپنا ملک و میراث بدخواہ کے حوالہ کر گیا۔ غرض اوروں کے مرنے سے اپنے مرنے کا
ماتم خیال کراتے ہیں۔ کبھی کسی واقعہ عظیم کی تاریخ کہہ کر اُس کو یادگار زمانہ بناتے ہیں
غرض اسی طرح ان کی عمر کٹتی ہے۔ یہاں تک کہ اُن کے نظم احوال کی تقطیع ہوتی ہے۔
عمر شریف کا قافیہ تنگ ہوتا ہے۔ دم بدم مرگ اسکی ردیف بنتی ہے۔

(۱۵) اشعار کا مطالعہ اور ان پر تبسم

دفتر اشعار خو خرد کے موافق لکھے گئے ہوں ہر ورق اُن کا ریخ و الم کی صحت کے واسطے نسخہ مسیح
تو ان کے ساتھ جلیس ہونا چاہیئے۔ ان سے بہتر کوئی جلیس و انیس نہیں ہے۔ وہ روح کے
واسطے باغ سے کم نہیں جو ورق اس کا الٹئے ایک نیا شگوفہ شگفتہ نظر آتا ہے۔ اگر تم یہ چاہو
کہ اسکی نکہت تمھارے دماغ کو معطر کرے۔ تو غرض کی آلائش سے خاطر کو دھو ڈالو۔ صدق
کی طلب میں ہمت عالی رکھو تعصب کا زنگ دل سے دور کرو اور تامل عقل کے موافق کرو قلم کی طرح
قطرہ زنی نہ کرو بلکہ پرکار کی طرح قدم قائم کرو۔ معنی کو جمع کرو اور ہر نقطہ اور نکتہ پر غور کرو
ہر حرف سے حق معنی طلب کرو معنی ژرف کی تہ پر پہونچو جب تک دریا میں غواص غوطہ نہیں لگاتا
کف میں صدف گوہر نہیں لا سکتا۔ اگر دس شعروں میں ایک کے معانی بھی پسند ہوں تو اس سے

دل کو خرسند کرو۔ اشعار کی بحر بھی کان گوہر ہوتی ہے اور اس کے گوہر بھی صدف کے موتیوں سے زیادہ قیمتی ہوتے ہیں۔ معانی کو اصل جانو گو عبارت میں کچھ عیب بھی ہو تو اس کو معاف کرو حاسد کی طرح بیہودہ خروش نہ کرو عیب جوئی کو اپنا ہنر نہ بناؤ۔ ایک عیب کے سو عیب بتلاؤ۔ کبھی ان کے وزن پر طعن نہ کرو کبھی اُن کے زحاف پر عیب لگاؤ۔ کبھی الفاظ کو نامعقول اور قافیہ کو نامقبول نہ کہو اگر ایسا کروگے تو خود نظم معانی سے دور معلوم ہونگے اور تمھاری خردہ گیری کو لوگ تعصب بتلائینگے اور یہ کہینگے کہ تمہاری خاطر کا قافیہ تنگ ہے۔ تم نے غور و تامل میں ایک شب آنکھوں کو نہیں جگایا۔ کوئی گوہر مخزن غیب سے نہیں نکالا جس سے تم میں معنی باریک کے سمجھنے کی قابلیت پیدا ہوتی۔ تم اس کام کی دقت سے واقف نہیں اس لئے اس کی فہم سے عاری ہو۔ تین آدمی بڑا ستم اشعار پر کرتے ہیں ایک غزل خوان خام کہ وہ روش نظم سے واقف نہیں ہوتا۔ تیغ زباں سے کبھی نظم کا سر کاٹتا ہے کبھی پاؤں۔ وہ جن فرزندوں کے بند بند کاٹتے ہیں اُن کے باپ بڑی واویلا کرتے ہیں دوم ان برے پڑھنے والوں سے بدتر غلط لکھنے والے ہوتے ہیں کہ نظم رواں کے سر و پا کو چوب قلم سے شکستہ کرتے ہیں اپنا قلم تیر کی طرح چلاتے ہیں اور چشم معانی میں لگا کے اُس کو اندھا کرتے ہیں وہ اپنی غلط نویسی سے ہر سخن کے دست و پا گم کرتے ہیں اپنی قلم کی طرح اُس کو روسیاہ بناتے ہیں ان دو مخالفوں کے سوا تیسرا وہ ستم کیش ہے جو چشم انصاف سے نہیں دیکھتا۔ وہ اپنے کینہ کی کزلک کو زہر آب کرکے نقش صواب کو حک کرتا ہے۔ اگرچہ اس میں دقایق نظیر دیکھتا ہے مگر سب میں عیب نکالتا ہے جو مرغ کانٹے کھاتا ہے وہ خرما کے درخت پر بیٹھ کر کانٹے ہی کھاتا ہے۔ جیسے آب رواں خس و خاشاک سے خالی نہیں ہوتا ایسے ہی کسی کی نظم عیب و غلطی سے پاک نہیں ہوتی۔ دریا میں موتی بہت سے ہوتے ہیں مگر بے صدف کے وہ باہر نہیں نکلتے۔ کوہ میں پتھر بہت سے ہوتے ہیں زر تھوڑا ہوتا ہے۔ چشم ہنر بیں عیب سے پاک ہوتی ہے سے نہ نکالیں تو اُسے کیا پاک ہے۔ جو کمینے ہنرمندوں کے عیب دیکھتے ہیں اُنھیں کون دیکھتا ہے

آئینہ کی پشت کو کوئی نہیں دیکھتا۔ بزرگوں کی نظر انصاف پر ہوتی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ سخندانی کسے کہتے ہیں اور یہ گوہر کس کان سے پیدا ہوا ہے۔ یہ سخن نادر کس ذہن سے نکلا ہے وہ ترتیب کے اندر خوبیاں دیکھتے ہیں غرض موتی اندھوں کے دیکھنے کے واسطے نہیں ہوتے۔ گدھے کی گردن تعویذ کے لایق نہیں ہوتی۔ پس جو اشعار حکمت شعار ہوتے ہیں اُن کا سمجھنا سخندانوں ہی کا حق ہوتا ہے۔

(۱۶) سخن

اس چرخ کہن کے نیچے سخن بھی کیا تعجب خیز ہے اُسکے واسطے قالب انسان بنا ہے۔ خدا نے عقل و سخن انسان کے ساتھ مخصوص کئے ہیں وہی اس کی ہمشیرہ جان ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ حد گفتار کہاں تک ہے اور وہ جان کا کار پنہاں کہانتک کرتی ہے۔ وہی وحی خدا پیغمبروں کے لئے ہے۔ تمام باریک نکتے انسان کے اسی میں ہیں۔ ورع و زرق اسی میں ہیں۔ آدمی اور گدھے میں فرق اسی میں ہے۔ شمشیر زبان کا وہی جوہر ہے۔ آب وہاں کا وہی گوہر نغمہ ساز وہی ہے اس گنج کی حفاظت سے تو رنج سے بچ سکتا ہے۔ صرفہ گفتار صرفہ زر سے بہتر ہے۔ جو مرد تجربہ کار ہوتے ہیں وہ ہر چیز کو بمقدار مناسب خرچ کرتے ہیں جو سمندر میں زیادہ سفر کرتے ہیں وہ اُس میں پانی کا زیادہ صرفہ کرتے ہیں پس جو سخن شناس ہیں وہ سخن میں اسراف نہیں کرتے سخن کا خرچ مال سے نہیں کرتے سخن کو جان مال کو سفال جانتے ہیں سخن فہمی کے واسطے دل باریک چاہیے کہ وہ سخن میں فرق مو بمو کرے جب بلبل نغمہ دل افزا کر رہی ہو تو اُلو کا ہو ہو کرنا بیہودہ ہے۔ جو شخص برمحل اور موقع سخن نہ کہہ سکے تو بے موقع کہنے سے خموشی بہتر ہے۔ بڈھے قوال کو گانے کے وقت کھانسی کا گلو گیر ہونا خاموشی کے لئے مناسب ہے جو غضب سے فحش سخن کرتا ہے وہ اسکو آرہ دل اور سوہان جان بناتا ہے۔ اگر مینڈک کی آواز دل پذیر ہوتی تو اُس کی نفیر سے کیوں لوگ نفرت کرتے۔ جیسے سکہ قلب کو خوش خطی سے کچھ سود نہیں ایسے ہی آدمی کو تکبر کی چکنی چپڑی باتوں سے کچھ حاصل نہیں جھوٹے لعل کو کبھی

دروغ کے سبب سے فروغ نہیں ہوتا۔ در فتح اسی پر کھلتا ہے جو راستی کی کنجی ہاتھ میں رکھتا ہے۔
جو شخص راستی کے پانو پر سر رکھتا ہے اُسپر باد حوادث چلکر اُس کو ٹیڑھا نہیں کر سکتی۔ جو شخص
راست علامت ہے وہ توفیق الٰہی کا قالب ہے صدق سوا راستی کے پیدا نہیں ہوتا۔ تیر سیدھا کالبد
ہی سے ہوتا ہے جب مسطر ٹیڑھا ہوتا ہے تو اُس پر ہر خط کج ہوتا ہے۔ پس جب دل ہی ناراست
ہوتا ہے تو اُس کی ہر بات ٹیڑھی ہوتی ہے۔ زبان ہی آدمی کو چھپاتی ہے وہی اُس کو برہنہ
کرتی ہے۔ اہل درم کا حال مال سے معلوم ہوتا ہے اہل مقال کا مقال سے۔ جیسے قلم بے شگاف
نہیں لکھ سکتی ایسی بغیر دو زبانی کے صواب سے گزاف نہیں نکل سکتے۔ افسوس ہے کہ اگر آدمی کو میل
دو زبانی کی طرف ہو۔ اس دو زبانی سے زبان قصاب کی دو چھریاں بن جاتی ہیں جو ایک دوسرے
کو خوں ریزی کے لیے تیز کرتی ہیں۔ اگر تو کسی نکتہ کے دست و پا لگا کر بڑھا دے گا تو وہ
کان میں ہزار پا و بچھو بن جائیگا۔ درج دہان کو قفل لگانا اور اُس کی کنجی کو گم کرنا بہتر ہے
تو کان سے پنبہ نکال کر دہن میں لگا۔ سُن بہت بول کم۔ باز کی طرح خاموش ہو چڑیا کی طرح
زبان نہ باز کر۔ جو شخص دہن کو کھول دیتا ہے وہ غافل ہوتا ہے اور اس سے ملال دل ہوتا
ہے۔ دل خموشی پسند ہو۔ دہن خواہ کشادہ ہو یا بند۔ مرد کم سخن تازہ رو ہوتا ہے۔ جو آزاد
ہیں اُن کے لب سے کوئی بات ایسی نہیں نکلتی کہ اُس سے کوئی بیم ہو۔ کوئی شخص سخن نرم سے
خوف نہیں کرتا سخن سخت سے آدمی ڈر جاتا ہے۔ جو شخص سخن تشدد سے کرتا ہے اُسکے حرف
دل میں چُبھ جاتے ہیں۔ جو تلواریں کہ گوشت کاٹتی ہیں وہ تو بے حد ہوتی ہیں اور جو تلواریں
کہ گوشت کی ہوتی ہیں وہ بہت بد ہوتی ہیں۔ تو اپنی تیغ زبان کو تیز نہ کر۔ وہ تیرے حلق کو
کاٹ ڈالے گی۔ کوئی شخص زخم زبان نہیں لگاتا جو اس سے شکستگی اور زیان نہیں پاتا۔ جیسے خار
جسکی زبان میں نشتر ہوتا ہے اکثر چُبھنے سے خود شکستہ ہو جاتا ہے۔ زبان آور جراحت لگانے
کے وقت کسی سے خوف نہیں کرتے۔ چہرہ زبانی سے ایسا زخم جان پر لگتا ہے جیسا کہ نشتر کے بوسے سے
خون نکلتا ہے۔ جیسے خنجر سنگ خارہ سے تیز ہوتا ہے ایسے ہی سخت دلی سے زبان کو حوصلہ

جنگ ہوتا ہے۔ کوئی خاموش کو گزند نہیں پہنچا تا مرد سخنگو ہی زخم کھاتے ہین۔ آدہی رات کو چوروں کی آواز ہی پر تیر لگاتے ہین تو یہ جان لے کہ جو کچھہ کہتا ہے اُس کو خدا ذرا ذرا سُنتا ہے۔ قد سمع اللہ تیری ہر بات کے لئے موجود ہے۔ ابھی تو لب کو ادب آموز ہوا اور سامع کو بھی جو لوگ تیرے سامنے عیب کریں تو اُس کو نہ سن۔ ہمیشہ نیک باتیں سُن۔ قطرہ صدف پاک میں موتی ہوتا ہے اور ناپاک میں کیڑا۔ پس اسی طرح جو خردمندوں کے کان میں بات آتی ہے اُسکو وہ چشم و ہوش سے دیکھتے ہیں۔ جیسے کہ ہاتھی کی آنکھوں کا پنکھا کان ہیں ایسے ہی بزرگوں کے واسطے بصر کی دلیل سمع ہے۔ جو عیب پوش کی بات نہیں سُنتا وہ اپنے حق میں خود عیب کوش ہے۔ آدمی کو چاہئے کیا تو نیک باتیں کہے اور اچھی باتیں سُنے نہیں تو گونگا و بہرا ہو جائے۔ اگر تیری زبان سے لوگوں کی برائی ہونے لگے تو تو اُس کو تالو سے نکال ڈال جب زبان نجاست آلود ہو جاتی ہے تو وہ آب دہن سے اور زیادہ پلید ہو جاتی ہے جیسے کہ غلاظت تر ہونے سے اور زیادہ غلیظ ہو جاتی ہے۔ آدمی اتنا ہی بولے جو پسندیدہ اور خوش ہو۔ اگر تجھکو ایسا بولنا نہیں آتا ہو تو مشک کی طرح دہن کھولنے سے کیا فائدہ ہے۔

(۱۷) وعظ اور اوسکی ضرورت۔ اُسکے فائدے اُسکے آداب

(۱) وعظ کی ضرورت

انسان کی طینت کے خزانے میں دل یا عقل کا قیمتی گوہر ایسا خدا نے امانت رکھا ہے کہ وہ اُسکا آئینہ گیتی نما ہے۔ اُسکے اعمال کے دائرہ کا مرکز ہے۔ جیسا کہ آئینہ بخارات سے مکدر ہوتا ہے اسی طرح یہ دل کا جوہر معاصی ہوا و نفسانی اور لہو و لعب کی کثرت استعمال سے زنگ آلود ہوتا ہے اور اس میں صور حقائق اور انوار حق نہیں دکھائی دیتے۔ اور آدمی اپنی صلاح حال کو فساد سے نہیں تمیز کر سکتا۔ کار دُنیا کو عظیم و بزرگ جانتا ہے اور کار عقبیٰ کو سہل و چھوٹا اب اس حالت کے دو مرتبے ہیں کہ کیا تو گناہ کا زنگ اِس آئینہ پر ایسا لگا ہو کہ اِس میں

قابلیت یہ ہو کہ توبہ و ندامت کی صیقل سے وہ اُتر جائے۔
دوم یہ کہ اُسپر ایسا زنگار لگا ہو کہ پھر آئینہ دل کا مجلا ہونا دشوار ہو۔ انسان کا دل پہلے گناہ سے لڑتا ہے۔ اور جب اُس کے غلبہ سے مغلوب ہوجاتا ہے تو پھر انسان کا باطن زیر و زبر ہوجاتا ہے۔ اب وہ چیز جو انسان کے دل سے اِس کدورت کو دور کرتی ہے وعظ و نصیحت ہے کہ ناصح مہربان سے سُنے یا کسی معتبر کتاب میں پڑھے۔ پس اِس سے معلوم ہوا کہ عامہ خلائق کو وعظ کی ضرورت ہے۔ ہر عقلمند جانتا ہے کہ اگر ایک جماعت کسی راہ پر چلتی ہو اور بعض ان میں سے راہ بھول جائیں تو باقی کو ضرور ہے کہ وہ اُن کو راہ بتائیں + ؎

اگر بینی کہ نابینا و چاہ ست ۔ و گر خاموش بنشینی گناہ ست

کوئی ہدیہ انسان کے واسطے اِس سے بہتر نہیں ہو سکتا کہ کوئی کلمہ حکمت ایسا اس سے کہے کہ اُسکو ہدایت ہو اور طریق ناشائستہ سے پھیر لائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کوئی تحفہ و ہدیہ موعظ سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔

(۲) آداب وعظ

(۱) واعظ کو اول چاہیئے کہ وہ جن باتوں کی نصیحت اوروں کی کرنی چاہتا ہے اُن پر خود عمل کرے جب سُننے والوں کے دلوں پر اُسکی گفتگو کا اثر ہوگا۔ اُس کو چاہیئے کہ اول اپنے تئیں خواب غفلت سے بیدار کرے تاکہ اور سونے والوں کو جگا سکے ؏ خفتہ را خفتہ کے کند بیدار۔ پہلے اپنے دل مردہ کو زندہ کرے تاکہ اُس کا نمک سخن دلوں پر اثر کرے۔ جو ظالم اپنے علم پر خود عمل نہیں کرتا اور عمل صالح نہیں کرتا۔ اُسکی پند و نصیحت دلوں پر ایسی اتر جاتی ہے جیسے کہ بارش سے پتھروں پر سے مٹی۔ اِس کی بات دل نشین نہیں ہوتی۔ جب تک سوز سینہ سے بات مُنہ سے نہیں نکلتی وہ دل پر اثر نہیں کرتی۔

(۲) دوم وعظ میں واعظ کو چاہیئے کہ اغراض کی لوث سے طبیعت کو پاک کرے دل کو توقعات خسیسہ سے بالکل خالی کرے اور وحی الٰہی کی تفسیر کو قصیدہ طمع کی شاہ بیت نہ بنائے۔

طول سخن کو اظہار کمال کا واسطہ نہ بنائے۔ عصا و رداسے علم افتخار نہ بلند کرے منبر کو آلۂ خود نمائی نہ بنائے۔ ریش دراز اور سبحۂ صد دانہ کو جذب قلوب کا سر رشتہ نہ کرے۔ استغنائے طمعی کا اظہار اسطرح نہ کرے کہ لوگ بے طلب دینے کی فکر کریں۔ غرض اعلان کلمۂ حق میں سوا خیر خواہی خلائق اور رضا خالق کوئی اور مدعا و مطلب رکھے اور یہ سمجھے کہ آدمیوں کی نصیحت کرنے کی اجرت سوا کرم الٰہی کے خزانہ سے کہیں اور سے نہیں ملے گی جس سے کہ اس کی باتوں کی وقعت اور تاثیر کامل دلوں پر ہو۔

(۳) سوم گفتگو میں طریقہ نرم گفتاری کو ہاتھ سے نہ دے مطلب کو بلاغت سے ادا کرے نصیحت کی تاثیر کو درشت گوئی پر منحصر رکھ کر زبان کو تلخ گفتاری سے زہر آلود نہ کرے کیونکہ سننے والوں کو اس سے نفرت ہوگی۔ اول نصیحت و پند اکثر طبائع کو ناملائم معلوم ہوتی ہیں اور جب ان کی ادا کا طریقہ ناملائم ہو تو پھر وہ کب مستمع کے دل نشین ہوگی۔ ہر واعظ و پند گو کو لازم ہے کہ سخن حق کو اسطرح دل خلائق میں پہنچائے جیسے کہ ہلکے ہلکے مینہ کا پانی درختوں کے رگ و ریشہ میں پہنچتا ہے۔ یہ نہیں سخن ناہموار کے آرہ سے لوگوں کی دل خراشی کرے جس سے سننے والوں کا شوق جاتا رہے۔ اور درشت گوئی سے سامعین کی جماعت پر کلوخ اندازی نہ کرے جس سے وہ پریشان ہو جائیں جن لوگوں کا دل پند سے تنگ نہیں ہوتا اُن کو دارو کے تلخ و سودمند دینی چاہئے بعضے خوشامد طلب ہوتے ہیں لیکن شکر سے تو تپ نہیں جاتی اگرچہ دارو کے تلخ ہر کوئی نہیں کھاتا لیکن اس کے کھانے والے بھی بہت ہوتے ہیں تپ زدوں کے واسطے حلوا اچھا نہیں ہوتا۔ اُنکے لئے دھنیئے کا کھانا خرما سے بہتر ہوتا ہے۔ ان کو تلخ اگر شہد کے ساتھ دیا جائے تو شیریں سے بہتر ہوتا ہے چرا شکر سے زیادہ فائدہ دیتا ہے پس جب نصیحت تلخ کہو تو شیرینی کے ساتھ۔

جس جوان و پیر کو پند تلخ معلوم ہوتی ہے وہ شیریں کرنے سے دل پذیر ہو جاتی ہے۔
ہڑ کو دیکھو کہ وہ شہد میں پرورده کرنے سے دارو سے خوشگوار بنجاتی ہے۔

(۴) چہارم کلموا الناس علیٰ قدرِ عقولہم۔ واعظ کو چاہئے کہ ہمیشہ مخاطب کے مرتبہ فہم کو ملحوظ رکھے اور ادائے کلام اُس کے موافق کرے۔ بازاریوں اور گنواروں کی مخاطبت میں ایسے الفاظ کو استعمال نہ کرے کہ جنکے معنی جاننے میں صحاح و قاموس کی احتیاج ہو۔ بلکہ مطلب کو ایسی واضح عبارت میں بیان کرے کہ خواص و عوام سب آسانی سے سمجھہ لیں چونکہ سُننے والوں کا حال مختلف ہوتا ہو اور ہر ایک جدا جدا مرض قلبی میں گرفتار ہوتا ہے۔ اسلئے واعظ کو چاہئے کہ ہر طرح کے سخن کی تقریب کرے اور ہر قسم کا شربت اور دوا مفید مختصر خلایق کے کام جان میں ڈالے تاکہ جو شخص مرض حب دنیا و حرص مال و طلب مرتبہ جاہ و جلال میں مبتلا ہے وہ اُنکی بیوفائی اور انقلاب وضاع کے بیان سے منتفع ہو۔ اشغال لہو و لعب و ہرزہ گوئی میں جو شخص گرفتار ہے وہ عمر و زندگانی کی بے اعتباری سے واقف ہو جائے۔ جو غرور و نخوت میں مست ہیں وہ کبر و خود بینی کی مذمت اور تواضع و فروتنی کے اوصاف کی تعریف سُن لے۔ خشم و غضب کی تپ جنکو چڑھتی ہے وہ حُسن خُلق و حلم کی مدح سے صبا و قار ہونے کا فایدہ حاصل کریں۔ جن کو سُستی و کاہلی کا فالج ہو رہا ہے وہ چُستی و چالاکی کے فائدے جان جائیں جس شخص کو اپنے مرض کا علاج کرنا منظور ہو وہ سخنان حق کی ادویہ تجربہ سے کر لے۔ خیر الکلام ما قل و دل کی رعایت کا پاس رہے کہ طول کلام سے سامعین کے دل تنگ نہ کرے۔ نہ تو ایک مطلب کی تکرار ہو۔ نہ تطویل مقال ہو۔ ہر طرح بات اتنی کہے کہ کافی ہو۔

(۱۸) وعظ سُننے والوں کے آداب

جو لوگ مجلس وعظ میں جاویں وہ یہ دل میں خوب جمالیں کہ ہماری غرض استماع مواعظ و انتفاع سخنان حق ہے۔ واعظ کی نیکی و بدی سے کوئی ہم کو سود و زیان نہیں گفتار کو کردار کے مواخذہ میں نہیں پکڑنا چاہئے۔ سخن بے عیب کو سخن گو کے عیب کے سبب سے ملامت نہیں کرنی چاہئے۔ جمال عروس کو زشتی مشاطہ سے کیا نقصان ہوتا ہے اور صدف کی بے قدری سے در شاہوار کی بہا میں کیا نقصان آتا ہے۔ واعظ کو بمنزلہ لوح یا صحیفہ کے فرض کر لیا اور اُس کی

سخندانِ دل پذیر کو سمجھیں کہ اس پر تحریر ہے جسکو ہم پڑھ رہے ہیں اُس وقت سخن کی نیکی و بدی
کو اپنی میزانِ عقل میں تولنا چاہیئے لوح کی زشتی و زیبائی سے قطع نظر چاہیے - وعظ کے
سننے میں حرکاتِ لغو قہقہہ بیہودہ باتیں کرنی - یا آپس میں گفتگو کرنی نہیں چاہیئے
کوئی حرکت ایسی نہ کرو کہ جس سے واعظ کو یہ معلوم ہو کہ تم وعظ سننے پر متوجہ نہیں ہو جس سے وہ
وعظ کہنے میں بے شوق اور دل سرد ہو جائے - اگر کوئی مشکل مسئلہ میں سوال کی ضرورت ہو تو
جب تک صبر کرو کہ واعظ موعظت سے فارغ ہو -

(۱۹) پند و وعظ میں قصہ گوئی و اشعار و شطح و طامات

پند و وعظ کا کام یہ ہے کہ نفس کے عیوب و آفات کو بیان کرے اور اُن سے بچنے کی
تدبیریں بتائے - خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا اور اُن کی شکرگزاری سے بندہ کے قاصر ہونے
کا ذکر کرے - دنیا کے عیب و صواب پر مطلع کرے جس سے لوگوں کے نفسوں میں صفائی و پاکیزگی
پیدا ہو بعض واعظ و ناصح یہ رائے رکھتے ہیں کہ یہ کام قصہ گوئی و شعر خوانی شطح و طامات سے خوب
حاصل ہو سکتا ہے - ایک بزرگ کا قول ہے کہ قصہ گو اور بھیک مانگنے والوں کی برابر کوئی
جھوٹا نہیں ہوتا بعض قصوں کا سننا مفید ہوتا بعض کا مضر اگرچہ وہ سچے ہی کیوں نہ ہوں - اکثر
قصوں میں کمی و بیشی و اختلاف کو دخل ہوتا ہے غرض جو لوگ قصہ گوئی کو پند و وعظ میں ملاتے
ہیں وہ سچ و جھوٹ کو ضرور ملاتے ہیں اور اسلئے وہ قصوں کے مفید و مضر ہونے میں اختلاط ہو جاتا ہے - بعض اوقات
سچے قصوں میں بھی بڑے بڑے اکابر کی لغزشیں ایسی بیان کی جاتی ہیں کہ عوام میں سے کوئی ان اشخاص کی نیکیوں
سے قطع نظر کرکے ان لغزشوں کو اور خطاؤں پر تمسک کرکے اپنے لغزشوں کی معذرات کی تمہید قرار
دے لیتا ہے کہ فلاں عالی مرتبت جو مجھ سے بزرگ اور افضل تھا یہ کام کیا تھا تو میں کیوں نہ کروں
بعض لوگ ایسے ہیں کہ طاعتوں کے باب میں رغبت کی حکایتیں گھڑ لینے کو صواب جانتے ہیں اور یہ
کہتے ہیں کہ ہمارا قصد ان سے خلق کو حق کی طرف بتلانے کا ہے - وہ یہ نہیں سمجھتے کہ سچ میں بہت
گنجائش ہے وہ کیا تھوڑا ہے کہ جھوٹ کی اختراع کی حاجت ہو بعض وعظ مسجع و مقفی عبا[illegible]

اور اشعار پڑھتے ہیں ور شعر بھی ایسے ہوتے ہیں کہ جن میں عشق کا وصف معشوق کی خوبصورتی۔
وصال کی راحت جدائی کا درد مذکور ہوتا ہے مجلس وعظ میں زیادہ تر عوام اور اجلاف ہی بھرے
رہتے ہیں اور ان کے باطن شہوات سے پر ہوتے ہیں اور اُن کے دل خوبصورتی کی طرف التفات
کرنے سے خالی نہیں ہوتے۔ پس یہ اشعار اُن کے دلوں میں اُس چیز کو ابھارتے ہیں جو اُن میں
چھپی ہی ہے۔ اسلئے شہوات کی آگ اُن میں بھڑک اٹھتی ہے چیختے ہیں۔ حال کرتے ہیں خلاصہ
یہ ہے کہ ایسے افسانے خرابی سے خالی نہیں ہوتے۔ اس نظر سے بجز اُن اشعار کی جن میں نصیحت
وحکمت ہو اور وہ بھی دلیل و انس لانے کے طور پر مذکور ہو اور کسی قسم کا شعر استعمال نہیں کرنا
چاہیئے۔ ایسے اشعار کا سمجھنا خواص ہی کا کام ہے عوام پہلے قسم کے اشعار کو سمجھتے ہیں قاعدہ
ہے کہ سننے والا جو کچھ سنتا ہے اُس کو اس چیز کی طرف استعمال لیتا ہے جو اُس کے دل پر غالب
ہوتی ہے شطح کو اکثر صوفی مشرب واعظ ذکر کرتے ہیں شطح وہ کلام ہے کہ جس میں عشق الٰہی
اور وصل خدا میں بڑے لمبے چوڑے ایسے دعوے ہوتے ہیں جس کے بعد اعمال ظاہری کی
ضرورت نہیں رہتی اکثر اس کے سبب سے کم فہم جاہل کلمات [illegible] کہنے لگتے ہیں۔ کوئی اُن سے
صحبت کرے تو کہتے ہیں کہ یہ علم مکاشفہ ہے جب نور حق باطن میں ہو تو یہ باتیں معلوم ہوتی ہیں۔
ایک شطح تو یہ ہے دوسری قسم کا شطح یہ ہے کہ وہ کلمات ایسے ہوں کہ ظاہر میں تو اچھے ہوں
مگر اُن کے معانی خوفناک ہوں اور کوئی فائدہ اُن سے نہ حاصل ہو۔ یہ کلمات یا تو خود کہنے والے
کی سمجھ میں نہیں آتے اپنی عقل کے خبط و خیال کی پریشانی کے سبب کہتا ہو۔ یا خود سمجھتا ہو
مگر دوسرے کو نہ سمجھا سکتا ہو اور ایسی عبارت نہیں بنا سکتا جس سے اُس کا مافی الضمیر معلوم ہو۔ اس
قسم کے کلام سے کچھ فائدہ نہیں بجز اس کے کہ دلوں کو پریشان اور عقلوں اور ذہنوں کو حیران کرے
یا اس سے وہ معنی سمجھ میں آئیں جو اُس سے مقصود نہیں اس صورت میں ہر شخص اس کو اپنی خواہش
اور طبیعت کے موافق سمجھے گا۔ بھلا یہ امر عقل کے نزدیک کب جائز ہے۔ کہ آدمی وہ باتیں کرے کہ جن کو
خود تو سمجھتا ہو مگر سننے والے کی عقل اُس کو نہ پہنچتی ہو۔ کیونکہ جو شخص حکمت نا اہلوں میں بیان کرے

وہ جاہل ہے اور جو حکمت کے اہل سے اُس کو روکے وہ ظالم ہے۔ طامات میں وہ امور داخل
ہیں جو شطح میں بیان ہوئے مگر ایک اور بات اس میں یہ زائد ہوتی ہے کہ ظاہری الفاظ سے جو
معنی نکلتے تھے وہ نہ لیں اور اُنسے امور باطنی کے معنی نکالیں کہ جن میں اُس کا فائدہ نہ ہوتا ہو
اس سے بڑا نقصان ہوتا ہے کہ ناحق کی تاویلیں کرکے الفاظ کے ظاہری معنی بغیر ضرورت
عقلی کے چھوڑ دیں اور ایک باطنی معانی لگائیں جس سے الفاظ پر اعتماد جاتا رہے جس سے
کلام الٰہی کا نفع ساقط ہوجائے کیونکہ جو لفظوں سے سمجھا جاتا ہے اُسپر تو اعتماد نہ رہا اور باطن
سب کا ایک ہوتا نہیں اس لیئے مختلف طور پر الفاظ کو ڈھال سکتے ہیں اسی سبب سے بدعتیں
پیدا ہوتی ہیں اور لوگوں کو خراب کرتی ہیں۔

(۲۰) قرآن

ہر سورت اس کی دلبر و جان فزا صورت۔ ہر حرف اُس کا مغز و نغز دل مجروح کی شفا۔ درد دل سوز کی دوا
دل و جان کی راحت۔ اصل ایمان۔ رکن تقویٰ۔ گنج معانی۔ حکما کی حکمت کا قانون۔ علما کی عبادت کا
معیار۔ کیسا جلیل ہے کہ اسکا سخن واضح و دائق جسکی محبت لائح و لائق جس کی برہان میں کمال
جلالت و سطوت۔ درجان کے واسطے اُس کے حروف درج جرح دین کے واسطے اُس کی آیت
برج۔ جان کے لیئے جنت الاعلیٰ۔ عارفوں کے لیئے روضہ انس اُس کے حرفوں زبان پر ذوق۔ طریقہ
اسلام کی شمع عقیدہ عام کی خازن۔ عاقلوں کی جان کی حلاوت۔ اور غافلوں کی زبان کی تلاوت
چشم جسم اُس کے حروف کو دیکھتی ہے اور کانوں سے اُس کی لغت جسم کو پہنچاتی ہے۔ چشم جان اُس کے
معنی کو دیکھتی ہے اور ہوش سے روح کو اُس کی نعمت کھلاتی ہے۔ نامحرموں کے واسطے اُس کے
جمال پر پردہ ہائے جلال رشک کے لگے ہوئے ہیں۔ پردہ اور پردہ دار کب بادشاہ سے آگاہ ہوتا
وہی بادشاہ کو جانتا ہے جو بصیر رکھتا ہے۔ پردہ کیا خبر رکھتا ہے جس کو وہ اہل دیکھتا ہے۔ اپنے اندر
سے نقاب اُٹھا کے اُسے اپنا جمال دکھا دیتا ہے جس تو صورت نظر ہی دیکھ سکتی ہے مغز جانتا ہے
کہ مغز کے اندر کیا ہے جس اُسکی صورت کی صورت پڑھتی ہے۔ مگر اُسکی سیرت کی صفت کو نہیں جانتی

قرآن خواں کے روبرو قرآن ایک مہماں سرا عدن ہوتا ہے حرفوں کا نقاب اُس پہ پڑا ہوتا ہے
نامحرموں سے یوں پردہ میں رہتا ہے۔ جو خفتہ ہیں وہ اُس کی صورت کو دیکھتے ہیں۔ جیسے روح سے
بے خبر رہتے ہیں۔ جو بیدار ہیں وہ روح کو دیکھتے ہیں۔ قرآن کے حرف بیدار دیدۂ جان سے قرآن
کے اسرار کو دیکھ سکتے ہیں دنیا ایک تابستان ہے خلق اُس میں سرمستوں کی طرح پھرتی ہے سب
بیابان غفلت میں پڑے ہیں مرگ شتاباں ہے خلق رمنہ ہے جنگل میں ریگ گرم پانی کی طرح رواں ہے۔ ا
قرآن قرأت کا آب سرد ہے۔ وہ عاصیوں کو پانی پلاتا ہے۔ حروف قرآن کو ظرف اور آب
خیال کرو۔ تم پانی پیو برتن کو نہ دیکھو۔ پاک دل ہی قرآن کے اسرار پاک کو جان سکتے ہیں جیسے
تمھاری جان پر لباس ہے ایسے ہی معنی قرآن پر حروف قرآن ہیں۔ اس کے حرف زبان سے
پڑھے جاتے ہیں۔ اس کے معنی جو جان قرآن ہیں جان سے پڑھے جاتے ہیں۔ حرف صدف
قرآن دُر ہے۔ جو حریص ہیں وہ صدف کی طرف دل نہیں لگاتے۔ زبان سے اُس کے حرف پڑھو
دل سے معنی سمجھو۔ آنکھ سے بیدار دیکھو دل سے طلب کرو۔ جب حرفوں کے پردے اٹھاؤ گے تو
سر قرآن پاؤ گے۔ پوست کو اتارو گے تو مغز دیکھو گے۔ دُر اس سبب ہاتھ نہیں لگتا کہ صدف
کے گرد پھرتے ہیں کف کو کف میں لاتے ہیں کفوں اور تیرہ صدفوں کو چھوڑو۔ دُر صافی قعر
بحر میں سے نکالو۔ گوہر بے صدف دل ہے۔ صدف بے گوہر گل ہے۔ دُر کی قیمت صدف سے
نہیں ہوتی۔ تیر کی قیمت ہدف سے ہوتی ہے۔ جو شخص دریا کے کنارہ پر بیٹھا ہے اُس کے ہاتھ
لو لو لالا کب آتا ہے۔ قرآن کی سطر تو شط رایگان ہے۔ اس سے دل و جان کو راحت ہوتی ہے
اُس کے قعر میں دُر و گوہر ہیں اُس کے ساحل پر عود و عنبر ہیں۔ ظاہر و باطن دونوں کے لئے نعمتیں
موجود ہیں پاک ہو تو تجھ کو حروف سے معانی تمھارے لئے باہر آئیں گے۔ جب تک تم دنیا کی
ناپاک آلائشوں سے دل پاک نہ کرو گے حروف قرآن سے معانی تمھارے پاس نہیں آئیں گے
حروف قرآن سے دل بہتر نہیں ہوتا۔ بکری بھی گھاس کے کھانے سے فربہ نہیں ہوتی۔ پیاسا آدمی آب
میں آب دیکھنے سے سیر نہیں ہوتا جب تک آدمی قلم و سیاہی کو دیکھتا ہے وہ چہرہ [illegible]

تمیز نہیں کرتا۔ رنگ و بوے سخن کبھی جان سخن نہیں ہو سکتا۔ اس میں نکتے سخت باریک ہیں
ان کو دل و جان سے پڑھ تاکہ دُرِ و گوہر یقین اور کیمیاے دین حاصل ہو۔ سر ربانی اور امر حقانی
پر تجھے علم ہو۔ وہ نقاب سیاہ سے رخسار روے مہر و ماہ کی طرح تجھے دکھلائیں۔ تو کبھی قرآن کو
سرود بناتا ہے۔ کبھی اس کو سلاح جدل بناتا ہے اسکے واسطے اپنے قیاس سے تاویل کرتا
ہے۔ کبھی اس کے حکم کی تحویل کبھی اپنے لئے اس کی تفسیر کرتا ہے۔ اپنے علم کے موافق تقریر
کرتا ہے سیپاروں کے صندوق کے گرد لوگوں کی سرزنش کے لئے تو پھرتا ہے کبھی رزق کے لئے جاہل
اور کاہل کو کہتا ہے کہ میں تجھے قرآن کا تعویذ لکھ دیتا ہوں۔ تو اس کو پلید نہ چھو پاک ہو کے چھو۔ اس کے
واسطے کچھ میرے لئے ہدیہ لا مرغ سیاہ کا خون چاہیے۔ یہ سب حیلے ایک دو درم کے واسطے
کئے جاتے ہیں کہ جس سے شکم صبح یا شام کو طعام سے پر ہو۔ تجھے اس کام سے شرم آئے یا
عقل یا اجل تیرے پاس آئے۔ کشف رموز فریاد کے ساتھ پڑھتے ہو لیکن اس کے ایک حرف کے
صدق کی داد نہیں دیتے ہو۔ عقل و جان کو اس کے حوالہ نہیں کرتے۔ کبھی اسے ہوا و حرص کی
تیغ سے خستہ کرتے ہو۔ کبھی ہواے نفسانی کے دام میں پھنساتے ہو۔ کبھی گھر میں بصد ناز
کبھی بازار میں بہر نماز۔ قوال کی طرح اسے گاتے ہو۔ اور اس کو اپنا اعجاز جانتے ہو۔ مگر قرآن
کی لذت اور حلاوت زبان سے فقط نہیں حاصل ہو سکتی جب تک اُس کے ساتھ دل و جان
نہ شریک ہوں۔ وہ تجھکو تمام جہان کا اندر اور باہر اور خشک و تر بتلاتا ہے۔ جو حکم تجھکو خدا ہے
وہ تجھے اس سے معلوم ہوتے ہیں۔ تمام صفات خدا وہ تجھے سنواتا ہے۔ صدق کی اقتضا اگر تو
کرتا ہے۔ جس وقت مستمع اسکی کلام کو سنتا ہے تو سارے بال بدن پر کھڑے ہوتے ہیں۔ اگر اسکی
سورۂ اخلاص پڑھنے کے واسطے دیدۂ اخلاص چاہیے۔ قول باری باری سے حسن صنعت
قاری کو اس کا حجاب نہ بنا۔ تو اسکے حرفوں کو نہیں بلکہ معنی کو دل سے طلب کر۔ راہ دین کوئی
صنعت و عبارت اور نحو و تصریف و استعارات کا نام نہیں ہے۔ تو اس کے احکام پر خیال کر تا تمام
نازنین جو مرد دانا جان اس کا سماع کرتا ہے حرف صنعت کو وداع کرتا ہے۔ جان اپنا حظ اس سے

اٹھاتی ہے۔ اپنے سب کام نکالتی ہے۔ جو مجلسوں میں اس کی بانگ لگاتے ہیں وہ دو دانگ کے لئے
وہ ایک آئینہ روشن سامنے رکھا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ رعنائی جسم انسان کی طبیعت ہے وہ اس آئینہ
کی پردہ بنتی ہے۔ روغن میں نور صفائی ہے مگر جب اس میں پانی مل جاتا ہے تو اس تم بیگانہ سے
چراغ میں چاب چاب کی بانگ نکلتی ہے۔ پس ایسے ہی جن صاف دلوں میں کدورت ہوتی ہے
وہی اس میں پچ پچ کرتے ہیں۔ ورنہ اس کا کاغذ جو حرفوں سے سیاہ ہے۔ دل تیرہ کو ماہ بناتا ہے

(۲۱) آداب مناظرہ

کسی امر میں اس نظر سے مباحثہ کرنا کہ امر حق کھل جائے مناظرہ کہلاتا ہے۔ امر حق کا مطلوب ہونا
اور اس پر فکر کرنے میں ایک شخص کا دوسرے کی تائید کرنا اور بہت سی رایوں کا متفق ہونا نہایت
مفید ہوتا ہے۔ اس طور کے مناظرہ سے بہت فائدے ہوتے۔ جس کے آداب یہ ہیں
اول۔ مناظرہ کرنے والوں کا امر حق میں ایسا حال ہو جیسے کوئی کھوئی چیز کو ڈھونڈتا ہے۔
کہ اس بات کی تمیز نہ کرے کہ وہ میرے ہاتھ سے ملے یا دوسرے کے ہاتھ سے بحث کرنے
میں طرف ثانی کو اپنا مددگار جانے مقابل و خصم نہ سمجھے اگر وہ اس کی غلطی پر آگاہ کردے یا
حق بات بتادے تو اس کا شکرگزار اور ممنون ہووے جس طرح کہ گم شدہ چیز کی تلاش میں اگر
ایک رستہ چلتا ہو اور دوسرا شخص اس کو وہ چیز دوسری سڑک پر بتادے تو یہ شخص دوسرے
شخص کا شکریہ ادا کرتا ہے اس کی وہ برائی نہیں کرتا۔ اس سے خوش ہوتا ہے اس کو برا نہیں جانتا
دوم خلوت اور تنہائی میں مناظرہ کرنا اچھا ہوتا ہے بہ نسبت محفلوں اور امرا و حکام کے
روبرو ہونے کے اس لئے خلوت میں ہمت مجتمع اور ذہن و فکر صاف رہتے ہیں اور حق کو
چاہتے ہیں اور لوگوں کے سامنے نمود کے لوازم اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ہر کسی کو [illegible] سے
یہی حرص ہوتی ہے کہ میں ہی [illegible] رہوں اس کی پروا نہیں ہوتی کہ حق پر ہوں یا باطل پر۔ اکثر
مناظرہ کرنے والے محفلوں و مجمعوں میں بحث کرنے پر زیادہ حریص ہوتے ہیں اور وہ تنہائی
میں تقریر نہیں کرتے مگر کوئی رئیس ہو یا مجمع ہو تو پھر کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھتا تا گفتگو

میں بڑا اسفر معلوم ہو۔

تیسرا حق کے لئے تعصب میں مبالغہ نہ کرے اور مخالفین کو بچشم حقارت نہ دیکھے جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ مخالفین بھی مکافات اور مقابلہ پر آمادہ ہوتے ہیں اور باطل کی مدد زیادہ کرتے ہیں اور جس چیز کا الزام ان پر لگایا جاتا ہے اُس کو خوب مضبوطی سے تمسک کرتے ہیں اگر یہ حضرات اعلی براہ مہر و محبت اور خیر خواہی کے اُن کو خلوت میں نصیحت کر دیتے اور تعصب اور حقارت کے موقع سے قطع نظر کرتے تو غالباً کامیاب ہوتے۔

چوتھا جو امور پہلے مناظروں میں طے ہو چکے ہیں اُن میں مناظرہ کرنا عبث ہے۔ بلکہ جو نئی باتیں پیش آئیں اُن میں مباحثہ کرنا چاہیئے اور امر حق میں کلام مختصر کر کے جلد مطلوب پر پہونچ جانا چاہیئے یہ نہیں کہ تقریر کو طول دیا جائے۔

پانچواں۔ مناظرہ کا شریک اگر ایک دلیل دوسری کی طرف آئے یا ایک اعتراض سے دوسرے پر بدلنا چاہے تو اُس کو روکنا نہیں چاہیئے۔ مثلاً اس کہنے سے کیا حاصل کہ اس بات کا ذکر مجھ پر لازم نہیں اور یہ امر تمہاری پہلی تقریر کے خلاف ہے اس لئے نہیں مانا جائے گا۔ ایک کو دوسرے کی بات کاٹنی نہیں چاہیئے۔ لڑائی جھگڑا نہیں کرنا چاہیئے۔ سوال جوابوں میں شور و غل نہ مچانا چاہیئے۔ آپس میں سوا مقابل شخص کے عاجز کرنے کی کوئی بات پیش نظر نہیں ہونی مناظرہ میں امر حق کی طرف رجوع کرنی چاہیئے اور باطل کے برخلاف ہو کر امر حق کو قبول کرنا چاہیئے۔

چھٹا۔ مناظرہ میں ان باتوں کو آفت جانے کہ وہ اس غرض کے لئے ہو کہ اپنا غالب ہونا اور دوسرے کا ساکت کرنا۔ اپنے فضل و شرف کا اظہار اور لوگوں میں اپنی فصاحت اور خوش تقریری اور فخر کو دکھلانا لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنا اس سے منظور ہو۔ ایسی صورت میں جتنی عادتیں مذموم ہیں ان سب کا منبع مناظرہ بن جاتا ہے۔ جیسے آدمی شراب پی کر نشہ میں ساری برائیوں کو کرنے لگتا ہے ایسے ہی جس شخص کو دوسرے کے ساکت کرنے اور اپنے

غلبہ اور فخر کی طلب غالب ہوتی ہی۔ سارے خباثت کے کاموں کے کرنے سے پرہیز نہیں کرتا ہے
ساری مخفی خباثتوں کا ہیجان اس کے دل میں ہو جاتا ہی۔ ایسے مناظرے میں جو بدعادتیں پیدا ہوتی
ہیں اُن میں اول حسد ہی جس کی نسبت حدیث ہی کہ حسد نیکیوں کو ایسا کھاتی ہی جیسے آگ لکڑی کو جلا
جاتی ہی ایسا مناظرہ کرنے والا حسد سے خالی نہیں ہوتا اسلیے کہ وہ کبھی غالب ہوتا ہی اور کبھی مغلوب
اور بعض وقات اسکے کلام کی تعریف ہوتی ہی اور بعض اوقات غیر کے کلام کی توجیہ ہوتی ہی۔ دنیا
میں ایک بھی ایسا شخص ہوگا جو قوت علمی اور مناظرے میں معروف ہو۔ یا مناظرہ کرنے والے کے
گمان میں مناظرہ اور کلام میں اسے بہتر اور قوی ہو تو بالضرور اُس کے حسد کریگا اور اُس کی
اس نعمت خداداد کا زوال چاہے گا۔ اور یہ پسند کریگا کہ لوگوں کے دل اس سے پھر کر میری طرف
ہو جاویں حسد ایک جلتی آگ ہی جو اُس میں مبتلا ہوتا ہی وہ دنیا میں عذاب الیم میں رہتا ہے۔ ایسے
مناظرہ کرنے والے کو یہ سمجھو کہ وہ ریوڑوں کے بکرے ہیں جو آپس میں لڑتے ہیں۔ یہ مناظرہ
کرنے والے اپنے اقران اور ہمسروں پر تکبر کرتے ہیں اور بڑائی ڈھونڈتے اور اپنی لیاقت سے
بڑھ کر جگہہ پانے کے خیال سے خالی نہیں رہتے جب ان کو مقام صدر میں جگہہ نہ ملے تو
وہ اسپر بحث و تکرار کو موجود ہو جاتے ہیں اور جو ان میں مکار فریبی ہوتے ہیں وہ اس بات
کے لئے یہ بہانہ بناتے ہیں کہ ہم کو علم کی عزت کی حفاظت منظور ہی پس اس بہانہ سے وہ تواضع
کی صفت کو ذلت بنا دیتا ہی۔ کینہ بھی اُس کے دل میں ہوتا ہی جو اُس کی تحریر و تقریر کو ناپسند
کرتا ہو تو اس کی کم توجہی کے سبب سے اُس کی طرف کینہ بھر کر سینہ میں جم جاتا ہے۔ پھر غیبت
بھی کرنے لگتا ہے۔ اپنی طرف مقابل کے کلام کی نقل کرکے اُس کی برائی کیا کرتا ہی۔ اُس
سچے بیانوں کو الٹ پھیر کرکے جھوٹ بنا دیتا ہی۔ بہتان لگاتا ہے۔ غرض جو شخص اُس کی طرف
مقابل کے کلام سنے اور اُس کی طرف متوجہ ہو تو یہ اُس کی ہتک کے درپے ہوتا ہے۔ اُسکو
جاہل۔ احمق۔ کم فہم کہتا ہی اور سب سے بڑا عیب جو اپنے نفس کی تعریف کرنے کا ہے وہ پیدا
ہوتا ہے۔ ایسا مناظرہ کرنے والا اپنے نفس کی تعریف کے جوش میں بھرتا ہی کہ مناظرہ میں کہہ بیٹھتا ہے

اس علم میں طاق ہوں۔ اس کے اسرار مجھ سے مخفی نہیں جن باتوں کو تم نہیں جانتے وہ میرے
ناخنوں میں بھری پڑی ہیں غرض ایسی باتیں کبھی شیخی کے طور پر اور کبھی اپنے کلام کے
رواج دینے کی ضرورت سے کہا کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ شیخی ولاف زنی عقلاً و شرعاً ممنوع
ہے۔ اپنے ہمسروں کی لغزشیں اور طرف مقابل کے عیب ڈھونڈتا رہتا ہے۔ برسر مجالس ان کا
اعلان کرتا ہے۔ اگر کوئی طرف مقابل کی صورت میں عیب ہوتا ہے تو ظاہر کرتا ہے۔ اگر
پھکڑ باز ہے تو کھلا کھلی اور علانیہ اس کے عیب جتانے سے باز نہیں رہتا۔ وہ اپنے
ہمسروں اور فضل کے شریکوں سے ایسی عداوت رکھتا ہے جیسے دو سوکنوں میں ہوتی
ہے۔ جیسے ایک سوکن دوسری کو دیکھ کر کانپ اٹھتی ہے اور زرد پڑ جاتی ہے اسی
طرح مناظرہ کرنے والا جب دوسرے کو دیکھتا ہے اس کا رنگ بدل جاتا ہے اور فکر میں پریشان
آجاتی ہے گویا بھوت سامنے آگیا یا کوئی درندہ مقابل ہو گیا۔ غرض ان قوموں میں وہ
محبت قلبی کہاں جو اپنے ہمسر علماؤں میں ہونی چاہیئے کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں اور
رنج و راحت میں شریک ہوں۔ اہل فضل و عقل میں علم ایک قرابت قریبہ ہوتی ہے وہ
ان میں نہیں ہوتی بلکہ علم ان کا عداوت قلبی کا سبب ہوتا ہے۔ بعض مناظرہ کرنے والے
منافقانہ طرف ثانی یا ان کے دوستوں اور پیرؤوں سے ملتے ہیں۔ ناچار زبان سے
ان کی دوستی کا اظہار کرتے ہیں اور شوق جتاتے ہیں اور ان کے رتبے کے قائل ہوتے
ہیں حالانکہ کہنے والا اور مخاطب اور جو کوئی غیر ان کی باتیں سنتا ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ
سب جھوٹ اور مکر اور نفاق اور بدکاری ہے کہ ظاہر میں زبان سے دوست ہیں اور دل
سے دشمن۔ سب سے بری بات اس کو یہ معلوم ہوتی ہے کہ طرف ثانی کی زبان سے امر حق ظاہر
ہو اور جب ایسا ہوتا ہے تو جتنا اس سے ہو سکتا ہے اس کی دفع کے لئے کب باور
مکر و فریب و حیلہ کرتا ہے پھر امر حق میں جھگڑا کرنا اس کی جبلی عادت ہو جاتی ہے جس وقت
کوئی کلام اس کے کان میں پڑتا ہے اس وقت سے طبیعت کو اعتراض کرنے پر متوجہ کرتا ہے

بعض دفعہ تو سب برائیوں کا مجموعہ اس مناظرہ میں ظہور میں آتا ہے کہ ہشت مشت۔ دھول دھپے۔ لات مکے۔ کپڑے پھاڑنے۔ ڈاڑھی پکڑنے۔ ماں باپ استادوں کو برا کہنے اور مغلظہ گالیاں دینے کی نوبت پہونچتی ہے۔ اس طرح کے لوگ زمرہ انسانیت سے خارج ہیں جو لوگ عاقل اور بزرگ ہیں اُن میں یہ عیب نہیں ہوتے۔ علاوہ ان بدعادتوں کے جو اصل ہوتی ہیں اُن کی یہ فروع اور نکلتی ہیں کہ ناک بھوں چڑھانی۔ گردن کی رگیں پھلانی۔ منہ سے جھاگ اُڑنے غصے ہونا۔ دشمنی وطمع جاہ و مال کی طلب کی محبت۔ اپنے غلبہ اور مباہات سے خوش ہونا۔ اترانا۔ تونگروں اور حکام کی تعظیم۔ اُن کے پاس آنا جانا۔ ظاہری آرایش کا ساز و سامان بہم پہنچانا۔ اور فخر و تکبر سے لوگوں کو حقیر جاننا۔ بیفائدہ امور میں خوض کرنا۔ کلام بہت کرنا۔ عبارت مقفیٰ و مسجع بولنا۔ نادر باتوں کا یاد کرنا۔ غرض وہ باتیں کرنی جو امر حق کے لئے کچھ بکار آمد نہ ہو فقط ان کی نمود کی تائید کریں +

(۲) جو اہل دین و یقین ہیں وہ مناظرات و مباحثات علمی میں تحقیق حق اور حل مشکلات کے سوا کسی اور بات کو منظور نہیں رکھتے۔ تاکہ اس سے ان کو ثواب و فضیلت حاصل ہو۔ اور یہ بات بغیر اس صورت کے نہیں حاصل ہوسکتی کہ یارانہ کے طور پر آپس میں بیٹھیں دوستانہ آپس میں ایک دوسرے کی گلستان دانش سے افادات کے پھول چنیں شور و شر کو اپنی مجلس سے دور کریں۔ سینہ صاف ہوکر آپس میں اتفاق کریں۔ خاطر پاک کو طرفین شگفتگی اور خوش مزاجی سے خوش کریں۔ تحقیق کی بادہ بے درد کو شیشۂ اندیشہ سے حسن بیان کے قدح میں ڈال کر ہوشمند ان پئیں۔ جن سوالات سے غرض ہو اُن کے جواب دیں اور جو اعتراض فتنہ انگیز ہوں اُن کو برطرف کریں۔ دونو ملکر رشتہ فکر کا فتیلہ بنائیں توفیق کے روغن سے اور نور بصیرت کے شعلہ سے چراغ پُرضیاء اس ظلمت میں روشن کریں جس میں وہ گم ہو رہے ہیں۔ مگر یہ کام آزاد دلوں کا ہے کہ اپنی خودی اور انانیت سے ہاتھ اُٹھائیں دین کے پانے کے واسطے چراغ یقین روشن کریں متاع نجات کے خریدنے کے لئے سرمایۂ دانش جمع کریں اپنے تئیں

سوختہ بناکر سخن حق کی جو آتش بطلان سوز ہے اُس تک ہو پہنچیں ایسے آدمی بہت کم یاب ہیں جن میں یہ صفت خدا پسند پائی جائے۔ اکثر آدمی ایسے ہیں کہ کتب علم سے علم مباہات بلند کرنا اور کوس فضیلت بجانا ان کا مقصد اعظم ہوتا ہے علم و فضل کی تحصیل سے یہ منظور ہوتا ہے کہ شہروں میں شہرہ ہو اور زمانہ میں یکتا و یگانہ مشہور ہوں۔ ایسے تو مبتدی اپنے تئیں منتہی سمجھتے ہیں۔ اوروں کو اپنے آگے ہیچ جانتے ہیں۔ سوا خودبینی کے اُن کی آنکھیں کچھ اور دیکھتے نہیں۔ تیغ زبان ان کے سوا اپنے ہمچشموں پر غلبہ حاصل کرنے کے اور کچھ نہیں کرتی۔ جب کوئی ان کے قول کو رد کرتا ہے تو اپنی جگہ سے اُچھل پڑتے ہیں۔ پہلے دونوں میں کچھ باتیں ہوتی ہیں۔ پھر دونوں آپس میں جٹ جاتے ہیں۔ امر متنازعہ فیہ کو چھوڑ کر نرم نرم باتوں سے درشت کلامی ہوتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ مجلس علم جو تھی پیکار کارزار کا میدان ہو جاتا ہے اور طعن و تشنیع کے تیر چلنے لگتے ہیں اور لعنت ملامت کے نیزے ایک دوسرے کو خاک ذلت پر گراتے ہیں کبھی تلواروں سے چہرے بھی سرخ ہو جاتے ہیں۔ تعصب و حماقت کیش طرفین کی طرفداری کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دست یازی و زبان درازی اُن میں ہونے لگتی ہے۔ خاص و عام دور سے اُن کا تماشا دیکھتے ہیں۔ اُن کے اطوار ناہنجار پر تعجب کرتے ہیں اور ہنستے ہیں۔ پس جہاں یہ نفسانیت کا تلاطم ہو وہاں گوہر حق کب مل سکتا ہے

در بحث علم تندخوئی چہ کنی + جنگ و جدل و درشت گوئی چہ کنی
این مجلس درس است نہ میدانِ قتال + این حق جوئی است جنگ جوئی چہ کنی

(۱) راگ و رقص و سماع و وجد

بہ از روے زیبا است آواز خوش + کہ این حظ نفس است آن قوت روح

انسان کے پانچ حواس ہیں اور ایک عقل ہے۔ ہر حاسہ کا ایک ادراک ہے اور جو چیزیں ان سے مدرک ہوتی ہیں انہیں سے بعض تو اُس کو اچھی معلوم ہوتی ہیں بعض بری۔ مثلاً قوت باصرہ

حاسہ کو سبزہ اور آب رواں اور خوبصورت صورتوں اور رنگوں کے دیکھنے سے لذت حاصل
ہوتی ہے۔ بری صورتوں اور رنگوں کے دیکھنے سے نفرت۔ قوت شامہ کے حاسہ کو خوشبوؤں
سے لذت اور بدبوؤں سے نفرت ہوتی ہے قوت ذائقہ کو لذیذ روغنی۔ شیریں کھٹی
چٹپٹی چیزیں اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ تلخ۔ بدمزہ۔ کسیلی۔ میٹھی بری معلوم ہوتی ہیں۔
حاسۂ لمس کو نرمی چکناہٹ ہمواری اچھی لگتی ہے۔ ناہمواری درشتی بری معلوم ہوتی
ہیں عقل کو علم و معرفت سے لذت ہے اور جہالت و بلادت سے نفرت پس یہی حال حاسہ
سمع کا ہے کہ بعض آوازیں اس کو لذیذ معلوم ہوتی ہیں جیسے بلبلوں کے چہچہے۔ عمدہ
باجوں کی آوازیں۔ بعض آواز کریہہ معلوم ہوتی ہیں جیسے گدھے کی آواز۔ اب خوش
آوازی کے ساتھ موزونی بھی ہو۔ اس موزونی آواز کے تین مخارج ہیں ایک یہ وہ
جماد سے نکلیں جیسے تاروں کی آواز۔ بانسری کی آوازیں۔ آلات کی گتیں ڈھولکی
کی آواز۔ دوسرے وہ کہ انسان کے گلے سے نکلیں تیسرے وہ کہ حیوان کے گلے سے
نکلیں جیسے بلبل جو سبزہ و گل پر نغمہ سرائی کرتے ہیں۔ اور قمری سرو ہی پر زمزمہ سازی
فاختہ چنبر گلے میں ڈالے ہوئے نواسنجی کرتی ہے۔ اور ایسی ہی خوش الحان
و نغمہ خوان جانوروں کی آوازیں کہ اچھی بھی ہوتی ہیں اور موزوں بھی ان کا آغاز
و انجام متناسب ہوتا ہے اور اسی سبب سے انکا سننا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ آوازوں
میں اصلی حیوانات کے گلے ہیں کہ مزامیر کو انھیں کے مشابہ بنا لیا ہے تاکہ خلقت
کے مطابق صنعت ہو جائے۔ جتنی چیزیں کہ کاریگروں نے ایجاد کی ہیں کوئی ایسی نہیں
جسکی مثال خدا تعالیٰ کی مخلوق میں نہ ہو۔ اول مبدا فیاض نے اس کو اختراع
فرمایا۔ پھر اس سے کاریگروں نے سیکھ کر خالق کا اقتدا کیا۔

اس آواز موزوں کا نام راگ ہے جسکو غذاء روح کہتے ہیں۔ جیسے لوہے اور پتھر
میں آگ مخفی رہتی ہے یا جیسے کہ پانی کے نیچے زمین چھپی رہتی ہے اسی طرح دلوں کے

اور باطن کے جواہر اور اسرار ان میں پوشیدہ ہیں اور اُن کے اظہار کی تدبیر راگ سے بہتر کوئی نہیں دلوں کی طرف راستہ بجز کان کے معدوم ہے۔ لذیذ و موزوں نغمات کوئی چیز دل میں نہیں پیدا کرتے بلکہ جو دل میں پہلے سے بھرا ہوتا ہے اُس کو ابھارتے ہیں۔ دل کا حال برتن کا سا ہے جب چھلکاؤ گے تو وہی نکلے گا جو اُس میں بھرا ہے۔ اس طرح راگ بھی دلوں کے حق میں سچی کسوٹی ہے جب اس سے دلوں کو حرکت ہوگی تو اُن سے وہی باتیں ظاہر ہونگی جو اُنپر غالب ہیں۔ خدا تعالیٰ نے موزوں نغموں اور روحوں کے درمیان مناسبت رکھی ہے۔ وہ ارواح میں عجیب تاثیر کرتی ہیں بعض نغمات سے سرور ہوتا ہے بعض سے غم کسی سے نیند آتی ہے کسی سے ہنسی کسی میں یہ اثر ہے کہ اپنی موزونیت سے حرکتیں ہاتھ اور پاؤں اور سر وغیرہ میں پیدا کر دیتا ہے۔ یہ بات اُسپر موقوف نہیں کہ جو چیز گائی جائے وہ سمجھ میں آجائے بچوں کو دیکھو لوکہ خوش آوازی سے لوری سنکر رونا چھوڑ دیتے ہیں اور چپکے سے سو رہتے ہیں۔ اونٹ باوجود غبی ہونے کے حدی سے ایسا اثر پاتا ہے کہ بھاری بھاری بوجھ اُس کے سبب سے ہلکے ہو جاتے ہیں اور شدت نشاط میں بڑی مسافت کو تھوڑا سمجھتا ہے۔ اور حدی کا نشہ اُسکو ایسا مست کرتا ہے کہ جب بیابانوں میں جب بوجھ اور محمل سے تھکتا ہے تو جہاں آواز حدی کی سُنتا ہے اُسکی طرف گردن بڑھاتا ہے اور اُسکی طرف کان لگاتا ہے اور جلد چلتا ہے۔ اُس سے معلوم ہوا کہ راگ کی تاثیر دلوں میں محسوس ہوتی ہے۔ اور جس شخص کے دل کو اس راگ سے حرکت نہ ہو وہ ناقص ہے اور اعتدال سے ہٹا ہوا ہے۔ اور روحانیت سے دور اور اونٹوں اور پرندوں و بہائم سے کثیف تر ہے اسلئے کہ موزوں نغموں سے سب کو اثر ہوتا ہے شیخ سعدی یہ فرماتے ہیں

شعر — اشتر بشعر عرب در حالت است و طرب ۔ گر ذوق نیست ترا کژ طبع جانورے

غرض کلمات مقفی اور موزوں کا گانا پانچ موقعوں پر خاص غرضوں کے لئے دستور ہو گیا ہے جنسے دل پر اثر ہوا کرتا ہے اول عبادت میں جیسا کہ مندروں اور گرجاؤں میں

دیکھتے ہو اکثر بھجن اور ایسے مضامین گائے جاتے ہیں کہ جس سے خدا کی محبت کا شوق
دل میں زیادہ ہوتا ہے۔ باجوں کی آواز دل پر اون الفاظ کی تاثیر کو اور زیادہ کر دیتی
ہے۔ غرض یہ راگ ہی بعض آدمیوں کو شوقِ عبادت دلاتا ہے اور مندروں اور گرجاؤں
میں لے جاتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو پھر وہ لوگ بھی نہ جائیں۔ دوم میدان جنگ میں سپاہیوں
کو شجاعت پر آمادہ کرتا ہے۔ دلیری پر اقدام۔ خوش آوازی دل میں جوش جوانی بھی
پیدا کرتی اور لڑنے میں سرور پیدا کرتی ہے۔ سوم غم کرنے کے لئے نوحہ کی آواز جیسے
محرم میں مرثئے سنتے ہو کہ مرثیہ خوانوں کی خوش آوازی اور مرثیوں کے مضامین کی
غم انگیزی کیسا مجالس عزا میں آدمیوں کو رلاتے اور تڑپاتے ہیں۔ چہارم خوشی کے
اوقات میں سرور کی تاکید کے لئے جیسے تم شادی بیاہوں میں دیکھتے ہو کہ ناچ گانے سے
بہت سرور و نشاط زیادہ ہو جاتا ہے۔ یاران جلسہ جب جمع ہوتے ہیں اور اس میں گانا
ہوتا ہے تو دل کو بہت سرور ہوتا ہے اور صحبت کا لطف زیادہ ہو جاتا ہے۔ پنجم عُرسوں
اور صوفیوں کی مجلسوں میں جس سے عاشقان الٰہی کا شوق دوبالا ہوتا ہے اور اُن کا
نفس تسکین پاتا ہے اُن کے عشق و طبیعت کو پختہ کرتا ہے اور اُن کے دل پر کام حقائق
کا کرتا ہے کہ اُن کی آتش شوق مشتعل ہوتی ہے۔ اور اس سے ایک حالت اُن کے دل
میں پیدا ہوتی ہے جس سے وہ بے خود ہو کر وجد کرنے لگتے ہیں۔ غرض روحیں نغمات
کی مسخر ہیں اور اُن کے اثر سے شوق۔ خوشی۔ غم۔ انبساط۔ انقباض کی کیفیتیں دلوں
میں پیدا ہوتی ہیں راگ میں فی نفسہ کوئی برائی نہیں مگر بعض عوارض ایسے ہیں کہ جنسے
دل پر اس رقص و سرود کے سبب بڑے اثر پیدا ہوتے ہیں اُس کے گانے والی عورتیں
بدکار ہوتی ہیں کہ اُن کی خوش آوازی اور خوبصورتی پھر اُس کے ساتھ ادا و انداز
عشق بہیمی کا متحرک ہوتا ہے۔ اُس عشق سے طلب وصال مراد ہوتی ہے جس کے
معنی اجسام ظاہری کے ملنے کے ہیں پس ایسے راگ سنے اجتناب چاہئے۔ دوم جو

چیزیں گائی جاتی ہیں اُن میں فحش وبیہودگی وہجو اور جھوٹ ہوتا ہے جیسے کہ ہزاروں
غزلیں اور گیت ہوتے ہیں اشعار میں عورتوں کے اعضا وخط وخال وچشم وگوش و
رخسار و قد وسراپا کی تعریفیں ہوتی ہیں سُننے والے اُن اوصاف کو طرح طرح سے
اپنے خیال کے موافق ڈھال لیتے ہیں۔ کوئی لفظ ایسا نہیں جس کو استعارہ کے
طور پر بہت سے معانی پر نہ ڈھال سکیں مثلاً دل جس پر عشق الٰہی غالب ہوگا وہ تو
زلفوں کی سیاہی سے کفر کی تاریکی خیال کرتا ہے۔ سفیدی وتازگی رخسار سے نورِ ایمانی اور
وصال کے ذکر سے دیدار الٰہی اور فراق کے مضمون سے اُس کی جناب سے مردود ہونا
وصال میں رقیب کے مخل ہونے سے دُنیا کے طرائق وآفات جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ وصال
دائمی میں خلل انداز ہوتے ہیں سمجھتے ہیں ایسے معانی ڈھالنے میں اُن کو فکر وتامل کی ضرورت
نہیں ہوتی بلکہ جو باتیں کہ اونکے دل پر غالب ہوتی ہیں وہ جھٹ پٹ سمجھ میں آجاتی ہیں۔
سوم یہ کہ سُننے والے میں خرابی ہو یعنی شہوت غالب ہو اور جوانی کی عین بہار راگ کے
سُننے لگے اُس کے دل میں ایک شخص معین کی محبت غالب ہوجاسے کی جب وہ وصف
زلف ورخسار کا اور فراق ووصال کا بیان سُنے گا تو اُس کی شہوت جنبش کرے گی اور
اُن الفاظ کو کسی معین صورت پر ڈھالے گا جس سے ایک آگ اُس کے اندر سُلگ جائیگی
جو اُسکو شر میں ڈالے گی۔ ایسے راگوں سے آدمی کو چاہیئے کہ وہ اجتناب کرے جو اُس کو
انسان سے حیوان بنادے اور اُنکی ہوائے نفسانی کے ہتیاروں کو تیز کردے جب راگ
سے لذت اور یہ لہو ولعب مقصود ہو جس سے دل کو آرام ملتا ہے۔ اور رنج کا علاج
کرکے راحت پہونچاتا ہے تو اُس میں تھوڑا سا مصروف رہنا چاہیئے باقی اوقات میں دین
دنیا کے کاموں میں جد وجہد کرنی چاہیئے بہت سی محنت میں تھوڑا سا کھیل ایسا ہوگا جیسا
کہ رخسار پر تِل ہرچند کہ کالا ہوتا ہے مگر اچھا معلوم ہوتا ہے مگر گالوں پر بالکل
تِل ہوں کہ تِل رکھنے کی جگہہ نہ ملے تو گال نہایت بدصورت ہوجائینگے اور جو چیز کہ حسانت

لگی تھی وہی کثرت کے سبب سے کراہیت کی ہو جائے گی تھوڑی چیز جو اچھی ہو یہ ضرور نہیں کہ وہ بہت
ہو کر بھی اچھی ہو بلکہ وہ کثرت کے باعث کراہیت اور حرمت کو پہنچ جاتی ہے ۔ روٹی اچھی
ہے اگر بہت کھاؤ دیکھو کیا نوبت پہنچتی ہے ۔ غرض راگ تھوڑا سا سننا انسان کو راحت اور آرام
پہنچاتا ہے مگر اسمیں عادت کی کثرت قباحت لاتی ہے جو ہم نے راگ کا بیان کیا وہی ناچ کا
حال ہے ۔ راگ آواز موزوں کا نام ہے ۔ ناچ اعضا کی حرکات موزوں کا نام ہے ۔ اب
اس ناچ اور راگ کے سمجھنے والوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں ایک سننے والے تو
ایسے ہوتے ہیں کہ وہ بجز نغمات اور الحان کی لذت کے اور کچھ سماع کی کیفیت نہیں جانتے
یہ سمجھنا تو ایسا ہے جیسے اونٹ سمجھتا ہے جس کا ذکر پہلے کر آئے ہیں دوسرے سننے والے
ایسے ہوتے ہیں کہ سمجھ کے ساتھ سنتے ہیں مگر مضمون کو کسی مخلوق معین یا غیر معین پر
ڈھالتے جاتے ہیں یہ سننا جوانوں اور شہوت پرستوں کا ہے کہ جو کچھ سنتے ہیں اُس کے موافق
اپنی شہوتوں و مقتضاء احوال کی ڈھال لیتے ہیں تیسرے ایسے ہیں کہ جو کچھ سنیں اُسکو
اپنے حال پر ڈھالیں یعنی خدا تعالیٰ کے معاملات میں جیسے عتاب و خطاب کا ذکر سنیں ۔ یا
قبول اور رد کا یا وصل و ہجر کا ۔ یا قرب و بعد کا یا فوت شدہ چیز کا افسوس یا معشوق کا
اشتیاق یا کسی آنے والے کا شوق یا طمع و خوف یا دل کے گھبرا کے دیکھنے کا یا ایفاء
وعدہ عہد شکنی کا یا خوف فراق و سرور وصال کا یا زیارت حبیب و فرقت رقیب کا یا
اشک فشانی و تواتر سرگرانی کا یا طول فراق و وعدہ وصال یا کسی اور بات کا ذکر سنتا
ہے جو اکثر گانے کے مضامین میں ہوتے ہیں تو اُنکا سننا ایسا ہوتا ہے جیسا کہ چقماق کی
آگ کا پیدا ہونا ۔ کہ فوراً دل کی آگ بھڑک اُٹھتی ہے اور شوق کا غلبہ ہوتا ہے ۔ الفاظ کے
معنی وہ نہیں لگاتے ہیں جو مصنف کی مراد ہوتے ہیں بلکہ وہ موافق اپنے فہم کے لگا لیتے
ہیں اور قاعدہ ہے کہ ہر کلام کئی صورتوں پر محمول ہو سکتا ہے ۔ اس سے ایک حالت اُن کے
دل میں پیدا ہوتی ہے جس سے وہ وجد میں آجاتے ہیں اور حرکات بے خودانہ دیوانہ وا

کرنے لگتے ہیں سماع کے ثمرہ کا نام وجد ہے۔ یعنی ایک نئی حالت راگ سُننے کی بعد سننے والا
اپنے نفس کے اندر شوق۔ خوف۔ حزن۔ قلق۔ سرور۔ افسوس۔ ندامت۔ بسط۔ قبض میں
سے کوئی پاتا ہے۔ اہل احوال کو سماع جوش میں لاتا ہے۔ یا قوی کر دیتا ہے۔ خلاصہ یہ
ہے کہ اگر راگ اچھی طرح سُنا جائے تو اِس سے تنبیہ ہوگی حالت بدلے گی۔ دل کی صفائی
ہوگی۔ اِس میں تقویت آئے گی۔ نیکی کی حالت میں چستی آئے گی۔ کند فہم میں کندی ہوگی
تو تیزی آئے گی طبیعت میں جو کدورت ہوگی وہ صاف ہو جائے گی نفس میں ایک جولانی
آجائے گی۔ غرض سماع دل کو عالم روحانی کی طرف رہنما ہے۔ مگر بشرطیکہ سماع کے آداب ملحوظ
خاطر رہیں کہ وقت۔ یاران جلسہ۔ مقام۔ سماع کی طرف توجہہ تمام۔ سماع کا ذوق ہو۔ غرض جن
لوگوں پر دنیا کی شہوت غالب ہو جنکی بُری صفات کا اُبھار سماع سے نہ ہو۔ اُن کے واسطے
سماع ایک نہایت لذت کی چیز ہے۔ جیسے قوت متفکرہ علم کی رہنما ہے ایسے ہی سماع روح
کا رہنما ہے۔ جو خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں سماع سے اُن کے دل میں شوق الٰہی کے
سلسلہ جنبانی ہوتی ہے اور تمام صفات محمودہ کی تحریک۔

(۲) بیاہ اور شادی کی رسموں میں رواج ہے کہ ناچ رنگ ہوتا ہے جو مسلمان شرع کے پابند ہیں
وہ اِس فسق و سرود سے احتراز کرتے ہیں اور اپنے ہاں شادیوں میں وہ ناچ نہیں کراتے۔ نوجوان
رنگین طبع جب اِن میں شریک ہوتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ اگر یہاں چھینے ہوتے تو ان پر کلمہ پڑھ کر
دل بہلاتے۔ اور اِس کو پھولوں کی مجلس کہتے۔ اگر ناچ رنگ ہوتا تو شادی کی محفل کہتے ہیں
اب حیران ہیں کہ اِس مجلس کو کیا کہیں۔ ان شادیوں میں فاحشہ عورتیں ناچنے کے لئے
بلائی جاتی ہیں جنکی وجہ معاش بھی ناچ رنگ ہوتا ہے۔ وہ زیور و لباس سے آراستہ ہوتی
ہیں طرح طرح کے ناز کرشمے اور دل ربایانہ حرکتیں اس لئے کرتی ہیں کہ مرد اُن پر فریفتہ ہوں
اور صبر و شکیب اِن کا غارت ہو۔ نوجوان ناچ دیکھ کر گانا سُن کر فرحت مسرت کے نشہ میں
مخمور اور چور ایسے ہوتے ہیں کہ پھر وہ از خود رفتہ ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص تمام عشق بازوں کا

رجسٹر بنائے اور خانہ کیفیت میں سبب عشق بازی کا تحریر کرے تو سو میں نوّے ایسے ہونگے
کہ جن کو یہ مرض عشق شادیوں کے رقص و سرود سے لگا ہوگا۔ جب ایک عورت نوعمر
کسی جوان مرد کے روبرو آواز نرم و دلکش سے عاشقانہ شعر گائے۔ اور اپنی صورت کو زیور
اور لباس سے زینت دے۔ اور حرکات دلکش کرے تو مشکل ہے کہ مرد کا دل از خود رفتہ نہ ہو
اور جب نوجوان یہ جانتا ہو کہ اس عورت کا پیشہ فحش و زنا ہے تو طبیعت کا تھامنا مشکل ہے
یہاں ایسے رقص و سرود سے ہزاروں آدمیوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ امرا اور سلاطین نے
تو اس شغل میں اپنی ریاستیں اور سلطنتیں برباد کر دیں۔ واحد علی شاہ کو دیکھو کہ کیا سلطنت
کو ایسے کاموں میں نام پیدا کر کے کھو دیا ہے۔ غرض ایسا ناچ دیکھنا مرد کے لئے بڑی بے
شرمی اور بے حیائی ہے +

باب پنجم محبت و عشق

(۱) محبت و شوق

افراد انسان کا اجتماع و تالیف بے محبت و الفت کے صورت پذیر نہیں ہوتا۔ تمدن انسانی کا
قوام محبت سے ہی ہے۔ کوئی انسان محبت سے خالی نہیں ہوتا۔ اب یہ محبت کئی نوع کی ہے۔ ایک طبیعی جیسے
کہ اولاد اور ماں باپوں کی۔ دوم اتفاقی جیسے کہ ہمسایہ میں رہنے سے مدرسہ و مکتب میں ساتھ
پڑھنے سے۔ یا بازار میں یکجا ہونے سے۔ یا ایک جگہ نوکر ہونے سے یا سفر میں رفیق ہونے
سے۔ سوم ارادی کہ وہ بقصد و اختیار پیدا کی جائے۔ محبت صحبت و معرفت سے پیدا ہوتی ہے
صحبت کے معنی ہیں پاس بیٹھنا اور ملنا جلنا۔ معرفت کے معنی جاننا پہچاننا۔ محبت الفت انسان
دوسرے سے جب ہی کرتا ہے کہ اس کو محبوب جانتا ہی۔ کیونکہ غیر محبوب سے تو انسان اجتناب
اور دوری کیا کرتا ہے۔ اور اس سے اختلاط نہیں چاہتا ہے۔ جس چیز کے ادراک سے کسی قسم
کی لذت حاصل ہو وہ چیز دل کو محبوب ہو گی اور جس سے کچھ ایذا ہو وہ دل کو مبغوض ہو گی

پس محبوب کے معنی یہ ہیں کہ طبیعت کو اس کی جانب رغبت ہو اور مبغوض کے معنی یہ کہ طبیعت کو اس سے نفرت ہو۔ اگر طبیعت کی رغبت بڑھ جائے تو اُس کو عشق کہیں گے۔ اور اگر نفرت بڑھ جائے تو اُس کو عداوت کہیں گے۔ اب محبت کے اسباب کا حال سُنو۔ آدمی جس سے محبت رکھتا ہے تو دو حال سے خالی نہیں ہوتی۔ یا صرف اُس کی ذات سے محبت ہے کوئی اور مقصود اور محبوب چیز نہیں جس کا ذریعہ اُس کی محبت کو کہا جائے یا اس لئے محبت کرتا ہے کہ اوس کے ذریعہ سے دوسرا مقصود حاصل ہو۔ پھر یہ مقصود تین صورت سے خالی نہیں اوّل صرف متعلق منافع دنیوی دوم متعلق منافع آخرت۔ سوم متعلق باللہ تعالےٰ

(۲) اسباب محبت

محبت جن سببوں سے پیدا ہوتی ہے

پہلا سبب حواس خمسہ سے بعض چیزوں کے ادراک سے ایک قسم کی لذت حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ سبب اس لذت کے طبیعت کو اس طرف رغبت ہوتی ہے اور یہی رغبت طبع سلیم میں محبت پیدا کر دیتی ہے۔ مثلاً آنکھ کو اچھی صورتوں اور پاکیزہ شکلوں کے دیکھنے سے ایک قسم کی لذت ملتی ہے۔ کانوں کو اچھی آوازوں راگوں کے سُننے سے فرحت ہوتی ہے۔ قوت شامہ کو اچھی خوشبوؤں کے سونگھنے سے ایک کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ قوت ذائقہ اچھے کھانوں سے التذاذ اور قوت لامسہ کو نرم اور نازک چیزوں کے چھونے سے احتظاظ ہوتا ہے۔ پس جب ان حواس کو ان چیزوں کے ادراک سے لذت ملتی ہے تو طبیعت کو لامحالہ ان کی جانب میل اور رغبت ہوتی ہے۔ اور ایک چھٹا حواس جو دل کا کرب ہے وہ محظوظ ہوتا ہے اور اس میں محبت پیدا ہوتی ہے

دوسرا سبب انسان اپنی ذات کا بالطبع عاشق ہے وہ اپنی بقا چاہتا ہے۔ موت سے ڈرتا ہے اس لئے اول وہ اپنی صحت سے محبت رکھتا ہے پھر اپنے مال اور اولاد اور دوست آشنا قرابت کو چاہتا ہے اسلئے وہ جانتا ہے کہ ان کی بقا میں میری ذات کی بقا ہے۔ انہی سے اس کا نام باقی رہے گا اور جس قدر مال اور دولت کنبہ قبیلہ زیادہ ہوگا اُتنی ہی اُس کی ذات کی شعبے

د عزت ہوگی۔ درحقیقت ان چیزوں کی محبت اپنی ذات کی محبت ہے۔

تیسرا سبب آدمی اُس کو چاہتا ہے جسنے اسکے ساتھ احسان کیا ہو اور اُس کو فائدہ پہنچایا ہو۔ ظاہر ہے کہ جو شخص کسی کو دولت عطا کرے۔ اُسکی حاجت برلاوے۔ اُس کی اعانت کرے۔ اُس سے شیریں کلامی سے پیش آئے۔ اُس کا معین و مددگار رہے۔ اُس کو اعدا کے شر سے بچائے۔ اُس کے مقاصد کیلئے اسباب فراہم کردے۔ اُس کی خواہشیں پوری کردے۔ اُس کے متعلقے عزیز و اقارب و خویش و حزم کرے تو ایسا شخص ضرور محبوب ہوجائےگا اور آدمی ایسے محسن کو دل سے چاہنے لگے گا۔ اگر یہ محبت بھی حقیقت میں اپنی ذات سے محبت کرتی ہے۔ مثلاً کوئی طبیب اس کا علاج کرکے تندرست کردے تو اس صحت کے سبب سے جو محبت طبیب سے ہوگی وہ اپنی ذات کے ساتھ محبت ہے۔

چوتھا سبب آدمی کسی سے محبت رکھے نہ بسبب اس کی ذات کے نہ بہ نظر کسی فائدہ کے انسان کی طبیعت و جبلت میں داخل ہے کہ جس کسی کو نیک اور اچھا جانتا ہے خواہ مخواہ اُس کی محبت دل میں ہوجاتی ہے گو اُس سے خاص اس آدمی کو فائدہ نہ پہونچے۔ مثلاً کسی آدمی کو معلوم ہو کہ فلاں بادشاہ بڑا عادل اور غریب پرور اور رعیت نواز یا عابد شب زندہ دار سخی کریم حلیم متواضع ہے گو وہ ایسی جگہہ رہتا ہو کہ جہاں سننے والا کبھی پہونچ نہ سکے تو بھی اس سے دل میں محبت ہوجائے گی۔ یہی سبب ہے کہ انسان بزرگان دین سے ایسی محبت رکھتا ہے کہ مال و متاع ان پر قربان کردیتا ہے۔ اور اُن کے نام پر اپنی جان فدا کرتا ہے۔

پانچواں سبب حسن و جمال کے سبب سے محبت ہوتی ہے۔ حسن و جمال کے یہ معنی ہیں کہ جس چیز کا جو کمال ہے وہ اس میں کامل ہو۔ جو چیز کمال میں کامل ہوگی وہی جمال میں کامل کہلاوے گی۔ مثلاً انسان اچھا وہی ہے جس کے اعضا میں تناسب ہے جس کا رنگ سرخ سفید ہو۔ جس کا قد و قامت معتدل ہو۔ خط اچھا وہی ہے جسکے حرف باقاعدہ درست ہوں۔ غرض ہر چیز کا حسن و جمال علیحدہ علیحدہ ہے وہ شکل و صورت ہی پر منحصر نہیں بلکہ

ان چیزوں پر بھی اطلاق حسن کا ہوتا ہے جو حواس خمسہ کے ادراک سے خارج ہیں مثلاً اخلاق نیک وہ جس انسان میں ہونگے وہ حسب حسن خلق کہلائے گا۔ اسی واسطے جس طرح کہ حسن صورت کا صورت کے کمال پر اطلاق ہوتا ہے حسن سیرت کا سیرت کے کمال پر اطلاق ہوتا ہے بلکہ حسن صورت باعث اس قدر محبت کا نہیں ہوتا جسقدر کہ حسن سیرت باعث محبت ہوتا ہے۔ انسان کی جبلت میں حسن وجمال کی محبت داخل ہے۔ جمال ظاہری کو وہ آنکھ سے دیکھتا ہے باطنی جمال دل کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اس جمال باطنی دیکھنے کے لئے اہل دل ہونا ضرور ہے جس آنکھ سے جو جمال نظر آتا ہے وہ آنکھ کو مرغوب ہوتا ہے۔ جمال باطنی دل کی آنکھ سے دکھلائی دیتا ہے اسلئے دل کو محبوب ہی ہے مثلاً۔ انبیا۔ اولیا۔ علما سے جو محبت ہوتی ہے وہ اُن کی صورت شکل کے باعث نہیں ہوتی بلکہ ان کے جمال باطنی کے سبب سے ہوتی ہے۔ جو تنگنا محسوسات میں گھرے ہوئے ہیں وہ حسن وجمال کے معنی یہی جانتے ہیں کہ صورت شکل پاکیزہ ہو وہ حسن باطنی کے دیکھنے میں اندھے ہیں غرض حسن کی طرف انسان کو میلان طبعی ہے گو اس میں شہوت رانی مقصود نہو۔ اچھی صورتیں بذات خود لذت بخش ہوتی ہیں جیسے کہ سبزہ زار گلزار۔ دریا۔ نہر۔ عمارات لطیفہ آنکھ کو ان کے دیکھنے سے لذت ہوتی ہے۔ اور کوئی غرض بد ان کے درمیان نہیں۔

چھٹا سبب محبت کا مشابہت ومشاکلت ہے۔ مناسبت اور مشابہت کو باہم میل ہونے میں بڑا دخل ہے۔ لڑکا لڑکے سے بڈھا بڈھے سے جانور اپنی نوع کے جانوروں سے اسی سبب سے الفت کرتے ہیں کیا خوب یہ شعر مشہور ہے ؎

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز ✲ کبوتر با کبوتر باز با باز

کبھی یہ مناسبت ومشابہت ظاہری ہوتی ہے جیسے کہ لڑکا لڑکے سے لڑکائی اور ہم عمری کے باعث سے محبت کرتا ہے کبھی غیر ظاہری جیسا کہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ دو شخصوں میں باہم خود بخود محبت ہو جاتی ہے بلا ملاحظہ خیال اور بغیر مطالبہ مال یا کسی اور فائدہ کے ان میں مناسبت

باطنی اور مشابہت معنوی ہوتی ہے۔ جو ان دونوں میں الفت اور موافقت کا سبب ہوتی ہی۔ مگر یہ باطنی مشابہتیں پوشیدہ ہوتی ہیں پس آدمیوں میں دوستی کا اتفاق جب ہی ہوگا کہ ایک میں دوسرے کا وصف پایا جائے۔ جیسے کہ دو قسم کے پرند کبھی متفق نہیں ہوتے اور بدون مناسبت ان کی پرواز ایک ساتھ نہیں ہوتی۔ ایسے ہی آدمیوں کو سمجھو۔

(۳) محبّت الٰہی

ہم نے جو سبب دوستی کے بیان کئے ہیں وہ سب ذات پاک الٰہی کی محبت میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً انسان اپنی ذات سے محبت رکھتا ہے یہی سبب اس کا ہے کہ اللہ جل شانہٗ کی محبت رکھنے کا ہو سکتا ہے اسلئے جو شخص اپنی ذات کو پہچانے گا وہ اپنے پروردگار کو جانے گا سمجھے گا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے پیدا کیا ہے۔ اسی نے زندگی دی ہے۔ عدم سے وجود میں لایا ہے۔ اسی نے کمال پر پہنچایا ہے۔ اسی نے زندگی بسر کرنے کے سارے اسباب فراہم کئے ہیں پس جو شخص اپنی ہستی اور وجود کو دوست رکھے گا تو کیونکر خدا کو دوست نہ رکھے گا جس کے سبب سے اس کی ہستی ہے سب سے زیادہ دوستی اپنی ذات کی ساتھ یہی ہے کہ خدا کے ساتھ محبت رکھے +

دوسرا سبب کہ انسان اپنے محسن کو چاہتا ہے کہ اگر آدمی سوچے تو وہ سمجھے گا کہ محسن حقیقی سوائے خدا کے دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اُس کے احسانات کا کچھ ٹھکانا نہیں کوئی محاسب اُن کو شمار نہیں کر سکتا جو ظاہر میں احسان کرتے ہیں وہ محسن مجازی ہیں درحقیقت وہ احسان بھی خدا ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ جب خدا نے دینے والے پاس خزانہ جمع کیا تو اُس کو دینے کی توفیق ہوئی پس اگر احسان کرنے والے سے محبت رکھنا طبعی ہے تو کوئی سوائے خدا تعالیٰ کے مستحق محبت نہیں ہے۔ جو اُس سے محبت نہ رکھے وہ جاہل ہیں کہ حقیقی احسان کو محسن مجازی پر ختم کرتے ہیں۔

تیسرا سبب کہ انسان کی طینت میں یہ داخل ہے کہ جس کسی کو نیک اور اچھا جانے تو خواہ نخواہ اس سے دل میں محبّت رکھے تو یہ سبب ایسا ہے کہ سوائے اللہ جل شانہ کے جو تمام عالم پر احسان

کرنے والا ہی نہیں ہے بلکہ اسی نے تمام مخلوقات اپنے فضل عمیم سے پیدا کی اور اُن کو جمیع ما یحتاج عنایت کیا کیسی اچھی ان کی شکل بنائی۔ ان کو ضروریات سے فارغ البال کیا۔ پھر نعمتیں گونا گوں عطا کر کے مرفہ الحال کیا۔ ان کی زیب و زینت اور عیش و آرام کی چیزیں دیکر ان کو صاحب شان و شوکت بنایا۔ اس سے بڑھ کر دینے والا اور حاجتیں پوری کرنے والا کون ہوگا کہ بے غرض سب کو دیتا ہے۔ فرش سے عرش تک جس کو دیکھیے وہ سب نمونہ اسی کے احسان کا ہے تو جو ایسا محسن ہو کہ تمام عالم اس کے احسان کے ایک ذرہ کی برابر نہ ہو اور محسن محسن و احسان کا اور احسان کے اسباب کا خالق ہو تو پھر اس سے محبت نہ رکھنا بڑی جہالت ہے ایسے بڑے محسن کا احسان نہ ماننا بڑی کفران نعمت ہے جسکی احسان و سخاوت کی حد نہیں جسقدر آسمان و زمین و چاند سورج ستارے آب خاک باد آتش ہیں سب اُس کی جود و سخا کے نمونے ہیں ٭

چوتھا سبب یہ ہے کہ حسن جمال باطنی کے کمال کے سبب سے محبت ہوتی ہے۔ کمال کا انحصار تین باتوں میں ہے اول علم دوم قدرت سوم تنزہ و تقدس یہ تینوں صفتیں بدرجۂ کمال خدا کی ذات کے سوا کسی اور میں نہیں پائی جاتیں +

سب جانتے ہیں کہ کسی کا علم اللہ جل شانہ کے علم تک نہیں پہنچ سکتا اگر تمام اولین اور آخرین کے علوم جمع کیے جائیں تو اُس کے علم کے ذرہ کی بھی برابر نہیں کوئی چیز زمین اور آسمان کے درمیان نہیں جو اس کی نظر سے پوشیدہ ہو۔ اگر تمام زمین آسمان اور اہل زمین جمع ہوں اور ایک چیونٹی یا مچھر کی خلقت کی حکمت کو دریافت کرنا چاہیں تو سویں حصہ کی برابر بھی اُس کی حکمت سے مطلع نہ ہوں۔ پس اگر صفت علم کے سبب سے محبت ہو تو چاہیے کہ سوا اللہ جل شانہ اور کسی سے محبت نہ کی جاے۔ اس لئے کہ سب کا علم بہ نسبت اُسکے علم کے جہل ہے۔

قدرت بھی ایک کمال ہے اور ہر ایک کمال و عزت و جلال باعث محبت ہے۔ یہاں تک کہ اگر انسان

کسی دوسرے کے کمال کا حال سنتا ہی تو اُس کو ایک قسم کی لذت حاصل ہوتی ہی اور اس صاحب
کمال سے محبت ہوتی ہی۔ اب اللہ تعالیٰ کی قدرت۔ غلبہ۔ جلال۔ عزت و کمال پر غور کیا جائے
کہ جس کے قبضۂ قدرت میں تمام زمین اور آسمان۔ کواکب۔ پہاڑ۔ دریا۔ ہوا۔ معدنیات۔
نباتات حیوانات۔ انسان سب ہیں کسی کو ان میں سے کچھ قدرت اپنے اوپر نہیں کہ کچھ
کر سکیں۔ بلکہ سب کچھ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہی کہ اسی نے سب کو بنایا اور ان کے اسباب پیدا
کئے۔ ان کو اسی نے قدرت اور طاقت دی۔ سب کی باگ اُسی کے
ہاتھ میں ہی جس سے جو چاہتا ہی وہ کام لیتا ہی۔ اگر سب کو تباہ کر دے اُس کی مملکت و
سلطنت میں ایک ذرہ کم نہ ہو اور اگر مثل اُن کے لاکھا خلقت پیدا کر دے تو ذرا بھی نہ بڑھے
تیسرے صفت تقدس عیبوں اور نقصان سے مبرا ہونا اور برائیوں اور خرابیوں سے منزہ
ہونا ایسی صفت ہی کہ جو باعث محبت ہی پس خدا سے زیادہ کسی میں تقدس و تنزہ نہیں کوئی
مخلوق نقص سے خالی نہیں اسلئے کہ وہ عاجز و مخلوق ہیں پس دنیا کا مخلوق ہونا اور دوسرے
ان پر مختار ہونا ان کی صفت تقدس کا عیب ہے کمال تقدس صرف ذات باری کو حاصل ہے
پس اس صفت کے سبب سے بھی سوا اللہ تعالیٰ کوئی لائق محبت نہیں +

پانچواں محبت کا سبب مشابہت اور مشاکلت ہی۔ سو بندہ کو اپنے پروردگار سے قرب نزدیکی
ان صفات میں حاصل ہے جن میں حکم ہے کہ عادتیں اللہ کی سیکھو۔ آدم کو اللہ نے اپنی صورت پر
بنایا غرض یہ سبب بھی ایسا ہی کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ محبت کرنی فرض ہے غرض خدا تعالیٰ
جس محبت کا مستحق ہے اُس کا کوئی اور مستحق نہیں۔ سب سے زیادہ اسی کی ذات سے
محبت رکھنی چاہئے ؎

(۴) انسان کا دل اور محبت الٰہی کی لذت

انسان کو بہت سی قوتیں دی گئی ہیں اور جو قوتیں اُس کو دی گئی ہیں اُن کا مقتضائے طبع
علیحدہ علیحدہ ہے اور اُس کو لذت اسی میں ملتی ہی کہ اس قوت کا مقتضائے طبع حاصل ہو مثلاً

غضب غصہ ایک قوت ہے کہ اس کی بالطبع خواہش غلبہ ور انتقام ہے پس غلبہ اور انتقام
ہی اس کی لذت ہے جب کوئی شخص دشمن سے انتقام لیتا ہے اور اوس پر غلبہ پاتا ہے تو کیا
خوشی حاصل ہوتی ہے۔ یا خواہش طعام کی قوت ہے جو غذا حاصل کرنے کے واسطے بنائی
گئی ہے۔ پس اس میں اس کی لذت ہے یہی حال سامعہ باصرہ شامہ کا ہے پس سب قوتوں
کی لذت اس کے مقتضائے طبع کے ملنے میں ہے اور رنج اور دُکھ اُس کے نہ ملنے میں اسی طرح
پر دل میں ایک قوت ہے جس کا نام عقل ہے اسی کو نور الٰہی کہتے ہیں۔ یہ قوت اسلئے دی گئی
ہے کہ اس کے ذریعہ سے حقائق اشیا دریافت کی جائیں۔ اس قوت کا اقتضائے طبع معرفت
اور علم ہے اور یہی اُس کی لذت ہے۔ اور علم خاص ترین صفات ربوبیت سے ہے جب کسی انسان
کی تعریف اُس کے علم کے سبب سے کی جاتی ہے کیا لذت اس کو حاصل ہوتی ہے اور کسقدر وہ خوش
ہوتا ہے اور قوت علم بقدر شرف معلوم کے ہے پس کوئی شئے اجل و اعلیٰ و اشرف موجودات میں اس سے
زیادہ نہیں ہے کہ جو سب کا پیدا کرنے والا سب کا سنوارنے والا سب کے لئے تدبیر کرنے والا سب کا ترتیب
دینے والا ہے پس اس کی ربوبیت کے اسرار پر مطلع ہونا اور اس کی ترتیب امورات کا جو کہ
تمام موجودات کو محیط ہیں علم حاصل ہونا سب انواع علوم سے بڑھ کر ہے۔ اور سب سے زیادہ اس میں
لذت اور لطف ہے بلکہ جب کوئی شخص اس علم کے مزہ سے واقف ہو جاتا ہے تو اور علموں کو
جہل سمجھتا ہے +

اس عالم ظاہری میں کوئی لذت حکومت و ریاست سے بڑھ کر نہیں ہے۔ جس کے واسطے اہل ہمت
تمام مزے کھانے پینے کے عیش و آرام کے چھوڑ دیتے ہیں اور جو کم ہمت ہوتے ہیں وہ عیش و
آرام کے لطف میں وہ کر اُس مزہ کو کھو دیتے ہیں اسی طرح جو بڑے عالی ہمت ہیں وہ اس عالم
ظاہری کی حکومت اور ریاست کو اس لطف اور شرف کے واسطے چھوڑ دیتے ہیں جو کہ اسرار الوہیت
کے علم سے اُن کو حاصل ہوتے ہیں۔ یہ وہ لذت ہے جو ہمیشہ رہے گی اور اس میں کسی طرح کدورت
نہیں ہر طرح سے پاک صاف ہے پس جو لذت اللہ جل شانہ کی معرفت میں ہے اور اُسکی صفات و افعال

نظام مملکت کے غور کرنے ہیں ہے وہ کسی دوسری چیز میں نہیں ہے پس جو لوگ اس کے افعال اور انتظام
پر جو کہ فرش زمین سے آسمان تک ہی غور کرتے ہیں اور اُس کی قدرتوں کے میدانوں میں اپنی عقل
کے گھوڑے دوڑاتے ہیں اور اُس کی صنعت کے باغوں کو اپنے دل کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں
اور اُس کی معرفت کے طرح طرح کے خوش ذائقہ پھلوں اور میووں کو چکھتے ہیں اور اُس کی قدرت کے
رنگا رنگ پھلوں کو دیکھتے ہیں اور قسم قسم کی خوشبوئیں سونگھتے ہیں وہ ہر وقت ایسی جنتوں میں
رہتے ہیں کہ جن کا عرض آسمان اور زمین سے زیادہ ہے۔ وہ اُسی باغ کی گلگشت کرتے ہیں کہ
جس کا ہر چمن نئے ڈھنگ کا۔ چمن کا ہر تختہ نئے رنگ کا۔ ہر قطعہ میں نیا ہی شجر نظر آتا ہے۔ ہر
شجر میں نیا ہی ثمر دکھلائی دیتا ہے اس باغ میں کوئی پھول نہیں جو اپنے رنگ میں البیلا نہو
اور کوئی پھل نہیں جو اپنے مزہ میں البیلا نہو جس پھول کو دیکھئے وہ اپنے جوبن میں الا ہے
جس پھل پر نظر کیجئے وہ اپنے ذائقہ میں دو بالا ہے الحاصل اللہ اور اُس کی صفات اور افعال
اور اسرار اور حکمتوں کی لذت سب لذتوں سے بڑھ کر ہے اور یہ لذت اُس کو نہیں حاصل ہو سکتی
جو کہ دل نہیں رکھتا ہے اسلئے کہ دل ہی معدن اس قوت کا ہے جو دل رکھتے ہیں وہ معرفت
الٰہی میں فکر کرتے ہیں اور اس سے اُن کو وہ فرحت ہوتی ہے کہ شادی مرگ ہو جانا کچھ تعجب نہیں
یہ ایک کیفیت وجدانی ہے نہ زبانی۔ دل ہی اس کیفیت کو جانتا ہے۔ تقریر کو اسمیں دخل نہیں ہے
دل ہی وہ باغ ہے جس میں معرفت کا شجر ہے۔ دل ہی وہ شجر ہے جسمیں معرفت کا ثمر ہے۔
دل ہی وہ چمن ہے جسمیں ہزاروں پھول پھولتے ہیں۔ دل ہی وہ نہال ہے جسمیں ہزاروں
پھل لگتے ہیں۔ دل ہی وہ دریا ہے جس سے ہزاروں دُر نکلتے ہیں دل ہی وہ صدف ہے جسمیں ہزاروں
گوہر پیدا ہوتے ہیں محبت کی کان دل ہے معرفت کا خزانہ دل ہے۔ بوستان الفت
جسے کہتے ہیں وہ دل ہے گلشن مسرت جسے کہتے ہیں وہ دل ہے۔ دل ہی خدا کے گھر کا نام ہے
جو بے نشان ہے۔ یہ اُسی کی شان ہے کہ دل کو یہ وسعت دی کہ سب کی سمائی اُس میں ہو جاتی ہے
اسی نے اُس کو یہ فراخی دی کہ سب کی گنجائش اُس میں ہو جاتی ہے۔ کوئی چیز نہیں جو اُس میں

نہ سما سکے۔ کوئی شئی نہیں اُس میں نہ آسکے۔ چیز و کل کو چھوڑ دو شیا کا نام نہ لو۔ وہ اُس میں سما جاتا ہے جو کہیں نہیں سماتا وہ اُس میں رہتا ہے جو کہیں نہیں رہتا۔ وہ اُس میں نظر آتا ہے جو کہیں نہیں دکھلائی دیتا۔ وہ اس میں ٹھہرتا ہے جو کہیں نہیں ٹھہرتا۔ جو زمین پر نہیں سماتا جو آسمان پر نہیں آتا وہ دل میں آجاتا ہے۔ نہ زمین میں گنجائش نہ آسمان میں جو عارف کے دل میں ہے +

اس خدا کی معرفت کی لذت صرف اسے حاصل ہو سکتی ہے جو کہ درجہ بدرجہ ترقی پاکر اس لذت کے مزہ سے واقف ہو گیا ہے۔ جب تک انسان لڑکا رہتا ہے اُس کو کھیل تماشا ہی اچھا معلوم ہوتا ہے اور اُسی کو وہ بڑی لذت جانتا ہے۔ پھر جب ذرا بڑا ہوتا ہے تب پوشاک اور خوراک اور زیب و زینت کے مزہ سے آگاہ ہوتا ہے اس وقت اس لطف کے آگے کھیل اور تماشے کی حقارت کرتا ہے جب جوان ہوتا ہے تو حسینوں اور مہ جبینوں کی الفت کے مزے سے آگاہ ہو کر سب کو اُسکے سامنے بُرا جانتا ہے۔ جب ریاست و حکومت کی لذت سے آگاہ ہوتا ہے تو سب کو چھوڑ کر اُسی کو اپنے لئے بہتر لذت سمجھتا ہے کہ اُس کا جاہ و جلال اور عزت و کمال اور رعب و داب و شان و شکوہ اور حکومت و ریاست سب سے بڑھ کر ہو اور درحقیقت دُنیا کی آخری لذت یہی ہے۔ مگر جب انسان اللہ تعالی کی معرفت کی لذت سے آگاہ ہوتا ہے تو وہ ریاست اور حکومت کو چھوڑ بیٹھتا ہے اور وہ سب کو حقیر جانتا ہے +

(۵) شوق و انس

دل کی رغبت کسی امر پوشیدہ کی طرف جو ابتک نہ ملا ہو اُس کو شوق کہتے ہیں اگر مل گیا ہو اور مشاہدہ اُسکا ہو چکا ہو اُس سے جو فرحت دل کو ہو اس کو اُنس کہتے ہیں شوق کسی چیز کا جب تک نہیں ہوتا کہ اُس کا ادراک کچھ ہو اور کچھ نہو۔ اگر بالکل ادراک نہ ہو تو اشتیاق کیونکر پیدا ہو جس طرح کہ کسی شخص نے دوسرے شخص کو نہ دیکھا ہو نہ اُس کی صفت سنی ہو تو وہ کیونکر اُس کا مشتاق ہوگا۔ اور اگر بالکل ادراک ہو تو بھی اشتیاق نہ ہوگا۔ اسلئے کہ کمال ادراک رویت سے ہو اور جو اپنے محبوب کو ہر وقت

دیکھتا ہوگا تو وہ اُس کا مشتاق کیونکر ہوگا۔ بس ثابت ہوا کہ اشتیاق اُسی وقت تک ہی کہ کچھ ادراک ہو کچھ نہ ہو۔ اور وہ کئی وجہوں سے ہوتا ہے کہ جس کو ہم ایک مثال سے سمجھاتے ہیں مثلاً کسی کا معشوق کسی سے جدا ہو جاوے اور اُس کے دل میں اس کا خیال رہ جاوے تو ضرور وہ عاشق مشتاق ہوگا کہ دیدار اُس کا نصیب ہو لیکن اگر اُس کے دل سے اُس کا خیال جاتا رہے اور وہ بھول جاوے تو اشتیاق باقی نہ رہے گا۔ اور اگر دیدار نصیب ہو جائے گا تو بھی اشتیاق کا اطلاق نہ رہے گا بس شوق کے معنی یہ ہیں جو خیال دل میں ہو اسکے کامل ہونے پر نفس مشتاق ہو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دیکھنے پر بھی شوق باقی رہتا ہے یعنی کمال رویت نصیب نہیں ہو مثلاً اپنے محبوب کو دیکھ تو لیا لیکن روشنی میں نہیں دیکھا کہ جس سے اچھی طرح پر صورت نظر آتی تو بھی شوق اُس کا باقی رہتا ہی کہ جمال اُس کا روشنی میں دیکھا جائے تا کہ اچھی طرح اُس کی شکل و صورت دیکھنے میں آئے دوسری وجہ اشتیاق کی یہ ہی کہ اپنے محبوب کا چہرہ تو دیکھ لیا لیکن خال و خط کے دیکھنے کی تمنا باقی رہ گئی پس خواہ نہ خواہ دل کو اُس کے سب اعضا کے حسن و جمال اور ایک ایک خط و خال کے دیکھنے کا شوق ہوتا ہے۔ شوق وہ چیز ہے کہ راہ دراز کو کوتاہ کرتا ہے۔ کوہ کی برابر رنج اُسکی راہ میں کاہ برابر معلوم ہوتا ہی جس وقت کسی چیز کا شوق دل میں شعلہ زنی کرتا ہے۔ تو وہ سو دریاؤں سے بھی نہیں بجھتا ہے۔ اگر شوق کو کسی طرح تسکین ہو جائے تو جان لو کہ وہ شوق نہیں ہے ہوس ہے۔ ہوس ایسی ہوسناک ہوتے ہیں عاشق مشتاق ہوس سے پاک ہوتے ہیں۔ جب صدق شوق فزا ہوتا ہے تو وہ مقصود تک رہ نما ہوتا ہے جب شوق صادق محمل اُٹھائے گا تو منزل وصل پر پہونچا دیگا کوئی چیز شوق کی راہ کی مانع نہیں ہو سکتی ؎ شوق رہبر ل کہ باشد رہبرے درکار نیست ۔ جو شخص دریائے شوق میں اپنے ہاتھ دھوتا ہے وہ ماہی مقصود کو ضرور پکڑ لاتا ہے۔

(۶) دوستوں کے حقوق جو ایک دوسرے پر ہیں

دنیا میں دوستی کا دعوی تو بہت آسان ہوتا ہے مگر نباہ اُس کا مشکل ہے۔ جب تک دوستی کا امتحان
نہ ہو تو اُس کا دعوی سچا نہ جانو محبت وہ درخت ہے جسکے پھل دل اور زبان و اعضا سے عیاں
ہوتے ہیں جیسے دھوئیں سے آگ پھل سے ہی درخت جانا جاتا ہے۔ پس جب تک دوستی
کے حقوق دل اور زبان اور اعضا سے نہ ادا ہوں دوستی نہ سمجھنی چاہئے اسلئے ہم اُس کے
حقوق بیان کرتے ہیں۔ دوستوں کی دوستی کا عقد بھی مثل عقد نکاح ہے کہ جس طرح نکاح
چند حقوق کا مقتضی ہے جن کا پورا کرنا حق نکاح کے ادا کرنے کے واسطے واجب ہے اسی طرح
عقد دوستی میں چند حقوق کی بجا آوری واجب ہے جس سے بھائی چارہ کرو تو اُس کا حق تم
مال میں نفس میں۔ زبان میں۔ دل میں ہوگا۔ ان حقوق کی تفصیل یہ ہے۔ **اول** دو
دوستوں کی مثال دو ہاتھوں کی مثل ہے کہ ایک دوسرے کو دھوتا ہے۔ یعنے جیسے دونو ہاتھ
ایک ہی غرض کے لئے ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اُسی طرح دو دوستوں میں دوستی
کامل جب ہوگی کہ دونو ایک مقصد میں ایک دوسرے کی رفاقت کریں۔ تو گویا وہ من وجہ ایک
شخص ہیں اور یہ امر اُس کا مقتضی ہے کہ نفع و نقصان میں دونو ایک دوسرے کے سہیم اور مال
اور حال میں باہم شریک ہوں۔ بڑی بات دوستی میں مال سے دوست کی مدد کرنی ہے
کیونکہ انسان کا بڑا دوست مال ہے اُس سے دوست کی خاطر جدا نہ ہونا اتحاد کی بڑی دلیل ہے
اب مال سے سلوک کرنا کئی طرح ہوتا ہے جسوقت دوست کو مال کی ضرورت ہو۔ ایک تو یہ ہے
کہ تم اُس کی خبرگیری اپنے پس انداز مال سے اس طرح کرو جیسے کہ خادم کی کرتے ہیں دوسرے
کہ تم اُس کو ایسی حالت میں بمنزلہ اپنے نفس کے جانو اور اُس کی شرکت کو اپنے مال میں بغیر
اُس کی طلب کے پسند کرو اور نصفا نصف میں شریک کرلو۔ سب سے بڑھ کر یہ درجہ ہے کہ دوست
کو اپنے نفس پر ترجیح دو اور اُس کی حاجت کو اپنی حاجت پر مقدم جانو۔ یہ درجہ دوستان
صادق کا ہے۔ کہ دوست کو اپنے نفس پر ترجیح دیں اور اپنے مال کو دوست کے لئے وقف کردیں

کہ جو کچھ چاہے وہ اپنی ضرورت اور حاجت کے لئے لے لے بعض مثالیں دنیا میں دیکھنے میں
آتی ہیں کہ ایک دوست نے دوسرے دوست کا قرض چکا دیا۔ یا جب وہ دونو بھوکے پیاسے تھے
کچھ کھانے پینے کو آیا تو ایک نے دوسرے کو اپنے نفس پر ترجیح دی۔ **دوسرا حق** یہ ہے کہ دوست
کی اعانت اپنے نفس سے کرے یعنی اس کی حاجتوں کو قبل از سوال بجا لائے میں ور اپنی
خاص حاجتوں پر انکو مقدم کرنے میں مدد کرے اور اس اعانت کا ادنی درجہ یہ ہے کہ
سوال کے وقت اُس کی حاجت پوری کر دے۔ مگر بکشادہ پیشانی اور اظہار فرحت کرے
خود اُس کا احسان مانے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ دوست کی ضرورت کو اپنی ضرورت جانے
بلکہ اس سے بھی اہم۔ دوست کے حال سے ایسا غافل نہ رہے جیسے کہ اپنے حال سے غافل
نہیں رہتا۔ اس کے سوال اور اظہار حاجت کے بغیر اُس کی مدد کر دے اور اس مدد کا حق
اُس پر نہ سمجھے بلکہ اُس نے جو تیری سعی منظور کی اُس کا ممنون ہو۔ غرض دوست کو بھی منجملہ اقارب
اور اولاد کے جانے۔ اس پر اکرام اور ایثار کی ابتدا ہے۔ **تیسرا حق** یہ ہے کہ اس کے عیب نہ
اُس کے سامنے ذکر کرے نہ پیٹھ پیچھے بلکہ عیبوں سے تجاہل کرے۔ دوسرے یہ کہ جب وہ کلام
کرے تو نہ اُس کو رد کرے اور نہ اُس کی بات کاٹے اور نہ جھگڑا کرے۔ سوم اُس کے احوال کو
تجسس کرے۔ تجسس کرنے میں شاید اُس کو سوالوں کے جواب دینے میں دشواری پیش
آئے یا بہ تکلف جھوٹ بولنا پڑے۔ **چوتھا حق** یہ کہ جو اسرار اپنے کہے ہوں اُن کی افشا سے
خاموش رہے اُس کے سوا دوسرے سے ہرگز نہ کہے۔ یہاں تک کہ اپنے خاص دوستوں سے
بھی ذکر نہ کرے۔ راز کا فاش کرنا خبث باطن کا نشان ہے۔ یہاں تک اس کے چھپانے میں
مبالغہ کرے کہ جھوٹ بولنے تک روا رکھے جس وقت دوست اپنے راز کو ودیعت بنا کے دے
تو اُس کو دل میں قبر بنا کے دفن کر دے۔ مردہ کو زندہ نہ کرے بلکہ بالکل بھول جائے۔
پانچواں حق یہ کہ اُس کے دوستوں اور اقارب اہل و فرزند کے طعن سے سکوت اختیار کرے۔ اگر
کسی نے اُس کو برا کہا ہو تو اُس کے سامنے اُس کا ذکر نہ کرے کیونکہ جو شخص گالی کی نقل کرتا ہے

گویا وہی گالی دیتا ہے نقل کرنے والے سے ایذا ہوتی ہے جیسے حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں

اشعار یکے تیرے افگند و در رہ فتاد　　وجودم بیازرد و رنجم نہ داد

تو بر داشتی و آمدی سوئے من　　ہمے درسپوزی بہ پہلوئے من

ہاں جو کوئی تعریف کرے اُس کا چھپانا نہیں چاہیے کیونکہ وہ اول نقل کرنے والے سے خوش ہوتا ہے پھر اصل کہنے والے سے اُس کا چھپانا داخل حسد ہے۔ غرض کہ خاموشی ان باتوں سے چاہیے جو اُس کو بُری لگیں مگر بعض جو بُرائیاں اُس کی اُس کو تباہ کریں وہ دوستانہ سمجھا دو مگر ان بُرائیوں کے سبب سے اُس کی دوستی سے باز نہ آؤ۔ اسلئے کہ کوئی شخص دنیا میں بے عیب نہیں ہوتا۔ تم اپنے تئیں خود ہی دیکھو کہ کوئی نہ کوئی عیب ضرور ہوگا۔ اگر کوئی شخص کہے کہ میں کسی بے عیب آدمی کو دوست بنانا چاہتا ہوں تو اُس کے یہ معنی ہوں گے کہ میں کسی کو دوست بنانا نہیں چاہتا۔ کسی آدمی میں خوبیاں زیادہ ہوں تو اُسی کو غنیمت جانو۔ غرض حق دوستی یہ ہے کہ دوست کی خوبیوں کا نقش دل پر رکھے کیونکہ دشمن ہمیشہ بُرائیاں اور عیب تاکتا رہتا ہے

چشم بد اندیش کہ بر کندہ باد　　عیب نماید در نظرش ہنر

ور ہنرے داری و ہفتاد عیب　　دوست نہ بیند بجز آں یک ہنر

غرض جیسے کہ زبان کو اُس کی بُرائیوں کے بیان کرنے سے تم کو روکنا چاہیے ایسا ہی دل کو اُس کے اوپر بدگمانیوں کے کرنے سے روکنا چاہیے۔ جہاں تک ہو سکے دوست کے فعل کو نیکی پر حمل کرنا چاہیے۔ اور جو بات یقین اور مشاہدہ سے منکشف ہو جاوے تو تم اُس کو آگاہ کر دو لیکن اُس کا حمل کرنا سہو اور نسیان پر حتی الوسع ضروری ہے۔ بدگمانی کا ظن دو طرح سے پیدا ہوتا ہے ایک تو تفرس سے جسکی کوئی علامت ہو کہ علامت کے موجود ہونے سے ظن کو جنبش ضرور ہوتی ہے جس کو آدمی دور نہیں کر سکتا۔ دوسرے وہ جسکی منشا تمھاری بداعتقادی ہوتی ہے مثلاً کوئی کام اُس نے کیا جو دو وجہوں پر محتمل ہو سکتا ہے مگر چونکہ تمھارا اعتقاد اُس کی طرف اچھا نہیں تو تم اُس فعل کو خراب ہی وجہ پر

محمول کر دگے - حالانکہ کوئی علامت ایسی نہیں جس سے وہ فعل اسی وجہ سے خاص کیا جائے - تو ایسا ظن باطن کا قصور ہے دوست پر منحصر نہیں بلکہ وہ عام بدظنی ہے -
زیادہ تر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ عیبوں کی تاک میں بیٹھے رہتے ہیں - اگر اپنے دوست یا بھائی کی کوئی برائی سُنتے ہیں تو اُس پر اور حاشیے چڑھا کر لوگوں میں مشتہر کرتے ہیں - اوروں کے عیبوں کو چھپانا اور اُن سے تجاہل و تغافل کرنا نکوکاروں کی خصلت ہوتی ہے - دوستی کا اقتضا یہ ہے کہ اسے ایسا معاملہ کرے جیسا کہ خود چاہتا ہو کہ دوسرا مجھ سے کرے - اس میں کچھ شک نہیں کہ آدمی دوسرے سے یہ توقع کیا کرتا ہے کہ میرے عیبوں سے وہ چشم پوشی کرے اگر اپنی توقع کے خلاف اُس سے ظاہر ہوتا ہے تو اُس پر نہایت طیش کھاتا ہے - بڑے تعجب کی بات ہے کہ خود توقع چشم پوشی کی رکھے اور خود عیبوں سے چشم پوشی نہ کرے - وہ بڑا نا انصاف ہے کہ وہ اپنے حق میں انصاف اس مقدار سے زیادہ چاہتا ہے جتنا اُس کا دل دوسرے کے لئے نہیں گوارا کرتا ہے - عیبوں سے چشم پوشی نہ کرنے اور اُن کے ظاہر کرنے میں سعی کرنے کی علت ایک مرض ہے جو باطن کے اندر گڑا رہتا ہے - اس مرض کا نام حسد و حقد ہے کہ یہ دونوں چیزیں جس کے اندر ہوتی ہیں اُس کے باطن کو خباثت سے پُر کر دیتی ہیں مگر یہ دونو چیزیں دل میں مقید اور دبی رہتی ہیں جب تک کوئی موقع نہیں ملتا - جب اُن کو موقع ملتا ہے تو اُن کی بیڑی ٹوٹ جاتی ہے اور پردہ حیا اٹھ جاتا ہے اور خباثت درونی ٹپکنے لگتی ہے - پس جن کے دل میں حسد و حقد ہے وہ کسی کے دوست نہیں ہو سکتے - بعض حکما کا قول ہے کہ بھائیوں پر ظاہری عتاب بہ نسبت باطنی کینہ کے اچھا ہوتا ہے -

چھٹا حق یہ ہے کہ جو باتیں یار کو پسند ہوں وہ اُسکے سامنے بیان کرے - اُس کے سامنے چپکا بیٹھنا گویا مُردہ کا ساتھی اُس کو بنانا ہے [یاروں کی تلاش اسی لئے ہوتی ہے کہ اُن سے کچھ فائدہ ہو نہ یہ کہ اُن کی ایذا سے بچے رہیں اور خاموشی کے معنی یہی ہیں کہ دوسرے کو زبان سے نہ ستائیں] آدمی کو چاہئے کہ اپنے یار سے بھلے باتیں کرے - جن باتوں کا پوچھنا وہ جب اُن کو

پوچھے۔ جیسے اُس کا مزاج اس کے اہل وعیال کی خیر وعافیت۔ اُس کے رنج وخوشی سے اپنے رنج وخوشی کا اظہار کرے کیونکہ دوستی کے معنی یہی ہیں کہ درد وراحت میں شریک ہو۔

ساتواں جب تم کو کسی سے محبت ہو تو اس کو اطلاع دو اِس سے محبت بڑھے گی۔ اگر تم کسی سے محبت کرو اور اُس کو معلوم نہ ہو کہ تم کو اس سے محبت ہے تو محبت کی ترقی نہ ہوگی۔ لیکن اگر وہ جان جائے گا کہ تم کو محبت ہی تو بالطبع تم سے محبت کریگا اور جب تم کو معلوم ہوگا کہ یہ بھی مجھ سے محبت کرتا ہی تو بالضرور تم کو بھی اُس سے محبت ساتھ زیادہ ہوگی۔ اِس طرح طرفین سے محبت روز بروز زیادہ ہوتی جائے گی۔ **آٹھواں** دوست کا وہ نام لو جو اُس کو پسند ہو آگے پیچھے ایک ہی نام لیا کرو۔ اُس کو سلام کیا کرو۔ اُس کو اچھی طرح بٹھلایا کرو۔ دوست کو جس شخص کے سامنے اپنی تعریف کرانی پسند ہو اُسکے سامنے جو خوبیاں تم کو معلوم ہوں اُن کو بیان کرو کہ یہ افزائش محبت کا بڑا سبب ہے۔ اسی طرح اُس کی اولاد اور اہل خانہ اور کردار کی تعریف کرو بلکہ اُس کی عقل وصورت خط۔ اشعار تصنیف خواہ اور چیزوں کی خوبی بیان کرو جس سے وہ خوش ہو مگر اس تعریف میں جھوٹ ومبالغہ نہ ہو بلکہ جو بات قابل تحسین ہو اُسکی خوبی بیان کی جائے۔ اِس سے زیادہ یہ امر ضروری ہی کہ اگر غیر شخص اُس کی تعریف کرتا ہو تو اظہار فرحت کے ساتھ دوست سے اُس کا قول نقل کرو۔ کہ اُس کا نہ کہنا حسد میں داخل ہے

نواں اگر دوست نے کوئی سلوک تمھارے ساتھ کیا ہو تو اُس کا شکر ادا کرو۔ بلکہ اگر اُس نے سلوک کی نیت کی ہو اور وہ پورا نہ ہو تو بھی شکر ادا کرنا چاہیے۔ جو شخص حسن نیت پر مشکور نہیں ہوتا وہ حسن سلوک پر بھی مشکور نہیں ہوگا۔ **دسواں** محبت کی بڑی تاثیر یہ ہے کہ جب کوئی شخص دوست کو پیٹھ پیچھے بُرا کہے یعنی صراحتہً یا کنایتہً اُسکی عزت کے درپے ہو تو خود دوست کی طرفداری اور حمایت کے لیے مستعد ہو اور اُس بدگو کو چپکا کرے اور للکارے چپکا رہنا کینہ ونفرت کی نشانی حق دوستی میں کوتاہی کرنی ہے۔ **گیارہواں** دوست کو اُس کی غیبت میں اسی طرح ذکر کرو جیسا تم چاہتے ہو کہ تمھاری غیبت میں کوئی تمھارا ذکر کرے۔ جو بات تمھارے دوست

کسی نے کہی وہ تم کو کہتا تو اُس وقت تمہارا دل کیا چاہتا کہ تمہارے دوست تمہارے باب میں کیا کہے۔ جو تقریر دوست کی ایسے وقت میں تم کو پسند ہوتی وہی تم کو اُس طعنہ کرنے والے کے ساتھ کرنی چاہئے۔ جب تمہارے دوست کا ذکر غیبت میں ہو تو تم یہ خیال کر لو کہ وہ تمہارے پاس بیٹھا ہے اور پھر وہ باتیں کہو کہ اگر بالفرض وہ ہوتا اور سُنتا تو اُس کو اچھی معلوم ہوتیں کسی بزرگ کا قول ہے کہ میرے کسی دوست کا مذکور ہوتا ہے تو اپنے تئیں اُس کی صورت میں سمجھ لیتا ہوں اور اُس کے باب میں وہ بات کہتا ہوں جس کو اپنے حق میں کہا جانا بہتر سمجھتا ہوں یہ بڑی ایمانداری کی بات ہے کہ اپنے دوست کے لئے وہی بات مناسب سمجھے جو اپنے حق میں بہتر جانے غرض محبت میں اخلاص رکھنا چاہئے یعنی آگے پیچھے اور زبان اور دل اور ظاہر و باطن اور تنہائی و جماعت میں یکساں ہو۔ جو شخص اپنے نفس کو اس بات پر قادر نہ ہو کہ ہر حال میں یکساں رکھ سکے تو اُس کو چاہئے کہ دوستی کا نام نہ لے ۞ پانچواں حق دوستی کا یہ ہے کہ تعلیم و نصیحت دوست کو کرے کیونکہ علم کی حاجت دوست کو مال کی ضرورت سے کم نہیں غرض جو باتیں دین یا دنیا کے لئے کارآمد اور مفید ہوں اُسکی تعلیم کرو۔ اور بعد تعلیم وہ کاربند نہ ہو تو نصیحت کرو اس طرح کہ افعال بد کی بُرائیاں اور اُن کے ترک کے فوائد اُس کے سامنے ذکر کرو۔ اور جو بات کہ اُس کو دنیا اور آخرت میں بُری معلوم ہوتی ہو اُس سے ڈراؤ کہ وہ اُن حرکات سے باز آئے اور اُس کے عیوب پر خبردار کردو اور بُری بات کی قباحت اور نیک بات کی خوبی اُس کے دل میں جما دو۔ مگر یہ امور خفیہ تنہائی میں اُس سے کہو تا کہ کسی کو اس کی اطلاع نہ ہو اسلئے کہ مجمع میں کہنا توبیخ و فضیحت ہے۔ نصیحت اور فضیحت میں فرق یہی ہے کہ ایک خلوت میں ہوتی ہے دوسری مجمع میں ایک ایماندار دوسرے ایماندار کا آئینہ ہوتا ہے اس کے معنی یہی ہیں کہ ایک ایماندار اپنے ایماندار دوست کی وجہ سے اپنے عیبوں پر مطلع ہو جاتا ہے اگر تنہا ہوتا تو یہ بات نہیں حاصل ہوتی۔ جیسے آئینہ سے اپنی ظاہری صورت کے عیب پر واقف ہو جاتا ہے اور بدون آئینہ کے نہیں معلوم کر سکتا۔ مجمع میں جو دوست نصیحت کرتا ہے وہ فضیحت

کرتا ہو اس سے محبت نہیں باقی رہتی۔ عاقل کو جو دوست اُس کے عیوب پر مطلع کرتا ہے تو وہ اُس کو شفقت جانتا ہے اور ایسا ہی سمجھتا ہے کہ میرے کپڑوں میں بچھو اور سانپ گھسا ہوا تھا جو مجھے ہلاک کرتا تھا اس نے مجھے مطلع کر کے جان بچا دی۔ مگر ہاں احمق نصیحت کرنے سے خفا ہوتا ہے اور نفرت کرنے لگتا ہے کیونکہ اُس میں اُس کا عیب ظاہر ہوتا ہے۔ چھوٹے آدمی ناصحوں سے محبت نہیں کرتے۔ اگر دوست میں ہماری نصیحت کارگر نہ ہوگی تو وہ اپنی طبیعت سے مجبور ہے کہ اپنے عیب کو ترک نہیں کر سکتا تو سکوت اختیار کرے۔ دوست کی دوستی سے کام ہے اُس کے افعال سے کیا کام ہے۔ اُس پر تحمل چاہئے۔ **تیرہواں** دوست کا حق یہ ہے کہ دوست کی لغزشوں اور خطاؤں کو معاف کرے۔ جو قصور تمہارا کرے تو اُس کو معاف کردو۔ آدمی کبھی کج ہوتا ہے کبھی سیدھا۔ سدا ایک حال پر نہیں رہتا۔ آدمی سمجھ لے کہ کے دن کی زندگی ہے جو دوستوں سے روٹھ کر بیٹھے چند روز ساتھ ملنا جلنا غنیمت جاننے۔ دوست سے اگر خفا ہو تو دل میں کدورت نہیں رکھنی چاہئے دوست کا عذر خواہ سچا ہو یا جھوٹا قبول کرنا چاہئے + **شعر**

ترک الفت دوستوں سے جرم پر کرتے ہو تم — پھر بتاؤ وہ کہاں ہے جو خطا کرتا نہیں +

ایک بزرگ کا قول ہے دوست کی خطا کرنے پر صبر کرنا اُس پر عتاب کرنے سے اچھا ہے عتاب کرنا ترک ملاقات سے بہتر ہے۔ ترک ملاقات غیبت کرنے سے بہتر ہے۔ دوستی اعتدال کے ساتھ اچھی ہوتی ہے + **چودھواں حق** دوستی کا وفا اور اخلاص ہے۔ وفا کے معنی یہ ہیں کہ دوست کی زندگی میں اُس کی دوستی پر ثابت اور قائم رہے اور اس کے مرنے کے بعد اُس کی اولاد اور دوستوں اور اقارب سے وہی معاملہ رکھے جو دوست سے رکھتا تھا۔ بعض اکابر فرماتے ہیں کہ وفات کے بعد تھوڑی سی وفا بھی زندگی کی حالت میں بہت سی وفا سے بہتر ہے۔ غرض دوست کی دوستی نباہنے میں یہ بھی شرط ہے کہ اس کے تمام دوستوں اور عزیزوں اور متعلقوں کی رعایت کرے اور اُن کی مراعات کا اثر دوست کے دل میں نسبت اُس کی خود کی مراعات کے زیادہ ہوتا ہے اسلئے کہ وہ خود اپنے متعلقین کی تفقد سے زیادہ

خوش ہوتا ہی علاوہ اس کے شفقت اور محبت کا زور ایسے ہی وقت معلوم ہوتا ہی کہ محبوب سے تجاوز کرکے متعلقوں تک پہنچے یہاں تک کہ اُس کے دروازہ کے کُتّے کو بھی اور کُتّوں پر دل میں ترجیح دے۔ وفا محبت میں یہ بھی ایک بات ہی کہ دوست کی خاطر داری میں اپنا حال نہ بدلے گو کسی بلند مرتبہ پر خود پہنچ جائے۔ جاہ و حشمت کے زیادہ ہونے سے دوستوں پر برتری کرنا پاجی پن ہی۔ کسی شاعر نے کہا ہی ؎

طالع کی یاوری سے جو خوش وقت ہوں ہم ۔ کرتے ہیں مفلسی کے جلیسوں کو اپنے یاد

کسی حکیم کا قول ہی کہ جب تمھارا دوست کہیں کا حاکم ہوجائے اور اپنی حکومت میں تمھارے ساتھ پہلے کی نسبت آدھی دوستی رکھے تو بہت غنیمت ہی۔ ایک وفا کی بات یہ بھی ہے کہ دوست کے حق میں لوگوں کی شکایت نہ سُنے خصوصاً ایسے لوگوں کی کہ پہلے تو ظاہر کریں کہ ہم فلاں شخص کے دوست ہیں اور پھر اُس کی طرف سے ایسی باتیں بنائیں جس سے دلوں میں کینہ پیدا ہو اور یہ دقیق تدبیر آپس میں پھوٹ ڈلوانے کی ہی کہ اول دوستی کا اظہار کریں تاکہ سامع کے گمان میں متہم نہ ٹھیریں اور آخر کو یہ گُل کھلاویں۔ جو شخص دوست کے حق میں چغلی سُنتا ہی تو اُس کی دوستی ہمیشہ نہیں رہتی کسی شخص نے ایک حکیم سے کہا کہ میں آپ سے دوستی کیا چاہتا ہوں اُس نے جواب دیا کہ تین باتیں منظور کرو تو میں دوستی کروں گا۔ اول یہ کہ میری شکایت نہ سُننا دوم میرے کہنے کے مخالف نہ کرنا سوم ناز و نخرے سے مجھے پامال نہ کرنا۔ ایک وفا کی بات یہ بھی ہی کہ دوست کے دشمن سے دوستی نہ کرے۔

پندرہواں دوستی کا حق یہ ہی کہ دوست کو تکلیف نہ دے اور اُس سے تکلّف نہ کرائے اُس پر اپنا کوئی بوجھ نہ ڈالے ایسی فرمایش نہ کرے جس سے اُس کو مشقّت اُٹھانی پڑے۔ اُس کے جاہ و مال سے مدد کی درخواست نہ کرے۔ فقط یہ مطلب رکھے کہ اُس کی ملاقات سے جی خوش ہو آپس کی مدد سے ایک دوسرے کا بوجھ ہلکا ہو۔ بعض اکابر کا قول ہی کہ جو کوئی دوستوں سے ایسی چیز کی خواہش کرے جس کی خواہش وہ اس سے نہ کریں تو اُن پر ظلم کرتا ہے اور جو شخص

ویسی ہی چیز کی خواہش کرتا ہے جیسے وہ خواہش کرتے ہیں تو ان پر شفقت ڈالتا ہے اور جو کوئی ان سے درخواست نہیں کرتا ہے وہ اُن سے سلوک کرتا ہے

کسی حکیم کا قول ہے کہ جو کوئی اپنے آپ کو دوستوں میں اپنی قدر سے زیادہ رکھے تو خود بھی گنہکار ہوگا اور وہ بھی گنہگار ہونگے۔ اور جو کوئی اپنی قدر کے موافق ان سے رہے گا تو خود مشقت اٹھائیگا اور انکو مشقت میں ڈالے گا۔ اور جو کوئی اپنی قدر سے کم ہو کر رہے گا وہ تو اپنے آپ اور اوروں سب آرام سے رہینگے۔ زیادہ تر ہلکا پھلکا رہنے کی صورت یہ ہے کہ تکلف کوتہ کر رکھے۔ ایسا تکلف دوستوں میں مکروہ ہے کہ اسکے موافق مدارات نہ ہو سکے تو عذر کرنے کی ضرورت ہو۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ آدمی میں پھوٹ تکلف ہی سے ہوتی ہے ایک دوسرے کے پاس جاتا ہے اور وہ اُس کے لئے تکلف کرتا ہے اور یہی تکلف باعث ترک ملاقات ہو جاتا ہے جن دوستوں کے لئے تکلف کرنا پڑتا ہے وہ گرانخاطر ہو جاتے ہیں اور اُن سے شرمانا پڑتا ہے جو بے تکلف دوست ہوتے ہیں اُن کے ساتھ آدمی ایسا ہی رہتا ہے جیسے تنہا ایسے ہی آدمیوں کے ساتھ دوستی کرنی چاہیے۔

(۷) اوپر کے بیان کا خلاصہ

ایک دوست کے حقوق دوسرے دوست پر یہ ہوتے ہیں اول جو چیز اپنے واسطے دوست رکھتے ہو اسکے واسطے بھی دوست رکھو اور جس چیز کو اپنے واسطے مکروہ جانتے ہو اُس کے واسطے بھی مکروہ جانو دوم جو چیز دوست کی آزردگی کا سبب ہو اُس سے پرہیز کرو اور اُس کی رضاجوئی اور فرمانبرداری کرو سوم اپنے نفس سے اپنے مال سے اپنی زبان سے اپنے دست و پا سے اُسکی یاری اور مددگاری کرو چہارم دوست کی آنکھ بن۔ اُسکے لئے آئینہ بنجا کہ اگر کوئی عیب و نقصان اُس میں ہو تو صداقت اور یاری کی وجہ سے نہ از روئے طریقی و خاطرداری کے اُس پر مطلع کرے پنجم جب تک تو سیر نہ ہو کہ وہ گرسنہ ہے اور سیراب نہ ہو جب تک وہ تشنہ رہے۔ جامہ نہ پہن جب تک کہ وہ ننگا ہو یعنی خورش و پوشش میں اُس کو اپنا شریک حال بنا

اور اس کی برہنگی اور گرسنگی سے چشم پوشی نہ کرے ششم اگر دوست پاس خدمت گار نہ ہو تو اپنا نوکر بھیجکر اسکے کھانے پینے کپڑے دھونے فرش بچھانے کا سرانجام کرادے ہفتم اسکی تسلیم کو سچ جانے اور جب وہ دعوت میں بلائے تو جائے بیمار ہو تو عیادت کرے اگر مرجائے تو اس کے جنازہ پر جائے۔ جب اسکی کوئی حاجت معلوم ہو تو پہلے طلب سے اس کی حاجت روائی کردے دوستی ان حقوق کی رعایت پر موقوف ہے۔ اگر ان حقوق پر عمل ہو تو دوستی راست اور دعویٰ دوستی بجا ہے ورنہ محض لاف اور سراسر کذب خلاف ہے۔

(۸) عشق

عشق کو جو افراط محبت کا نام ہے ایک گروہ امراض شہوت میں شمار کرتا ہے اور انواع امراض میں تباہ ترین بتاتا ہے۔ وہ ایک شخص معین کی طلب میں استیلا کا نام ہے۔ مگر یہ عشق بہیمی ہے عشق طلب لذت کی یا طلب خیر کی افراط کا نام ہے۔ اول صورت عشق بہیمی کی ہے وہ مذموم ہے اور دوسری صورت عشق نفسانی کی جو محمود ہے۔ اب جوانوں کی صداقت محبت لذت پر موقوف ہوتی ہے اور لذت سریع الزوال ہوتی ہے اسیواسطے ان کی صداقت معرض تبدل میں ہوتی ہے دانایوں کی صداقت محض خیر ہوتی ہے خیر ایک ثابت غیر متغیر چیز ہے اسلئے ان کی مودت تغیر زوال سے مصون ہوتی ہے عشق نفسانی کا مبدا تناسب روحانی ہوتا ہے۔ وہ رذائل میں داخل نہیں بلکہ فضائل میں جب عشق کا خورشید جہاں فروز روشن ہوا۔ روح انسانی کی افق پر سے تمام ظلمات کثائف طبیعت غائب ہوگئے۔

حکما کا قول ہے کہ تین چیزیں سبب جودت ذہن و لطافت نفس کی ہیں۔ ایک عشق عفیف۔ دوم فکر لطیف سوم سماع وعظ۔ مگر اکثر آدمی عشق کو شہوات جسمانی اور لذائذ شہواتی سے جانتے ہیں اور اس لئے وہ ہوائے نفسانی کی قید میں اسیر ہوتے ہیں اور اپنی طبیعت کی اطاعت سے نہیں باہر ہوتے وہ فسق کا نام عشق رکھتے ہیں ہوس کو محبت کہتے ہیں صفت بہیمی کا نام کمال انسانی جانتے ہیں شہوت کی غلامی کو آزادی آزادگان الٰہی جانتے ہیں

عشق ہی میں لذت مبدء حرکت شہوت ہوتی ہی اور میل شہوانی بھی ہوتا ہے۔ اس عشق
میں عاشق معشوق کو بہ نسبت لذت کے دوست رکھتا ہی معشوق عاشق کو اپنے نفع کے لئے
اور اُن میں شکوہ و شکایت کا سبب ہوتا ہی کہ طالب لذت تو استعجال اس کے استیفاء میں
چاہتا ہے۔ طالب منفعت اسکو موقوف اپنے حصول مطلوب پر رکھتا ہی۔ اس واسطے ان میں
توافق کمتر ہوتا ہی۔ اسی سبب سے عشاق متشاکی و متظلم ہوتے ہیں اور حقیقت میں خود ظالم ہوتے
ہیں کیونکہ اپنے استیفاء لذت نظر اور وصال میں تعجیل کرتے ہیں اور اس کی مکافات
منفعت سے نہیں کرتے۔ اس قسم کی محبت کو محبت لوامہ یعنی جو ملامت کے قریب ہے کہتے ہیں
پس جو ایسے عاشق ہوتے ہیں وہ صدق سے دور ہوتے ہیں۔ ہیزم تر کی طرح دھواں اٹھاتے
ہیں نور نہیں رکھتے۔ جیسے جام کو خبر نہیں کہ کیسی شراب اس میں ہے۔ مینڈک کو یہ اطلاع
نہیں کہ کونسا دریا ہے۔ ایسے وہ نہیں جانتے کہ عشق صادق کیا ہوتا ہے۔ وہ عشق روح سے
متعلق ہوتا ہی۔ حواس کی شراب تلخ کو پی لیتا ہے وہ شیرینی عالم سے منھ پھیر لیتا ہے۔ وہ
اپنی جان عشق ہی کو جانتا ہے۔ وہ زندہ دل غم دل سے ہوتا ہے۔ وہ کشتہ حق ہوتا
جو دوست کی طرف سے تیر آنکھ میں لگتا ہی اُس کا وہ منت پذیر ہوتا ہے۔ وہ شاہد معنوی
کی صورت پر عاشق ہوتے ہیں۔ کوئی شخص رخ خوب سے جدا دیکھتا ہے وفا نہیں دیکھتا۔ زینت
زیبا کا جمال اس کے لئے وبال ہوتا ہی۔ وہ سیمبر جو چاند کا ٹکڑا رکھتے ہیں اُن کی زلف سیاہ
جان کے لئے عقرب ہی۔ وہ ظاہر میں دل کی چشم و چراغ معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقت
داغ دل ہوتے ہیں وہ مایہ مہر معلوم ہوتے ہیں مگر کینہ جو ہوتے ہیں دشمن جان ہوتے ہیں ایسے
اور دوست دکھائی دیتے ہیں اگر انکا دیدہ شہوت گرا نہ ہو تو صنع خدا سے بہتر کوئی چیز ان کے
دیکھنے کے واسطے نہیں ہے۔ جو معشوق کو شہوت کی نظر سے دیکھتا وبال ہوتا ہے۔ قند جیسے
شراب ہوتا ہی تو پھر حلال نہیں رہتا۔ رخ نامحرم کو ایک نگاہ سے دیکھنا حرام نہیں ہے جیسے
گل لالہ کا دیکھنا جس کو خدا پاک حسن عطا کرتا ہی رخسار بتاں دیکھنا اُن کو منع نہیں ہے جنکی آنکھ میں

نظر پاک نہیں بہتر ہے کہ اس کا سرمہ خاک ہو۔ دل جب رخ خوب کی تمنا کرتا ہے۔ دیدہ ناچار اُسکا تماشا دیکھتا ہے۔ دل عشق سے ایسا آوارہ ہوتا ہے کہ دیدہ نہیں جانتا کہ میں نظارہ کرتا ہوں جسم صنم میں نمک زیادہ ہوتا ہے اُسی سے خستہ دلوں کا دل زیادہ زخمی ہوتا ہے۔ نکوئی رنگ و پوست کا نام حسن نہیں ہے بلکہ جو کچھ دل میں جگہ کرے وہی نیک حسن ہے۔ رنگ و صفائی سے عشق نہیں ہوتا بلکہ ناز و کرشمہ بلا دل ہوتا ہے۔ جو عشق رنگ پر ہوتا ہے وہ آخر کو ننگ ہوتا ہے مُردوں کے ساتھ جو عشق ہوتا ہے وہ دیرپا نہیں ہوتا اس لئے کہ مُردہ کی آیندہ آنے کی امید نہیں رہتی۔ زندہ کا عشق رواں و بصر کو ہر دم غنچے سے زیادہ تر و تازہ رکھتا ہے پس تو اس زندہ کا عشق قبول کر جو مُردہ نہیں ہوتا جس دل میں یہ آتش عشق الٰہی خانہ گیر ہوئی تو وہ اپنے تئیں شعلہ سے نہیں بچاتا۔ یہ فیض عشق انھیں کو پہنچتا ہے جو اُس کے اہل و قابل ہوتے ہیں آئینہ و آب میں عکس پڑتا ہے۔ گل و سنگ میں نہیں دیدہ خود کچھ نزدیک و دور نہیں دیکھتا جب اس قابل ہوتا ہے کہ نور اس میں ہوتا ہے۔ جب معشوقوں سے وصال ہوتا ہے تو اُن کی قدر نہیں رہتی +

اشعار +

دوست بصحبت چو فراواں بود — خوار بود گر ہمہ سلطاں بود
آنکہ لقب خسرو شاہش کنند — زالست کہ از دور نگاہش کنند

خدا اسی سبب سے عزیز ہے وہی عشق کے لائق ہے۔

(۹) مرافقت و موافقت رفقا و معاونت و مساعدت اقربا

جتنے آداب نکوکاری کے ہیں ان سب میں یاری کا ادب اول ہے اسلئے کہ کوئی دنیا میں برنا و پیر ایسا نہیں کہ جس کو یار ناگزیر نہیں پس انسان یاری کے دامن کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اسلئے لازم ہے کہ ایسے یاروں کی صحبت تلاش کرے جو ہمیشہ قائم رہے جس ہمدمی کی اُمید دراز نہ ہو تو اُس کا حال ایسا ہے جیسے سفید بالوں پر خضاب کہ اس کا رنگ خواہ کیسا ہی آب و تاب رکھتا ہو لیکن وہ بالوں کا خود اصلی رنگ نہیں ہوتا۔ یہ رنگ تکلف پانی سے دور ہو جاتا ہے

جو صحبت دیرپا ہے وہ خلل پذیر نہیں جیسے سفید دیدے سر سے سیاہی پذیر نہیں جو صحبت دیرپا
نہیں اُس کا حال ایسا ہی جیسا اس گھر کا جس کی بنیاد خشت خام کی ہوتی ہو وہ دو تین برسات
میں پست ہو جاتا ہے۔ جو شخص یاروں کی صحبت کا حق پہچانتا ہے وہ اپنی زندگی اس میں صرف
کر دیتا ہے۔ وہ وفادار دوست سر تا مغز مثل پستہ کے بنتا ہے۔ وہ کھجور کی طرح اوپر مغز اندر استخوان
نہیں ہوتا۔ اپنے سے چھوٹوں کی صحبت اختیار کر اور اپنی ہمنشینی سے اُن کو خردمند بنا
عطار بن جا کہ جس کے پہلو سے اوروں کا جامہ معطر ہو۔ لہار کی بھٹی نہ بن کہ دور ہی سے
دھوئیں سے شرارے اوروں پر پڑیں۔ آدمی نیک خوئی کے سبب سے خوش گوار ہوتا ہے
بدخو خس کی طرح آتش میں پھینکنے کے لائق ہوتا ہے۔ اس عالم میں جو ہم نفس ہوتے ہیں وہ
اکثر حقوق صحبت سے محرم نہیں ہوتے۔ تیرے منہ پر شاد ہوتے پیچھے پیچھے یاد نہیں کرتے۔ یار
وفادار ایسا ہوتا ہے جیسے کہ مٹھی میں تلوار کہ سب طرف سے گوہر رکھتی ہے جیسے آگے ویسے
پیچھے۔ آئینہ کی طرح نہیں ہوتا کہ رو کچھ پشت کچھ۔ یوں مشرق مغرب میں سارے ہم دم بھرے
ہوئے ہیں مگر جیسے کہ چاہئے کم ہیں سبز شیشہ اگرچہ زمرد کی مانند معلوم ہوتا ہے مگر جو گوہر
شناس ہے وہ اسے پہچانتا ہے۔ ایسے ہی جو دوست شناس ہیں وہ ہر شخص جو ان کو سلام
کرے اصل دوست نہیں جانتے۔ ہر صدف میں گوہر شاہوار نہیں سمجھتے۔ اس روزگار میں ایسا
یار کہ وہ حقیقت میں یار ہو نہیں مل سکتا۔ جب تک تو کسی نااہل دوست سے فریب نہیں کھاتا
اہل و نااہل میں تمیز نہیں کر سکتا۔ تیرے گھر میں منافق یار کتوں اور بندروں کی طرح بھرے
ہوئے ہیں ان کو نکال تاکہ عالم کی شترگربگی سے تجھے نجات ہو۔ کمینہ دوست دشمن سے
بدتر ہوتا ہے۔ وہ خنجر ایسا ہوتا ہے جو جلاد سے بھی زیادہ بے شرم ہوتا ہے۔ اسلئے وہ اپنے بدن
کو کاٹتا ہے یہ غیر کے تن کو۔ اسکے دل میں کچھ ہوتا ہے زبان پہ کچھ اگر تیرا دوست تیرہ درون
اور بظاہر دوستی کی شیخیاں مارتا ہو گو وہ مثل گل لالہ ہی کے کیوں نہ ہو تو اس کو ہوا میں
اُڑا دے۔ منافق دوست جو زاغ دل ہیں اُن کو قفس میں بند کر دے بلبل کا معزز اور الو کا

اُن کو کھلا دے۔ جو یار کج اندیشہ ہوتا ہے خواہ اُس کو اپنی آنکھوں پر ابرو کی طرح بھی بٹھائے تو
بھی وہ کج ہی رہے گا۔ تو کسی سے مروت کا خواہاں نہ ہو خواہ تیرا قرۃ العین (بیٹا) ہی کیوں نہ ہو
آدمی آدمیت اور مردمی کے سبب سے آدمی ہوتا ہے کچھ سر و گوش سے نہیں ہوتا۔ درخت میں گو
بالقوہ تخت و کرسی بنانے کی قابلیت ہوتی ہے مگر جب تک وہ درخت تخت و کرسی نہ بنائے
کندہ ناتراشیدہ ہے۔ ایسے ہی آدمی جب تک مردمی نہ کرے وہ آدمی نہیں جو عود خوشبو نہ دے
وہ ہیزم ہے عود نہیں یاروں کو یار کا لطف ترش روئی کے ساتھ خوشگوار نہیں ہوتا۔ اگر میزبان
تلخی کرے تو مہمان کو فاقہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اگر اندھا پاسبان ہو تو خفتہ نگہبان سے بہتر
لگتا ہے۔ انسان جسکی طبیعت دوست خو ہوتی ہے وہی دوست ہوتا ہے۔ تکلف سے دوست نہیں
ہوتا۔ آئینہ میں تیرا عکس گو تجھ ہی جیسا ہوتا ہے مگر وہ تیری صورت ہوتی ہے تو نہیں ہوتا۔
ایسے ہی دوست منافق گو صورت میں یار موافق معلوم ہو مگر اصل میں وہ دوست نہیں ہوتا۔
جب پانی ملوث ہو تو وہ پانی سے صاف نہیں ہوسکتا۔ ایسی مکر کی دوستی بے ریا دوستی سے
نہیں درست ہوتی۔ جو دوست غم و شادی میں تیرا یار ہو اُس کو دوست شمار کر۔ دنیا میں بہت
کم کار ایسے ہیں کہ بے یار کے ہو سکیں پس اگر کوئی یار تیرے کار میں نہ ہو تو افسوس کی بات ہے
غرض یوں یار تو بہت ہوتے ہیں مگر ایسے یار جو تیرا یار سچے ہیں تھوڑے ہوتے ہیں دوستی
خون کی گرمی سے پیوند جان ہوتا ہے۔ زبان سے پیوند جسم۔ خدا اُس کو نظر بد سے بچائے
جو یاروں کے لئے اپنی جان کو سپند بنا دے (فنا کر دے) جو یار دل سوز نہیں وہ کسی کام کا
نہیں۔ ایسے آدمی کی طرف میل کر کہ جس میں صفائی ہو۔ گل رنگیں نما پر فریفتہ نہ ہو۔ آئینہ وہی بہتر
ہے کہ جو لوہے سے بنتا ہے جو اصل میں تیرہ ہوتا ہے مگر صیقل سے صاف ہو جاتا ہے۔ سونا آئینہ
نہیں بنتا گو کتنا ہی چمکتا ہے غرض دوست بنانے میں انسان اور شیطان کی تمیز کرنی چاہیے
جس کا بنگلا جیسے چاہے پنچھی کو نہیں بیٹھنے دیتا ایسا ہی سنگدل کسی دوسرے کا کام نہیں بننے دیتا
اگر کسی حاسد دوست کو تو اپنے دسترخوان پر بٹھائے تو وہ اُسے دیکھ کر جل جائے گا۔ نان

نان اتنی نہیں کھائے گا جتنا کہ غم۔ قدح خوشگوار اتنا نہیں پیئے گا جتنا اس کو خمار ہوگا نہ کباب اتنے کھائے گا اور نہ شراب اتنی پیئے گا جتنا وہ اپنا جگر اور خون جگر کھائے پیئے گا۔

نمک سے شراب حرام حلال ہو جاتی ہے۔ مگر یہ گندہ نمک نمک کھلانے سے اور زیادہ تلخ کام ہو جائیگا۔ جو حاسد ہیں وہ دوستوں کو دیکھ کر یوں جلتے ہیں اور جو کریم ہیں وہ مہر و نوازش ایسی کرتے ہیں کہ جیسے درخت تبر زن پر۔ کہ وہ اُسپر کلھاڑی مارتا ہے اور یہ اُس پر سایہ ڈالتا ہے یا جیسے کہ گل کہ عود اُس کو آگ پر رکھتا ہے اور وہ اپنی سوزش سے گلاب کی خوشبو دیتا ہے اگر تیرا ہمسروں پر پایہ بلند ہو جائے۔ تو اپنے ہم نشینوں سے آگے نہ بڑھ۔ اور اپنے قریبوں سے منہ نہ پھیر صحبت دیرینہ کو نہ چھوڑ اور تکبر کو سینہ میں جگہ نہ دے۔ جو تیرے دوست مفلس ہوں اُن کی پرسش کر۔ جو نامرد ایسے ہوں کہ کوئی اُن کو نہ پوچھے تو اُن کی پرورش کر۔ تو آہوئے صحرا نہیں کہ وہ اپنا مغز بادشاہ کے واسطے خورش بناتی ہے تو اپنے پوست کو درویشوں کے حوالہ کرتی ہے۔ تو ماہی نہ بن کہ باوجودیکہ سرتاپا ورم میں غرق ہوتی ہے مگر اپنا لقمہ کسی کے منہ میں بے خار نہیں دیتی۔ افسوس اُس مدبر ناقص عیار پر ہے کہ اپنے اقبال میں یار کو بھول جائے تو صندل کا درخت بن جب بلند ہوتا ہے تو اپنے پاس کے سو درختوں کو خوشبودار کرتا ہے بید کا درخت نہ بن کہ خواہ کتنا ہی بلند ہو مگر سایہ نشین کو اپنے پتوں سے تلوار ہی لگاتا ہے جب تک تیری گٹھڑی میں متاع ہو اُسکو باہر رکھ کیونکہ اُس کے خریدار موجود ہیں جو کچھ پاس ہو یاروں کو دیدے ورنہ روزگار تجھ سے خود لے لے گا۔ گو بختیاروں کی دولت بدبختوں پر نثار ہوتی ہے۔ مگر دل بہت سے ایسے ہوتے ہیں کہ اگر اُن کے پاس جہان بھی ہو تو بھی نان دینے میں کمی کرتے ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ اس دائرہ لاجورد میں کس نے دستگاہ پائی ہے کہ پا گم نہیں کیا جس سر میں تکبر کی ہوا سمائی اُس کا وہ حال ہوا جو کوے کا مُردار کی بو سے ہوتا ہے کہ اُس سے اُس کے مغز کو راحت اور دماغ کو فرحت ہوتی ہے۔ جسکے پاؤں تلے سیلاب سیم چلے پھر اُس کے پاؤں سلامت نہیں رہتے بعض امیر و نکو یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ پانچ

اور کمینے جو اُن کے گھروں میں کتّے کی طرح ریزہ خوری کرتے تھے جب اُن کو ثروت و وقعت وجاہ حاصل ہوا تو پھر اُن کی طرف نگاہ بھی نہیں کی۔ ان کے سلام کے جواب میں علیکم بھی نہ کہا۔ پہاڑ جو سنگ ہے اُس کو سلام کرو تو وہ جواب دیتا ہے مگر اُن پر ایسے پتھر پڑے کہ سلام کے جواب میں وہ پتھر سے بھی بدتر ہو گئے۔ غرض خدا جن آدمیوں کو مروت۔ فتوت۔ مردمی عطا نہیں کرتا وہ شیطان ہوتے ہیں اُن سے صحبت چاہنی خطا کرنی ہے۔ تجھے چاہیئے کہ تو اُنھیں کی طرف میل کر جو تیرے ساتھ وفا کریں۔ تیرے بلاؤں کے تیروں کی سپر بن جائیں۔ بے وفا دوستوں سے کتّا اچھا کہ وہ وفا بے ریا کرتا ہے۔ دنیا میں دوست بہت ملتے ہیں مگر وفادار کم ہوتے ہیں پس تو صحبت ان لوگوں سے کر جن میں صدق و صفا و وفا ہو +

(۱۰) عزیز و اقربا۔ اہل و عیال کے ساتھ نیک سلوک اور اقربا و بد کی تکالیف

اگر ایک خلف روشن پتھر تن سے پیدا ہو تو سمجھ کہ دولت و بخت تیرا پیدا ہوا ہے۔ وہ نالائقوں کو لائق بنا دیگا جیسے ایک خط سو صفروں کو جو بے کار ہوتے ہیں بے شمار بنا دیتا ہے انسان کی بڑی شہرت نیک اولاد سے ہو جاتی ہے جو اولاد صاحب اقبال ہوتی ہے اُس کی سب جگہہ عزت ہوتی ہے۔ ایک خلف رشید بہت ناخلف فرزندوں سے اچھا ہوتا ہے جیسے ایک میٹھا پھل بہت تلخ پھلوں سے بہتر ہوتا ہے۔ کتّے کے بہت پلّے پیدا ہوتے ہیں اور شیر کے کم مگر ایک شیر کا بچہ کتّے کے دس پلّوں سے اچھا ہوتا ہے۔ نالائق اولاد دھوئیں کی طرح ہوتی ہے کہ اُس سے آنکھیں تیرہ ہوتی ہیں نیک اختر اولاد مثل نور کے ہوتی ہے کہ اُس سے آنکھیں روشن ہوتی ہیں جو اولاد اپنے ماں باپ سے تنگ روشی سیکھتی ہے وہ اسی ناک کی ہوتی ہے جس کوزہ کا سوراخ تنگ ہو گا اُس میں پتلی دھار نکلے گی پس جنھوں نے بخل کی عادت ماں باپ سے سیکھی ہے وہ کشادہ دست کیسے ہو سکتے ہیں ہمیشہ ان کا کاسہ سیاہ اور مطبخ سفید رہے گا خلق جو کسی کی دعاگو ہوتی ہے وہ اپنے فائدہ کے سبب ہوتی ہے پس جن کے فائدہ سے

کچھ فائدہ نہیں اُن کا کون دعاگو بنتا ہے جو خالی چرب زبانی کرتے ہیں اور دیتے کچھ نہیں
اُن سے فراغ کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ چراغ پر دیگ نہیں پختہ ہو سکتی۔ جو کشادہ کف سخی ہیں
اُن کے گھر پر نقارہ ہمیشہ آدمیوں کو بلاتا رہتا ہے۔ جیسے گندم و جو بھرے ہوئے خوشے اس
سبب سے خالی رہتے ہیں کہ روٹی دینے کی صفت اُن میں ہوتی ہے۔ اسی طرح جو عزیزوں
کی دم بدم صلا کرتے رہتے ہیں اُن کی گرہ میں نقد ذخیرہ کم ہوتا ہے۔ تیرا باپ مشک ناب ہے
اور تجھ میں اُس کی بو نہ ہو تو تیرا اور اُس کا تعلق ایسا ہی جیسے کہ خطا و صواب کا۔ اگر تیرے
باپ میں جمال ہو اور تجھ میں وہ نہ ہو تو سمجھ لے کیا وہ اُس کا حق ہے تیرا اُس میں کیا رکھا ہے کچھ
ضرور نہیں کہ جو کریم ہوں اُن سب کی اولاد بھی عزیز ہو۔ تخم خیار (کھیرا) کے بیج بھی بہت سے
تلخ ہوتے ہیں جس شخص کے خویش و بیگانے بد بخت ہوتے ہیں اُس کا گھر خانۂ وبا ایسا
ہی ہوتا ہے جیسے لڑکی دولھن کا جہیز ویران وہ ہی ہوتا ہے جو کچھ تم اپنے خویشوں کو
دو اُس کی شہرت مت کرو۔ اُن کے دینے کی خبر فقط تیرے ہاتھ ہی کو ہو۔ یہ سفلوں کا کام ہے
کہ کسی عزیز کو ایک پشیز دیکر اپنی شہرت چاہتے ہیں اگر تو اپنے خویشوں میں بزرگ ہو گیا ہے
تو شمان بن نہ بیٹھ جا۔ جو تیرے قریب بڑے ہوں اُن کو بزرگ مان۔ اُن پر احسان کر
مگر منت اُن کے سر پر نہ رکھ بلکہ ان کی منت اپنے اوپر مان۔ تجھے ماں کے پاؤں چومنے
چاہییں۔ باپ کا روپیہ اُس کے منہ پر نہیں مارنا چاہیے۔ اگر تو اس کو شہد کھلائے اور پھر سکے
زبان پر لائے تو وہ زہر ہے۔ نشتر لگانے سے یہ بہتر ہے کہ اول سے شکر ہی نہ کھلائے
اگر تیرے ناخن انگلیوں سے بڑھ جائیں اور آزار پہنچائیں یا آنکھ کے اندر بال نکل آئیں جو
زیادہ آنسو بہائیں اُن کا کاٹ ڈالنا ہی بہتر ہے۔ اسی طرح اگر قرۃ العین تیرا آزار دہ ہو تو
رو کر اُس سے ہاتھ دھونا ہی اچھا ہے۔ اندھوں کے ہاتھ میں عصا دینا چاہیے یعنے جو اقارب
محتاج ہوں اُن کی مدد کرنی لازم ہے۔ مگر جو کور دل ہوں اُن سے منہ پھیر لینا چاہیے
وہ رگ کج رشتۂ پیچاں ہے جو شکم سے ہی سیدھا ہو گا جس اولاد میں باپ کی بزرگی

ہنسلی کی رگ پائی جاتی ہے وہ معظم ہوتا ہے جیسے کہ رشتہ تعویذ سے مکرم ہوتا ہے باپ کے ساتھ
تکرار نہیں کرنا چاہیئے جس کی جان کا تو ایک پارہ ہے اور اسی کے چشمۂ حیوان کا ایک قطرہ۔
وہ تو اپنی جان بھی تیرے لئے دریغ نہیں رکھتا ہے افسوس ہے کہ تو نان اس سے دریغ رکھے
خوب سمجھ لے ماں نے جو تیرے لئے رنج کھینچے ہیں اُس کی ایک رات کے رنج کا معاوضہ تو
دونو جہان سے نہیں کر سکتا۔ اُس نے اپنا خون تجھے دودھ بنا کر پلایا ہے۔ اور تیرے لئے
بہشت کی جوئے شیر بہائی ہے۔ اور اس محنت میں خود خستہ ہو کر پیر فرتوت بنی ہے۔ اگر تو
اپنے ماباپوں کا دل خستہ نہیں کرے گا تو تیری اولاد بھی تجھے آزار نہیں پہنچائے گی۔ اگر تو
اپنے باپ کی آنکھ میں کانٹا چبھوئے گا تو یہی حال تیرا بیٹا کرے گا۔ اگر تو باپ کے ساتھ
ہدرگ نہیں ہے تو تیرا لڑکا بھی سگ تیرے لئے نہیں بنے گا۔ جو آدمی ہوتے ہیں وہ نیش و جراحت
کب لگاتے ہیں یہ کام تو مار و کژدم کا ہے۔ اگر تو بد ہوگا تو تیری اولاد بد تر ہوگی۔ سانپ
جب اپنے بچوں کو کھاتا ہے تو اُس کے بچے بچہ خوار ہوتے ہیں۔ جو درخت خود خار پیدا کرتا
ہے وہ اُن کا نشتر کھاتا ہے۔ پس تو اپنے آپ باپ اور بزرگوں کا ادب کر کے لڑکے کو پہلے
ہی سے ادب سکھا۔ نئی کنگھی چرب کرنے سے درست ہوتی ہے کہ بالوں کو نہیں توڑتی
پرانے ہوئے پر پھر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ ایسا ہی لڑکوں کا حال ہوتا ہے کہ ابتدا میں درست ہو سکتے
ہیں۔ اولاد بد کو تو امر و نہی کی کش مکش میں نہ ڈال۔ آنکھ سے ناخنہ کو ناخن سے نکالتا ہے
اس سے کچھ فائدہ نہیں کیونکہ جو بد ہوتے ہیں وہ باپ کی بات نہیں سنتے اپنی بات سنتے
ہیں۔ بڑا بیٹا باپ کی باتوں پر جز و ش کرتا ہے باپ اسلئے باتوں کے سننے کے لئے ہمہ تن
گوش بنتا ہے۔ اولاد اگرچہ خاکستر ہی کیوں نہ ہو مگر مادر و پدر اُس کو اپنی آنکھ کا سرمہ بناتے ہیں۔ اگرچہ
بدکاری سے اُن کی آنکھوں میں خون اترتا ہے مگر وہ آنکھ کی پتلی کو دور نہیں کر سکتے۔ اگرچہ
آنکھوں میں درد ہو مگر درد کے لئے آنکھ تو نہیں نکالی جاتی۔ یہ میوہ دل (فرزند) میوہ جان
ہوتا ہے۔ اس سے دور رہنا گراں ہوتا ہے جنکے اولاد ہوتی ہے وہی جانتے ہیں کہ اُن کی

پرورش میں کیا دشواری ہے جسکے اولاد نہیں ہوئی وہ کیا جانے کہ کیا ہوتا ہے۔ بانجھ عورت
جننے کی مصیبت کو کیا جانتی ہے۔ غرض یہ مہر مادری ہے جو تمام عالم آباد ہے۔ اگر وہ اولاد کا رنج
نہ کھینچتیں تو یہ دہر جانوروں سے کبھی پر نہ ہوتا۔ جو اولاد تجھسے پوست میں جانور ہوئی ہے وہ تیری
دشمن جان ہے اگر غور سے دیکھے۔ آدمی اپنے سینہ سے خود اپنا دشمن پیدا کرتا ہے۔ اُس کے
منہ میں تو لقمہ رکھتا ہے جسکے لئے وہ کچھ تکلیف نہیں دکھاتا کبھی اُس کا منہ لقمہ سے خالی نہیں
چاہتا ہے۔ تو یوں اُس کے لئے جان مارتا ہے تیری جان جانے کے وقت ورثہ لینے کو تیار ہوتا ہے
اسلئے کہ بچہ کو چین ہو ماں رنج و تکلیف اُٹھاتی ہے۔ اُس کی پرورش کے ناز اُٹھاتی ہے۔ ہمیں
خدا وہ دن نہ کرے کہ پیرانہ سری میں باپ بندۂ فرزند روٹیوں کے لئے بنے۔ ایک پدر دس
پسر کو آسودہ رکھتا ہے۔ مگر دس پسر ناخلف ایک پدر کو گھر سے باہر نکال دیتے ہیں کم بخت و بدنصیب
اولاد کا سا حال کُتّے کا سا ہوتا ہے کہ جب وہ غصہ ہوتا ہے تو بھائی کے منہ میں سے لقمہ کو
نکال کر خود کھا جاتا ہے۔ ایک گروہ جس کو آدمی خویش و اقارب کہتا ہے اگر وہ بد ہو تو اُس کی
یہ مثل صادق آتی ہے کہ الاقارب کالعقارب۔ وہ کژدم کی طرح نیش زنی کرتے ہیں جس کسی
ایک دوسرے کے عیب جو اور زشت گو ہوتے ہیں۔ خویش مثل ریش ہوتے ہیں کہ جتنی اُس کی
کاوش کیجئے اتنا ہی رنج زیادہ ہوتا ہے۔ اگر گھر میں دختر و خواہر ہیں تو اُن کے لئے داماد کا
تلاش کرنا اور پھر سب جہیز کا سامان کرنا عذاب جان ہے۔ بڑے بھائی سے دوست اچھا ہوتا ہے
اور چھوٹا بھائی ہے تو وہ چاہتا ہے کہ بڑا بھائی باپ بن کر میرے نخرے اُٹھائے۔ اگر بڑا بھائی
ہے تو وہ چاہتا ہے کہ چھوٹا بھائی میرا غلام رہے۔ سگ باش برادر خُرد مباش۔ جب تک
باپ زندہ ہے بھائی و مساز ہیں جب وہ مرجائے تو خصم و انباز ہیں اگر آدھا آدھا حصہ ورثہ کا
تقسیم ہو گیا تو خیر ہے ورنہ پھر ایک دوسرے کے دو ٹکڑے کرنے کو موجود ہیں۔ غرض بُری
برادری سے سوا خون جگر کھانے اور دلی رنج اُٹھانے کے اور کچھ نہیں حاصل ہوتا۔ فرزند بد کا
تو اپنا عدو پالنا ہے جو زندگی میں مال چھین کر لے جائے اور مرنے پر تو اب جسکی اولاد بد ہوئی اُس

طالع نحوس ہوگیا۔ اگر لڑکے بد ہوئے تو تمام گھر کی عزت گئی۔ اگر زن بد گھر میں ہے تو پھر گھر
جہنم ہے۔ عم وخال جو ہوتے ہیں وہ تیرے جاہ ومال کے خواہاں ہوتے ہیں ظاہر میں تو وہ
گربۂ مسکین کی طرح تیرے دسترخوان پر بیٹھتے ہیں لیکن اندر ہی اندر وہ موش سے زیادہ
دسترخوان کو کترتے ہیں عم جو بدگو ہر ستم ہو سو وہ عم نہیں ہے درد و غم ہے۔ اپنی بڑائی
کے لئے کہتے ہیں کہ ہم تیرے باپ ہیں مگر پرورش کے وقت وہ تجھ کو گھر سے نکال دیتے ہیں
حکم کرنے میں یگانے بنتے ہیں مگر دینے میں بیگانے۔ غرض عم ہو خال وبال ہے۔ ان سے
بچ خال تیری ماں کی میراث کو خالی کرنا چاہتا ہے۔ اگر تیرے پاس زر ہو تو وہ تجھ سے
اپنا رنگ جاتے ہیں اور اگر تو مفلس ہو تو تجھے ننگ کہتے ہیں جب تیرا کام بنا ہو تو تجھے
خواجہ کہتے ہیں جب کام بگڑ جائے تو غلام زادہ۔ اگر مال ہے تو تجھے شاہزادہ بناتے ہیں
اگر بدحال ہو تو کنیزک زادہ کہتے ہیں کسی سفلہ سے قرابت قریبہ ہو تو اس سے بدتر ہے
کہ جنگل کے چوہے دکان میں آجائیں۔ اگر وہ صاحب مال ہو گئے تو اپنا نام خدا رکھتا ہے
اور خال وعم کو گدا کہتا ہے۔ پدر پسر سے دربانی کراتا ہے۔ جب مال اور حکومت دونوں
جمع ہو جاتی ہیں تو بیوی۔ دوست۔ گھر سب کو بدل ڈالتا ہے وہ زبردستی اپنے رشتہ دار
کو بلاتا ہے اور اپنی شیخی بگھارتا ہے کہ وزیر اور بادشاہ اس کے حال پر ایسے مہربان ہیں
رشتہ دار بھی روٹیوں کے لئے کبھی اس کے مزدور بنتے ہیں کبھی غلام۔ جب عزیز واقارب
بد ہوتے ہیں تو ان سے یہ تکلیفیں پہنچتی ہیں۔

(۱۱) عشق

عشق بھی کیا دلبر اور دل ربا ہے۔ آب آتش فروز اور آتش آب سوز ہے۔ جس دل میں یگانگی
نہیں وہ ایک مرغ خانگی ہے جس کے پر ہیں مگر وہ کسی بلندی پر نہیں اڑ سکتا بس دانہ کھا لیتا
اور اپنے گھر کے گرد پھر لینے کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا معشوق کا عشق اختیاری نہیں ہوتا ہے
عشق کی راہ میں عقل دیوانہ ہے۔ اسلئے عاشقی کار فرزانہ نہیں عقل وجان پر عشق برتری رکھتا

مرد صورت پرست پر عشق معنی پسند غالب ہوتا ہے اُس کو کفش و دستار و زنار کی کچھ خبر نہیں رہتی
وہ ہر ہنر سے عشق کو بہتر سمجھتا ہے۔ عشق ہی کو اپنا تاج سر جانتا ہے عقل کو طوطی و عشق کو
بوتیمار بتاتا ہے۔ عشق کی گلی میں عقل اندھی ہوتی ہے۔ شعلۂ عشق لاابالی ہوتا ہے عقل
نقد حالی کی تلاش میں ہوتی ہے۔ غرض عشق و عقل میں ہمیشہ سے بیر چلا آتا ہے۔
عقل میں بالغ بہت ہوتے ہیں مگر عشق کے مزہ سے بہت کم لوگ آشنا ہوتے ہیں۔
عقل و نفس و طبیعت کا حال عشق کے مقابلہ میں یہ ہے کہ نفس نقش ہے عقل نقاش ہے
طبع گردھنی عشق فراش ہے۔ جب عقل نقش کرتی ہے تو نفس امارہ دور ہو جاتا ہے اور جب
عشق منہ دکھاتا ہے تو طبیعت مردہ ہو جاتی ہے۔ اس عالم اسباب میں آدمیوں کو اپنی
شراب و جام و خواب سے عشق ہوتا ہے۔ جہاں شوخی و خوشی ہوتی ہے وہیں اُن کا دل
لگتا ہے۔ عبادت کی بھی خواہش اسلیئے ہوتی ہے کہ اُس سے بہشت کی امید ہوتی ہے
جس میں اکل و شرب موجود ہے می و شیر و عسل کی ندیاں اُس میں رواں ہیں۔ دنیا کے رنج و
تعب ساری ملبوس و مطعم و مشرب کے ہیں کوئی آدمی دنیا میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ اُس کو
خدا سے عشق ہوتا ہے۔ وہ اس کی رضا و تسلیم میں سر رکھتا ہے جو کچھ وہ کہتا ہے اُس کو خیر
جانتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ عالم خدائے عزوجل کا ہے اُس میں مجھکو کچھ دخل نہیں اُسکی
حکمت میری دعا کی اجابت کی مانع ہوتی ہے۔ بہت سی چیزیں ظاہر میں خوب معلوم ہوتی
ہیں مگر وہ باطن میں معیوب ہوتی ہیں عقل اس کا ادراک نہیں کر سکتی ہے۔ جو کچھ خدا
کرتا ہے وہ خوب ہوتا ہے ہمارے حکم سے کب باد ہماری کشتی کے بادبان کو چلاتی ہے
خدا ہمارے کہنے میں کب چلتا ہے۔ جو کچھ دنیا میں سوز و ساز ہے اُس میں خدا تعالی کا ایک
راز ہے جو انسان کو نہیں معلوم ہوتا۔ قضاء الہی پر آہ کرنا فرومایہ اور گمراہ کا کام ہے
جو قضا کے ساتھ رضا نہیں کہتا بخدا وہ خدا کو نہیں پہچانتا۔ تن و جان می قضا کے
مست ہونی چاہئے۔ دل کو سو شکر بھیجنے چاہیئں خدا کا حکم و تقدیر بلا نہیں ہوتی۔

جو کچھ وہ دیتا ہی عطا ہوتی ہے۔ عشق الہی اسی کا نام ہی جو کچھ وہ کرے اُسی سے آدمی خوش ہو

(۱۲) عشق

خوشتر آن باشد کہ سرِّ دلبران گفتہ آید در حدیثِ دیگران

دل میں عشق ایک چنگاری ہے جو کبھی بجھتی نہیں وہ ایک بیماری ہی جو سوداو صفرا سے نہیں پیدا ہوتی۔ اس کا پانا نہایت دشوار ہی۔ اگر آدمی کے پانوں میں کانٹا چبھہ جاتا ہی۔ تو وہ گھٹنے پر رکھہ لیتا ہی سوئی لے کر تلاش کرتا ہے جب وہ ملتا ہی تو اپنے لب سے تر کرتا ہے اُسے نکالتا ہی جب پانوں کا کانٹا پانا اتنا دشوار ہو تو دل میں جو کانٹا چبھا ہو اُس کا دریافت کرنا کیوں نہ دشوار تر ہوگا۔ جیسے لکڑی کے دہنوئے کی بو لکڑی کو بتلادیتی ہے ایسے ہی یہ دل کی بیماری اپنے سبب کو بتلاتی ہی۔ علت عاشق اور علتوں سے جدا ہوتی ہے عشق اسرار الہی کا اصطرلاب ہی عشق ہی سے خود عشق اور عاشقی کا بیان ہوتا ہی آفتاب ہی دلیل آفتاب ہوتا ہی+

(۱۳) محبت کیا کرتی ہے

محبت کیا کرتی ہے تلخ کو شیریں۔ مس کو زر۔ دُرد کو صافی۔ درد کو شافی۔ خار کو گل۔ سرکہ کو مُل۔ دار کو تخت۔ سنگ کو روغن۔ آہن کو موم۔ سقم کو صحت۔ قہر کو رحمت مردہ کو زندہ۔ شاہ کو بندہ۔ غم کو شادی۔ غول کو ہادی۔ نیش کو نوش۔ شیر کو موش غرض محبت نتیجۂ دانش ہے+

(۱۴) تودُّد و تالُّف

تودد و تالف سے مراد خلق خدا کے ساتھہ شفقت سے ملنا ہی۔ دُنیا میں یہ ملنا ہی بڑی چیز ہے۔ یار یار سے کسب کمال کرتا ہی۔ جاہ و جلال حاصل کرتا ہے۔ یار یار کے ساتھہ ہم جان و ہم تن ہوتا ہے۔ روح و بدن کا سا پیوند اِن میں ہوتا ہی۔ تن جان سے زندگی اندوز ہوتا ہی جان تن کو بندگی آموز ہوتی ہے۔ تن بے جان مردار ہی اور

جان بے تن بے کار ہے۔ صحبت ہی سے گل کی پانی گلاب بنتا ہے۔ گل و ریحان پر جب صبا چلتی
ہے تو تیری دماغ کو معطر کرتی ہے۔ جب خس و خار پر چلتی ہے تو تیری آنکھ کو افگار
کرتی ہے۔ جب تو لوگوں کی صحبت میں نشست کرے۔ تو بزرگوں کی صحبت میں ادب سے بیٹھ
اور ان نیک بد کو نیک ہی خیال کر۔ کیونکہ وہ بد کام کرتے ہی نہیں اُن کی باتوں سے
ایمان اور دین کو سیکھ۔ رفیقوں کے ساتھ مروت سے پیش آ۔ ان کے ساتھ ایثار اور فتوت
اختیار کر۔ جب ان کا عیب پردہ سے باہر ہو تو اپنی آنکھ کو اُس سے پردہ کے اندر کر لے
اپنے سے کمتروں کے ساتھ شفقت کر۔ اگر وہ خطا کریں اُن کی رہنمائی پند و نصیحت سے کر
اگر تو نیک آدمیوں کی صحبت میں بیٹھنا چاہتا ہے تو نیک بن۔ ایک خوے نیک تجھے اس
لائق کر دے گی کہ تو نیکوں میں بیٹھے*

(۱۵) اتفاق

خدا تعالیٰ مسبب آثار اتفاق ہے یعنی اُس نے اتفاق کو سبب بنا کر ساری دنیا کو پیدا کیا ہے۔
اُس نے کل اپنی کائنات کا مدار اتفاق پر رکھا ہے۔ موالید ثلاثہ یعنی حیوانات۔ نباتات
جمادات کی بقا اتفاق پر موقوف ہے۔ زیادہ میں بیچ ہوا۔ زمین۔ پانی۔ روشنی میں
عناصر میں اگر اتفاق نہ ہو تو حیوانات اور نباتات کی کوئی نسل باقی نہیں رہ سکتی ہے۔ جماد
میں کوئی چیز جلوہ گر نہیں ہو سکتی ہے۔ غرض اگر اتفاق نہ ہو دنیا کی ساری چیزیں معدوم
ہو جائیں یا عدم وجود اُن کا یکساں ہو جائے۔ پس یہی حال انسان کے اخلاق کا ہے
کہ اگر دل کو اتفاق سے اتفاق ہوا تو ساری بھلائیاں جلوہ گر ہونے لگیں اور اگر نفاق
سے اتفاق ہوا تو ساری بُرائیاں ظاہر ہونے لگیں۔ ظاہر و باطن میں یکجہتی اور دل و
زبان میں یکتائی نہ رہی۔ دل میں کچھ ہے زبان پر کچھ۔ دل تاریکی سے بھر گیا۔ دوستی کے
لباس میں دشمنی کرنے لگے۔ ظاہر میں برادری کے ساتھ رنج و شادی میں شریک مگر
دل میں اوروں کے رنج سے خوش اور خوشی سے ناخوش۔ ظاہر میں بڑوں کی تعظیم مگر دل میں

حقارت۔ زبان سے کہتے ہیں یا دل میں دغا۔ زبان سے نیک خواہ دل سے بدخواہ بظاہر بچوں کے زبان سے بوسے لیں اور دل میں کوسیں۔ دعا کریں کہیں کہ یہ دل لگی کی بات تھی جس قوم میں نفاق کی دبا پھیل گئی وہ پایۂ عزت سے گر کر ذلت کے گڑھے میں گر گئی اُس میں ایک دوسرے کا بدخواہ۔ اپنے تفوق کے لئے بھائی بندوں کے آزار کے درپے ذرا ذرا سی باتوں پر بڑے بڑے جھگڑے قائم۔ نہ ہمسایہ کی مروت نہ دوستی کے حقوق کا خیال۔ اخلاقی اور علمی مجلسوں سے گریز غرض سعادت کی جگہ شقاوت نصیحت کی جگہ فضیحت۔ کوئی کوشش نہ شائستگی کے لئے نہ تہذیب کے واسطے۔ زبان کو بدگوئی اور گالی گلوج میں مزہ۔ کانوں کو اوروں کے عیب اور غیبتوں کے سُننے کا شوق۔ ہاتھ پانوں کو اوروں کی ایذا رسانی میں جنبش غصہ آئے تو کبھی ٹھنڈا نہ ہو۔ کسی سے عداوت و کینہ پڑ جائے تو پشتہا پشت میں بھی انتقام کا خیال فرو نہ ہو۔ کوئی احسان کرے تو احسان نہ مانیں اگر کوئی نیکی کرے تو اس سے بدی سے پیش آئیں غرض سارے کام وہ کرتے ہیں جس سے سوائے ذلت و رنج کے کچھ اور نہ حاصل ہو۔ اب ان سب بُرے کاموں کے برخلاف بھلے کام اتفاق کراتا ہے کہ دل کو روشن کرتا ہے۔ ظاہر و باطن کو ایک بنا دیتا ہے۔ سارے کام وہ کراتا ہے جس سے قومی عزت حاصل ہو۔ اگر سلطنت ہو تو اُس کو تقویت ہو جس قوم میں اتفاق پیدا ہو گیا ساری اچھی چیزیں پیدا ہو گئیں دولت و عزت پانے کے لئے منصوبے۔ علمی مجلسوں میں ٹھٹ لگا ہے۔ علوم و فنون کی مجلسوں میں گرما گرمی۔ دوستوں کی محفلوں میں چہل پہل۔ تجارت کی جماعتوں میں دولت کی ریل پیل۔ اتحاد و وداد کو رونق۔ اختلاف و نفاق کا منہ فق خستہ دلوں کے واسطے شگفتگی کا سامان غمزدوں کے واسطے شادی کا اسباب مہیا۔ اگر کہیں عداوت کی آگ سُلگی تو سب پانی لے کر اُس کی طرف دوڑے اور فوراً اُس کو بجھا دیا۔ قومی ہمدردی۔ قومی اتحاد و باہمی ارتباط۔ قومی موافقت سے دین و دنیا کی ساری نعمتیں انسانوں کو حاصل ہوتی ہیں۔ نفاق سے حسد۔ بغض۔ کینہ۔

خبثِ باطن غرض وہ باتیں کہ جن سے نہ عزت حاصل ہو نہ دولت نہ حکومت۔ ہمارے ملک میں نفاق کو رونق ہے اسلئے ہمارے سب کام بے رونق ہیں ہم ایک دوسرے پر حسنِ ظن نہیں رکھتے ہیں ساتھ ملکر کوشش نہیں کرتے کسی شخص کو بخت و اتفاق سے کوئی جاہ و منصب حاصل ہو گیا تو اُس کی تذلیل و تحقیر کے درپے ہوتے ہیں اس کی قدر و منزلت نہیں کرتے

نفاق تختۂ تہذیب کو الٹ دیتا ہے۔ تہذیب درجہ بدرجہ اس محبت سے ترقی پذیر ہوتی ہے جو صلح و اتفاق کے ساتھ کی جاتی ہے۔ ذہن زمین ہے اُس کی زراعت تہذیب ہے جسکی سرسبزی اتفاق کے ہاتھ میں ہے۔ وہی سارے حاصلات اُس کے پیدا کرکے لوگوں میں تقسیم کرتا ہے جس سے لوگ مرفہ الحال ہوتے ہیں۔

(۲) مرد و زن کے قران و اتفاق سے بشر و آہن سنگ کے قران سے شرر۔ خاک و باران کے قران سے میوے۔ سبزے۔ گل و ریحان۔ آدمی اور سبزہ کے قران سے دلی خوشی و بےغمی و خرمی۔ خرمی و جان کے قران سے خوبی و احسان۔ خون اور خوشی کے قران سے گلگونی و سرخ روئی۔ عقل میں قوت اتفاق سے منافق کے کام میں قوت شیطان کے اتفاق سے پیدا ہوتی ہے۔

باب ششم

گناہ و توبہ

(۱) گناہ

کسی کام کے کرنے میں یا نکرنے میں حکم الٰہی کی مخالفت کا نام گناہ ہے۔ یوں تو انسان کے اوصاف اور اخلاق بہت سے ہیں مگر جن خصلتوں سے کہ گناہ سرزد ہوتے ہیں وہ یہ چار ہیں۔ ربوبیت۔ شیطانیت۔ بہیمی۔ سبعی۔ صفت ربوبیت مقتضی ایسے امور کی ہوتی ہے جیسے کبر۔ فخر۔ جابر ہونا۔ اپنی مدح و ثنا کی محبت۔ عزت۔ تونگری۔ ہمیشہ باقی رہنے کی محبت۔ سب خلق پر بلندی چاہنا۔ یہانتک کہ انا ربکم الاعلےٰ پر نوبت پہنچانی اس صفت سے

ایسے گناہ کبیرہ سرزد ہوتے ہیں کہ لوگوں کو اُن کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ اور اُن کو گناہوں میں شمار نہیں کرتے حالانکہ وہ بڑے مہلک ہیں اور اکثر گناہوں کی جڑ ہوتے ہیں چن دوسری صفت شیطانی سے حسد۔ سرکشی۔ حیلہ۔ مکر۔ جھگڑے۔ بُری بات کا حکم کرنا۔ کھوٹ نفاق۔ پیدا ہوتے ہیں۔ تیسری صفت بہیمی سے یہ قباحتیں متفرع ہوتی ہیں شدت حرص طمع۔ شہوت۔ چوری۔ یتیم کا مال ہضم کرنا۔ مال حرام جمع کرنا۔ چوتھی صفت سبعی ہے اُس سے یہ بُرائیاں نکلتی ہیں غضب کینہ۔ لوگوں پر مار پیٹ۔ گالی گلوچ کرنا قتل کرنا ضائع کرنا۔ یہ چاروں صفت بتدریج انسان میں پیدا ہوتی ہیں۔ سب سے پہلے بہیمی صفت غالب ہوتی ہے اور اُس کے بعد صفت سبعی ظاہر ہوتی ہے اور یہ دونوں جمع ہو کر عقل کو مکر و فریب اور حیلے میں لگاتے ہیں اور اس سے صفت شیطانی کا زور ہوتا ہے پھر سب سے آخر میں صفات ربوبیت غرض گناہوں کا مبدء اور عصیان کا منبع تو یہی چار باتیں ہیں پھر اُن میں سے اعضاء پر گناہ پھیل پڑتے ہیں۔ بعض ان میں خاص دل سے متعلق ہوتے ہیں جیسے کفر و بدعت۔ نفاق۔ لوگوں سے بُرائی دل میں رکھنی۔ بعض متعلق کان آنکھ سے۔ بعض پیٹ سے۔ بعض ہاتھ پاؤں سے بعض تمام بدن سے۔

(۲) خیر و شر کی تقسیم

واضح ہو کہ دنیا کے جتنے اسباب ہیں اُن میں سے ہر ایک میں بھلائی کے ساتھ بُرائی ملی ہوئی ہے۔ اُن کی تین نوع ہیں اول وہ جنکا نفع ضرر کی نسبت زیادہ ہو۔ مثلاً مال و جاہ اور بعض اور اسباب بقدر حاجت اور کفایت۔ دوسرے یہ کہ اکثر لوگوں کے حق میں اُس کا ضرر نفع کی نسبت زیادہ ہو مثلاً مال و جاہ کثیر۔ تیسرے یہ کہ ضرر و فائدہ دونو مساوی ہوں اور یہ وہ باتیں ہیں کہ لوگوں کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہیں بہت سے نیک بخت آدمی اس طرح کے ہیں کہ وہ بہت سے مال سے بہت خود فائدہ اُٹھاتے ہیں اور اوروں کو نفع پہنچاتے ہیں اُن کے حق میں مال و جاہ نعمت ہے اور بہت سے آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ تھوڑے مال سے ضرر

پلتے ہیں یعنی ہمیشہ اُس کو کم جانتے ہیں اور خدا سے شکوہ اور طلب زیادتی کی کیا کرتے ہیں
اُن کے واسطے مال مصیبت ہے۔ جتنی باتیں نیک ہیں وہ ایک اعتبار سے تین قسم کی ہیں اول
وہ جو بذاتہ مقصود و محبوب ہوں جیسے سعادات اخروی۔ دوسرے وہ کہ دوسری چیز کے پیدا کرنے
کے لیے چاہتے ہوں جیساکہ روپیہ اشرفی کہ اگر اس سے حاجت روا نہ ہوں تو روپیہ اشرفی
اور پتھر کنکر برابر ہیں تیسرے وہ کہ دونو بذاتہ اور لغیرہ مطلوب ہوں مثلاً صحت و سلامتی کہ
انسان اسلیے بھی چاہتا ہے کہ دین و دنیا دونوں کے کام اچھی طرح کرسکے اور وہ بذات
خود بھی محبوب ہیں اب ایک اور اعتبار سے تین قسمیں کی جاتی ہیں اول لذیذ جن کا نفع فی الوقت
معلوم ہو۔ دوسری نافع جو اخیر کو مفید ہوں۔ تیسری جمیل جو سب حال میں اچھی معلوم ہوں
اور برائی بھی تین قسم کی ہیں۔ ضار۔ قبیح۔ ایذا رساں۔ پھر خیر و شر کی دو قسمیں ہیں مطلق
و مقید۔ خیر مطلق اسکو کہتے ہیں جس میں تینوں اوصاف خیر کے جمع ہوں جو اوپر مذکور ہوئے
مثلاً علم و حکمت کہ ارباب حکمت و علم کے نزدیک وہ نافع بھی ہیں اور جمیل و لذیذ بھی۔ شر مطلق جیسے
کہ جہل کہ وہ مضر و قبیح و ایذا رساں ہے۔ دوسری قسم مقید یہ ہے کہ جس میں کچھ اوصاف خیر کے
اور کچھ اوصاف شر کے ملے ہوں مثلاً بعض اوقات ایک نافع چیز سے ایذا ہوتی ہے جیسے
کوئی انگلی بیکار یا سولی وغیرہ کٹوا دے۔ اور کبھی نافع چیز قبیح ہوتی ہے جیسے کہ حمق کہ
بعض اعتبار سے نافع ہوتا ہے۔ اور اسی اعتبار سے یہ قول مشہور ہے۔ استراح من لا عقل له
یعنی بے عقل آدمی چین سے رہتا ہے کیونکہ اُس کو انجام کا اہتمام نہیں ہوتا۔ اسیواسطے سرد
راحت میں رہتا ہے۔ کبھی کوئی چیز من وجہ مضر ہوتی ہے اور من وجہ نافع ہوتی ہے جیسے ڈوبنے
کے خوف کے وقت مال کو دریا میں پھینک دینا کہ ہرچند اس سے مال کو ضرر ہوتا ہے مگر نفس
کو نفع ملتا ہے کہ اُس کی نجات ہو جاتی ہے یعنی بوجھ کے اتار ڈالنے سے کشتی بچ جاتی ہے

(۳۳) توبہ

انسان کے خمیر میں خیر اور شر آپس میں ایسے مضبوط ملے ہوئے ہیں کہ اُن کو آپس سے جدا کرکے

خیر محض بنا کر فرشتہ ہونا۔ یا شر محض بن کر شیطان بننا ممکن ہے۔ انسان بغیر گناہ کئے نہیں رہ سکتا
انسان کی سرشت ایسی ہے کہ وہ شر سے خیر کی طرف اور خیر سے شر کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جب
حضرت آدم نے خطا کی اور بعد خطا کے توبہ کی یعنی خیر سے شر کی طرف اور پھر شر سے خیر کی طرف
رجوع کی تو آدم زاد پھر کیوں نہ ایسا کرے کیونکہ مثل مشہور ہے کہ باپ پر پوت پتا پر گھوڑا بہت
نہیں تو تھوڑا تھوڑا۔ جو شخص یہ جانتا ہے کہ گناہ کرنے سے دین دنیا دونوں میں ضرر ہوتا ہے
یہاں بھی اور وہاں بھی اُس سے کالا مُنہ ہوتا ہے۔ اور اُس کا یقین دل پر غالب ہو جاتا ہے
وہ جب گناہ کرتا ہے تو اُس کے دل میں رنج و افسوس ہوتا ہے جسکو ندامت کہتے ہیں جب
اس ندامت سے دل میں رنج غالب ہوتا ہے تو انسان قصد کرتا ہے کہ میں اس بُرے کام کو عمر
بھر نہ کرونگا۔ پس ان تینوں علم۔ ندامت۔ ارادہ ترک فعل کے مجموعہ کا نام توبہ ہے۔ توبہ
ایک ایسا نور انسان کے سامنے ہے کہ جس سے وہ تاریکی جہالت کو مٹا سکتا ہے۔ ساری حرکات
مذمومہ کو افعال محمودہ سے بدل سکتا ہے۔ اسکے فقط یہی معنی ہیں کہ وہ زبانہ حال میں اپنے فعل بد کو
چھوڑ دیگا۔ بلکہ اُس کے استقبال میں اُس کے ترک کا ارادہ کرے گا۔ گذشتہ کے لئے حُزن و
ملال کرے گا۔ اور اُس کی مکافات کے درپے ہو گا۔ جیسے آدمی زہر کھا جائے تو اُس وقت قے کر کے
معدہ سے نکالتا ہے۔ ایسے ہی انسان کو چاہیئے کہ جسوقت گناہ سرزد ہو تو اُس کا توبہ سے
علاج کرے۔ نادم ہو۔ اور آئندہ اُس کے ترک کا ارادہ کرے۔ اگر ایسا نہ کرے گا تو زہر کا اثر
چڑھ جائے گا اور پھر وہ لاعلاج ہو جائے گا۔ جہاں انسان نے گناہوں کی عادت اختیار کی پھر دل
میں نہ ندامت پیدا ہو۔ نہ ترک گناہ کا ارادہ ہو۔ اگر ارادہ بھی ہو تو گناہ کا چھوڑنا پھر اختیار سے
باہر ہو جاتا ہے۔ ہر انسان کو توبہ کرنی ضرور ہے اسلئے کہ ہر شخص کے اعضا گناہ سے خالی نہیں
ممکن نہیں کہ آنکھوں سے وہ کسی کو بُری نگاہ سے نہ دیکھے یا بُری بات کانوں سے نہ سُنے۔ پاؤں
سے بُری راہ میں نہ چلے۔ اگر اعضا کے گناہ سے بعض وقت بچ جائے گا تو دل سے گناہ کرنے کے
قصد بد سے نہیں بچیگا اگر تو دل میں قصد گناہ نہ کرے گا تو اور وسوسوں سے نہیں بچے گا۔ خیالات

پریشان دل میں آئیں گے۔ اگران وسوسوں سے بھی بجلات ہو تو خدا تعالیٰ اور اُس کی صفات و
افعال کی واقفیت میں غفلت و قصور کرے گا۔ غرض ان سب خطرات دل سے بچنا انسان کا محال ہے آدمی
کے دل پر گناہ کرنے سے تاریکی ایسی آتی ہے جیسے کہ آئینہ پر منہ کی بھاپ۔ گناہ متواتر کرنے
سے دل ایسا سیاہ ہو جاتا ہے جیسا آئینہ مورچہ لگنے سے یا متواتر منہ کی بھاپ لگنے سے
جس طرح آئینہ کی صفائی کے لیئے یہی کافی نہیں ہے کہ اس پر آگے کو بھاپ اور سیاہی نہ ڈالیں
بلکہ پہلی بھاپ اور زنگ کو مٹائیں جب اُس میں صورت نظر آئے۔ اسی طرح جلاء دل کے
لیئے یہی بات کافی نہیں کہ اتباع شہوت آیندہ کے لیئے چھوڑ دیں بلکہ ضرور ہے کہ جو تاریکی
پہلے گناہوں کے سبب سے دل پر آگئی ہے اُسکو بھی مٹائیں۔ اور یہ مٹانا اس طرح ہو سکتا
ہے کہ آدمی نیکیاں کرے۔ نیکی کا نور چہرہ دل سے بدی کی تاریکی کو دور کر دیتا ہے اور اس نور
کے سامنے معاصی کی تاریکی کی کچھ تاب نہیں جیسے کہ رات کا اندھیرا دن کے اُجالے
سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ یا جیسے میل کی کدورت صابون کی سفیدی کے سامنے نہیں
رہتی۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ دل سے بدی کی کدورت کو نیک کام نہیں دور کرتے وہ یہ کہتا ہے
کہ آفتاب سے اندھیرا نہیں جاتا یا صابون کے دھونے سے کپڑے کا میل نہیں چھوٹتا مگر ہاں یہ
سچ ہے کہ اگر میل کی تہ کپڑے کے جگہ میں گھس جا تو پھر صابون سے اُس کو دور نہیں کر سکتے
اسی طرح اگر گناہوں کے پے در پے کرنے سے دل پر ایسا زنگ لگ گیا ہے تو توبہ سے بھی
وہ نہیں چھوٹے گا۔ گو ایسے گناہ گار زبان سے توبہ توبہ کہتے ہیں۔ مگر ان کے دل میں ندامت
اور ترک گناہ کا خیال نہیں آتا۔ دھوبی کی زبانی کہنے سے کہ کپڑا دھل گیا کپڑے کی میل
نہیں چھوٹنے کی بلکہ جب وہ اسکے چھٹانے کی تدبیر کریگا تو دور ہوگی اور کپڑا اُجلا ہوگا۔
جو لوگ دنیا پر گرے ہوئے ہیں اور خدا سے پھرے ہوئے ان کا حال ایسا ہی ہے کہ زبان پر توبہ
دل میں گناہ۔ جو شخص گناہ سے دل میں نادم ہوتا ہے اس پاس گناہ بھی آتے ہوئے شرمندہ ہو
ایں دور ہی بھاگتے ہیں نیکی کو بدی ایسا ہی مٹاتی ہے جیسے کہ پیاس کو پانی بجھاتا ہے۔

(۴) توبہ کی ہدایت

ایک وقت تجھ پر ضرور ایسا آئے گا کہ دوست تجھ پر رحم کریں گے دشمن خوش ہونگے۔ وارثوں کا حلقہ تیرے سر کے گرد ہوگا۔ ظاہر میں وہ گریاں اور دل میں خنداں ہونگے۔ تیرے مال لینے کی فکر میں ہونگے۔ تیرے اعمال کا خیال اُن کو کچھ نہ ہوگا۔ پہلے اس سے کہ یہ واقعہ تجھے پیش آئے تو توبہ سے اپنا چارہ کر۔ ہوا و نفس پرستی سے دستکش ہو۔ جو کچھ بُرا کیا ہے اُس سے باز رہ۔ اور پشیمان اور اشک افشاں ہو۔ پھر خطا و جفا و عصیاں کی سرحد میں قدم رکھنے کا عہد و پیمان کر۔ اس توبہ کے باغ کے سب گل یک رنگ ہیں سب مرغ اس کے ہم آہنگ ہیں اس کا جو میوہ اس سال میں کھائے گا وہی دوسرے سال میں چکھے گا جو کار بار بار کیا جاتا ہے اُس میں مزہ نہیں رہتا۔ پس معاصی کے مزے کیا بار بار چکھتا ہے توبہ کا بھی مزہ چکھ کہ وہ بہت لذیذ ہے۔ توبہ کے بعد چاہیئے کہ پھر تیری طبیعت گناہ کی طمع نہ کرے۔ توبہ تو آدمی کی خاصیت میں داخل ہونی چاہیئے۔ اسلئے کہ وہ حضرت آدم کی اولاد ہے جنہوں نے خطا پر خود توبہ کی ہے پس چہرہ کو خاک نیاز سے پر گرد اور خون جگر سے رنگین کر۔ میل گنہ کے حرف کو دل سے تراش۔ اور خدا کے آگے ہاتھ دعا کے لئے اٹھا کہ اے خطا بخش تو میری خطا کو معاف کر میں اب گناہ سے توبہ کرتا ہوں۔ گناہ کی آگ نے میرے دل کو جلا کر کباب کیا ہے۔ تو میرے دل پر توبہ کا دروازہ کھول دے۔ اور اُس کا اثر میرے دل پر ڈال دے۔ ہمارا کام گناہ ورزی ہے تیرا کام گناہ آمرزی ہے توبہ کرنا ہماری نہاد میں ہے مگر اُس کی کشاد تیرے ہاتھ میں ہے۔ ہم جو گناہ کے جنگل میں گمراہ ہو رہے ہیں سوا توبہ کے کوئی سہارا نہیں۔ پس تو توبہ کی اور اُس پر ثبات کی توفیق دے۔ اور اس توبہ کی نخوت کو بھی ہمارے دماغ سے نکال کیونکہ اِس قدر مغرور ہونا بھی گناہ ہے +

(۵) توبہ کا قبول ہونا

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ   گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست   صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

تو گناہ کے پیڑ لگائے تو اُن کو توبہ کا پانی دے۔ جتنے حزن و ندامت کا پھل آئے۔ ندامت کے
جھروکہ پر بیٹھ کر اپنے گناہوں کے صحیفہ کو پڑھنا شروع کرے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نفس پر خوف
چھائے گا اور اُس سے ناامیدی کی خندق کو پاٹ لے گا۔ ہوائے نفسانی کے اُپوں کو اتر کر میدان
علم میں پہونچے گا اور چشمۂ حکمت سے سیراب ہوگا اور ہوشیاری کی کشتی میں سوار ہو کر نجات کا
بادبان چڑھائے گا اور بحر سلامت میں لنگر اُٹھا کر ساحل راحت اور عزت و کرامت پر پہنچ جائیگا

(۶) توفیق۔ ہدایت۔ رشد۔ عصمت

ہر شخص کو توفیق کی ضرورت ہے۔ توفیق کے معنی یہ ہیں کہ بندے کے ارادے اور قضا و قدر الٰہی
میں تالیف ہو۔ اور ربط ہو۔ اور ربط کا ہونا خیر و شر دونوں میں شامل اور سعادت و شقاوت
دونوں میں داخل ہے۔ مگر عادت یہ ہوگئی ہے کہ توفیق خاص اس کو کہتے ہیں جو قضا و قدر سعادت
کے موافق ہو۔ بہرحال توفیق کی حاجت ہونے میں کچھ شک نہیں جیسا حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں

گر از حق نہ توفیق خیرے رسد   کے از بندہ خیرے بغیرے رسد

ہدایت کا حال یہ ہے کہ اُس کے بدون کوئی شخص سعادت کا طالب نہیں ہو سکتا۔ اسواسطے
کہ انسان کا ارادہ کبھی ایسی چیز کی طرف ہوا کرتا ہے جس میں اُس کی آخرت کی بہتری ہو
لیکن جب یہی نہ جانتا ہو کہ میری صلاح و بہتری کس چیز میں ہے یہاں تک کہ فساد کی شے
کو بہتری کی چیز جان لے تو صرف ارادہ سے کیا نفع ہوگا غرض کہ ارادہ اور قدرت اور اسباب سے
جب تک عقل خیر و شر کا طریقہ نہ بتائے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ رشد سے مراد وہ عنایت الٰہی ہے
ہوتی ہے جو انسان کو اپنے مقصد کی طرف متوجہ ہونے کے وقت مدد کرتی ہے جسکو تائید کہتے ہیں یعنے
اگر مقصد مذکور میں اُس کی بہتری ہوتی ہے تو اُس کو قوت دیتی ہے اور اگر اُس کے حق میں بُرائی
ہوتی ہے تو اُس کو سست کر دیتی ہے۔ اُس کو تسدید کہتے ہیں + عصمت کے معنی یہ ہیں کہ آدمی کے
دل میں وہ عنایت پروردگار ہو جس کے باعث آدمی خیر جرأت کرنے پر اور شر سے احتراز کرنے پر
قادر ہو۔ گویا کوئی اندرونی روکنے والا بیٹھا ہے کہ معلوم نہیں ہوتا۔ غرض یہ معنی ہیں توفیق رشد

ہدایت عصمت کی جب آدمی کو میسر ہوتی ہیں کہ فہم صاف و تیز ہو۔ گوش حق نیوش۔ دل بصیرت منزل۔ تواضع گزین۔ مراعات آئین ہو۔ استاد خیر خواہ ملے۔ مال اتنا ہو کہ اُس کی کمی کے باعث مہمات وضروریات سے قاصر ہو نہ کثرت کی جہت سے مانع اشتغال دینی ہو اور عزت اتنی ہو کہ جس سے احمقوں کی جہالت اور اعدا کے ظلم سے بچا رہے +

باب ہفتم

دنیا و محبت دنیا

(۱) دنیا کی محبت

بزرگان دین کا ارشاد ہے کہ دنیا کی خباثت میں سے ہر کہ آدمی اُسکے لئے خدا کی نافرمانی کرتا ہے اور جب تک یہ نہیں چھوٹتی آخرت نہیں ملتی۔ دنیا کو گذرگاہ سمجھو اور مسافروں کی طرح سے اس سے گذر جاؤ۔ عمارت وغیرہ نہ بناؤ۔ اور جان رکھو کہ سب برائیوں کی جڑ دُنیا کی محبت ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک گھڑی کی خواہش نفس بہت دنوں کے رنج کا موجب ہوتی ہے۔ بعضوں کی خود طالب دنیا ہے اور بعض دنیا کے طالب ہیں جو لوگ طالب آخرت ہیں اُن کی تو زندگی بھر دنیا طالب ہے۔ اور جو طالب دنیا ہیں اُن کو آخرت بلاتی رہتی ہے یہاں تک کہ موت اُن کی گردن پر سوار ہو جاتی ہے۔ آدمی کہا کرتا ہے کہ یہ میرا ہے یہ میرا ہے حالانکہ اس کا اُس قدر ہے جو کھانے میں کھو دیا یا پہن کر اُڑا دیا یا خیرات کر کے جمع کر دیا۔ صلحا کے نزدیک دنیا ایسی ذلیل ہے جیسے کسی جذامی کے ہاتھ میں استخوان خوک بے گوشت یا مُڈّی کے منہ میں ہنڈی۔ دنیا اُن کے سامنے کیسی ہی بن سنور کر آئے وہ اُسے مُنہ نہیں لگاتے۔ وہ جانتے ہیں کہ وہ کسی کے پاس نہ رہے گی اور نہ کوئی اُس کے پاس رہے گا۔ انسان کے دل میں دنیا و آخرت کی محبت کا جمع ہونا ایسا ہے جیسے ایک برتن میں پانی اور آگ کا جمع ہونا۔ یہ دو بیگانہ کبھی آپس میں نہیں ملتے۔ یہ دو مخالف نغمے ایک تار سے نہیں نکلتے۔ ایک بام پہ دو ہوائیں نہیں ہوتیں۔ حضرت امیر المومنین کا قول ہے کہ دنیا و آخرت بمنزلہ مشرق و مغرب کے ہیں چلنے والا جتنا ایک کے نزدیک ہوتا ہے

دوسرے سے دور ہوتا ہے۔ دنیا میں سلطنت بغیر کشت و خون و ظلم کے۔ تونگری بدون فخر اور بخل اور محبت کے نہیں حاصل ہوتی۔ دنیا کو لوگ اس طرح چاہتے ہیں جیسے کہ بچہ ماں کو چاہتا ہے کہ جب سامنے آئی خوش ہو گیا اور جب چلی گئی تو رنجیدہ ہو کر رونے لگا۔ جو لوگ دنیا سے محبت نہیں کرتے خدا اُن سے محبت کرتا ہے۔ اکثر آدمی آخرت کی خیر و شر کو ایسا یقینی نہیں جانتے جیسے کہ دنیا کی بھلائی بُرائی کو جانتے ہیں۔ آخرت غائب ہے دنیا موجود ہے۔ اسلئے نقد سرد کی محبت غالب ہے۔ یہ وجہ محبت نہایت پوچ ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں جو امور آدمی کے سامنے نہیں ہوتے اور صرف موہوم ہوتے ہیں اُن کے لئے صدہا طرح کی مصیبتیں آدمی اُٹھاتا ہے اور رنج و دکھ سہتا ہے اور بہت طرح کی حرکتیں اُس کے حصول کے لئے کرتا ہے۔ ذرا سی ملنے پر انسان ہشاش بشاش ہوتا ہے اور تھوڑی سی چیز کے نقصان پر رنجیدہ اور افسردہ۔ مگر دین کے نفع و نقصان سے اُس کو ایسی شادی و غم نہیں ہوتے +

مال دنیا دام مرغان ضعیف	ملک عقبیٰ دام مرغان شریف
سوئے دریا عزم کن زیں آبگیر	بحر جوئے و ترک این گرداب گیر

جیسے مریض کی اشتہار طعام جس پر مدار زندگی ہوتا ہے جاتی رہتی ہے تو لذیذ کھانا بھی بُرا معلوم ہوتا ہے ایسا ہی جو دل حبِ دُنیا کی حرص میں مبتلا ہے وہ یاد الٰہی سے جس پر حیات جاودانی منحصر ہے بھول جاتے ہیں اُسکے ذکر کے قریب نہیں جاتے حضرت لقمان رح نے اپنے بیٹے کو فرمایا کہ دنیا ایک گہرا سمندر ہے اُس میں بہت سے لوگ ڈوب گئے تم اپنی کشتی دنیا میں تقویٰ اور ایمان کو بناؤ اور توکل کا بادبان چڑھاؤ تاکہ اس بوجھ سے نجات پاؤ۔ دنیا ہڈیوں کو پُرانا کرتی ہے اور امیدوں کو نیا اور موت کو نزدیک کرتی ہے اور آرزوں کو دور جس کو ملتی ہے وہ مشقت میں پڑتا ہے اور جس کو نہیں ملتی وہ رنج اٹھاتا ہے ؎

بلائے زیں جہاں آشوب تر نیست	کہ رنج خاطر ست از ہست و گر نیست

(۲) ایک حکیم کہتا ہے دنیا تھی اور میں نہ تھا اور وہ رہے گی اور میں نہ رہوں گا میں اُس کی طرف

رغبت نہیں کرتا اس لئے کہ اُس کی زندگی تلخ ہے اور اُس میں کدورت کا نام صفائی ہے اہل دنیا کو ایک نہ ایک خوف لگا رہتا ہے خواہ نعمت کے دور ہونے کا یا مصیبت کے آنے کا یا موت کے کام کر جانے کا۔ بعض کا قول ہے کہ یہ دنیا کے عیبوں میں سے ہے کہ کسی کو استحقاق کے موافق نہیں دیتی کمی بیشی خواہ مخواہ ہوتی ہے۔ نا اہلوں کے حوالہ کی گئی ہے جو دنیا کو محبت سے طلب کرتا ہے جتنی اُس کو ملتی ہے اُس سے زیادہ طالب ہوتا ہے ؎

گفت چشم تنگ دُنیا دار را　　یا قناعت پر کند یا خاکِ گور

یحیٰ بن معاذ رح کا قول ہے کہ دنیا شیطان کی دکان ہے اُس میں کچھ مت چُراؤ نہیں تو وہ تمھارے پیچھے لگے گا اور پکڑ لے گا حضرت فضیل رح کا قول ہے کہ اگر دنیا سونے کی ہوتی اور فنا ہو جاتی اور آخرت ٹھیکری ہوتی اور باقی رہتی تو بھی عقلا کو یہی چاہیے کہ باقی چیز کو پسند کرتے اور فانی کو چھوڑتے مگر اب تو یہ فانی چیز ٹھیکری ہے اور باقی چیز سونے کی معلوم نہیں کیوں انسان واہیات چیز کو عمدہ چیز سے زیادہ پسند کرتا ہے۔ انسان کو دنیا سے ایسی محبت ہے کہ سارے دن اُس کا ذکر کیا کرتا ہے +

(۳) اکثر آدمیوں کا یہ حال ہے کہ نہ کچھ دنیا کے مزے اُڑاتے ہیں نہ کچھ دین سے کام رکھتے ہیں عقبیٰ کی آجر کی امید پر دنیا کو چھوڑتے ہیں نہ دنیا سے زیادہ خدا کے عاشق ہوتے ہیں بعضوں کا قول ہے کہ دنیا مردار ہے جو کوئی اُس میں سے کچھ لینا چاہے تو کتوں کے ساتھ رہنے پر صبر و تحمل کرے اور دنیا کی بُرائی میں حافظ شیراز فرماتے ہیں ؎

مجو درستی عہد از زمان سست نہاد　　کہ این عجوزہ عروس ہزار داماد است

فریب عشوۂ حسن از جہان پیر مخور　　کہ ہر کہ کرد با و اختلاط ناشاد است

(۴) دنیا ایک دوست کے لباس میں دشمن ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ ایسے مکان کی کیا تعریف کروں کہ جو اس میں تندرست ہے بیماری سے نڈر نہیں جو بیمار ہو تو نادم ہو اور جو مفلس ہو جائے تو غم کرے اور تونگر ہو تو بلا میں پھنسے۔ مال حلال ہو تو حساب دینا پڑے گا

اور حرام تو عذاب میں مبتلا ہو +

(۵) دنیا ایک جادوگرنی ہے وہ تھوڑا بہت سب کے دلوں پر جادو کرتی ہے۔ حضرت ابوسلیمان رح کا قول ہے کہ جب آدمی کے دل میں آخرت ہوتی ہے تو دنیا اُس کا مقابلہ کرتی ہے لیکن اگر دنیا دل میں ہوتی ہے تو آخرت مقابل نہیں ہوتی۔ اسلئے کہ آخرت شریف ہے اور دنیا کمینی کمینے کا مقابلہ شریف نہیں کیا کرتا۔ سیار بن حکم فرماتے ہیں کہ دنیا آخرت دونوں دل میں اکٹھے ہوتے ہیں اُن میں جو غالب ہو جاتی ہے دوسری اُس کی تابع ہو جاتی ہے۔ حضرت مالک دینار رح کا قول ہے کہ جتنا دنیا کے لئے تردد کرو اُتنا ہی آخرت کی فکر دل سے جاتی رہتی ہے اور جتنا آخرت کا تردد کرو اُتنا ہی دُنیا کی فکر دل سے ٹل جاتی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ دنیا اور آخرت دو سوکنیں ہیں جسقدر ایک راضی ہو گی اسی قدر دوسری ناخوش ہو گی +

(۶) دنیا میں بیشک بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کے نزدیک دنیا خاک یا سے بھی زیادہ ذلیل ہوتی ہے۔ اُن کو اس کی کچھ پروا نہیں کہ دنیا کدھر سے آئی اور کدھر چلی گئی کس کے پاس رہی اور کس کے پاس سے جاتی رہی۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ دُنیا ہشیاروں کے لیئے غنیمت ہے اور جاہلوں کے لیئے غفلت یعنی دانا آدمی اس میں اعمال نیک کرنے کو لوٹ اور مفت سمجھتے ہیں اور نادان اُن کو پہچانتے نہیں حضرت لقمان رح نے اپنے بیٹے سے فرمایا ہے کہ جب سے تو دنیا میں پیدا ہوا وہ ہٹتی چلی جاتی ہے۔ اور آخرت مُنہ کے سامنے آتی جاتی ہے پس اپنے تئیں وہاں پہنچا جو نزدیک اور ساتھی ہے دور کی جگہہ جانے سے کیا فائدہ۔

(۷) دنیا میں انسان پر رات دن گذرے جاتے ہیں کبھی مصیبت ہے کبھی راحت ہے۔ جب آدمی دنیا سے جاتا ہے تو اُس کو یہ حسرتیں ہوتی ہیں کہ جو جمع کیا تھا اُس سے سیر نہ ہوا جو تمنا تھی وہ پوری نہ ہوئی۔ آخرت کا توشہ تیار نہ ہوا۔ دنیا میں تونگر وہی ہے جو دنیا کی غلامی سے آزاد ہو جائے۔ ایک حکیم سے کسی شخص نے پوچھا کہ دُنیا کسے ملتی ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ

جو اُسے چھوڑ دے۔ پھر پوچھا کہ آخرت کس کو ملتی ہے اُس نے جواب دیا کہ جو اُس کو طلب کرے۔
بکر بن عبد اللہ رح کا قول ہے کہ جو کوئی دنیا کو اِس غرض سے چاہے کہ مجھے دنیا کی حاجت نہ رہے
تو اُس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی آگ کو گھاس سے بجھانا چاہے +

(۸) حضرت علی کرم اللہ وجہ کا قول ہے کہ دنیا میں چھ چیزیں ہوتی ہیں کھانا پینا پہننا سواری
نکاح خوشبو۔ سب کھانوں میں عمدہ شہد ہے وہ مکھی کا لعاب ہے۔ پینے کی چیزوں میں اچھا پانی
ہے جس میں سب نیک و بد برابر ہیں۔ پوشاک میں حریر افضل ہے وہ کیڑوں کے ریشم سے بنتا ہے
اور سواریوں میں افضل گھوڑا ہے جس پر لڑائی میں مارے جاتے ہیں اور منکوحات میں اشرف
عورت کی صحبت ہے جو پیشاب گاہ کا پیشاب گاہ میں جانا ہے سونگھنے کی چیزوں میں عمدہ مشک
ہے جو حیوان کے خون سے بنتا ہے۔ غرض سب چیزیں ایسی ہی واہیات ہیں +

(۹) دنیا میں کوئی دم شادی بے غم نہیں ہوتی اور کوئی خوش حال بے ملال نہیں ہوتا۔
ہر عشرت میں اُس کی زہر حسرت ہے اور ہر سرور میں اسکے شر و شور۔ ؎
خرمی بے غم نے باشد دریں باغ خراب خندہ گل دارد از پے اشک ریزان گلاب
دنیا جائے محنت ہے نہ جائے راحت۔ ہر سود میں زیان۔ ہر کمال میں نقصان۔ ہر گنج پر مار
رنج۔ دانہ طرب کے ساتھ دامِ تعب +

(۱۰) حُبِّ دُنیا کے اصول و فروع

دنیا کو یوں سمجھو کہ ایک درخت ہے جو وسوسہ شیطانی کی باغبانی سے نشو و نما پاتا ہے اور شہوات
اور آرزوؤں کے ریشے دل میں دوڑا کر محکم کرتا ہے اور صفاتِ ذمیمہ کی شاخ در شاخ نکالتا ہے
ارتکاب گناہ کے شگوفے کھلاتا ہے جسکا ثمرہ سوا رحمت الٰہی کی ناامیدی کے کچھ اور نہیں ہوتا
اس شجر کو مواعظ اور نصائح کے تیشہ سے کاٹو +

(۱۱) تمام نفسانی شہوتیں اور آرزوئیں سات قسم کی ہیں اول شہوت جاہ و جلال۔ دوم
شہوت املاک و مال سوم شہوت عمارات و مکانات عالی شان چہارم شہوت معاشرت شاہانہ

پنجم شہوت اطعمہ واشربہ خوشگوار۔ ششم شہوت البسہ امتعہ فاخرہ۔ ہفتم شہوت مجالست ومصاحبت ظرفا وندمار شیریں کار اور ساقی شوخ کے ہاتھ سے بادہ گلنار اور عمر گران بہا کو رد و سرود ولہو ولعب میں گذارنے کی۔ ان شہوتوں کے ریشہ ودانہ سے یہ صفات ذمیمہ پیدا ہوتی ہیں۔ اول تکبر۔ دوم بخل۔ سوم غضب حقد وحسد۔ چہارم طمع۔ پنجم ریا وسمعہ۔ ششم ظلم۔ ہفتم تند خوئی۔ ان سب صفات ذمیمہ کے ریشوں کے کاٹنے کے لئے ہم نے اپنے بیان کو تیشہ بنایا ہی جابجا دیکھ لو کہ وہ ان کو کاٹتا چلا جاتا ہے +

(۱۲) دنیا کی مذمت کی باب میں نصیحتیں و موعظ

بعض اکابر کا قول ہی کہ زندگی پر مت پھولو اور موت کو مت بھولو۔ خدا سے ڈرو نیک عمل کرو دنیا کے طالب ہو تو اُس پر راغب ہو۔ دنیا بڑی مکار اور دغاشعار ہے۔ اول اپنے مغالطہ چکناتی ہے پھر آرزوؤں کے جال میں پھنساتی ہے۔ اپنا بناؤ سنگار وہ دلھن کی طرح دکھاتی ہی اُس پر سب کی نگاہ پڑتی ہے۔ اُس پر دل وجان سے شیفتہ و فریفتہ ہوتے ہیں۔ وہ اپنے عاشقوں کو خاک میں ملاتی ہے۔ جو اُس پر بھروسا کرتا ہی اُس کو وہ رسوا کرتی ہے۔ اُس میں آفتیں بہت ہیں اس کا ہنر شر ہے۔ اس پر عاشق ہونا سراسر خطا ہے۔ وہ تیرے لئے عطا حق نہیں ہو سکتا۔ وہ ایک اژدہا ہی جس نے تیرے باپ دادا کو کھایا ہے تو اس کو اپنے پاس نہ بلا۔ کبھی تو اس پدر کش سے خوش نہیں ہو سکتا۔ اس سے آزار پر آزار پہنچتا ہے اس کی راہ میں دین نشو ونما نہیں پا سکتا۔ یقین کو تاب و تابش نہیں ہوتی۔ اُس نے اپنے تئیں حور بنا رکھا ہے۔ بہت چابک تر و تازہ و خوش نغز معلوم ہوتی ہے۔ مگر دین کی نظر میں وہ زنگی درشت رو و بد چشم نظر آتی ہے۔ عاقلوں کے نزدیک اس کا مُنہ کالا اور بال سفید ہیں وہ اپنے مہندی لگے ہوئے ہاتھ میں ایک جام زریں رکھتی ہے جس میں تیری جان کے واسطے زہر گھلا ہوا ہے +

(۱۳) دنیا میں جو پیدا ہی وہ چلتا ہوگا۔ جو موجود ہی وہ فنا ہوگا۔ بھائیو خواب غفلت سے

بیدار رہو اور بیہوشی سے دور بھاگو بیشتر اس سے کہ تم سے لوگ کہیں تمھارا تن نازنین بیماری کے بستر پر ناتوان ہو رہا ہے۔ دوست اُس کی علالت سخت کی خبر سُن کر عیادت کے لئے آتے ہیں شفیق و مہربان دوا اِدھر اُدھر ڈھونڈھتے پھرتے ہیں طبیب کو بلا کر لاتے ہیں وہ تمکو دیکھ کر کہتا ہے کہ شفا کی توقع نہیں۔ یہ سُن کر دوستوں کو فکر ہوتا ہے کہ دیکھئے بیماری سے عاقبت میں کیا ہوتا ہے۔ اب تمھارے چہرہ کا حال متغیر ہوتا ہے رنگ ارغوانی زعفرانی بنتا ہے۔ زبان بند ہوتی ہے۔ نہ بھائیوں سے بولو۔ نہ عزیزوں کو پہچانو۔ اور نہ لب کھولو موت کے فرشتے نظر آئیں۔ غرض روح و جسم آپسمیں متفرق ہو جائیں آنکھیں پھیکر آنکھوں میں آنسو بھر آئیں۔ مرغ روح قفس تن سے پرواز کرے گھر میں آہ و فغاں کا غل شور مچے کہ ہائے تم مر گئے۔ تمام برادری اور احباب جمع ہوں۔ تابوت بنے۔ کفن لائیں مُردہ شو کو بُلائیں۔ کفن سئیں۔ غسل دیکر کفن پہنائیں۔ نعش کو لب گور تک پہنچائیں۔ نماز پڑھائیں۔ پھر کچھ لوگ اپنے گھر کو جائیں کچھ جسم کو خاکدان میں محبوس کر جائیں۔ جو عزیز خود ہیں وہ تمھارے مال کی جستجو میں ہوں۔ باغ و مکان و مال و اسباب کے تقسیم کی گفتگو ہو۔ غرض دنیا اپنے حال بدلتی رہتی ہے۔ ابھی ایک آدمی کو وہ ہنساتی ہے اسی اثنا میں دوسروں کو اُس پر ہنسی آتی ہے۔ ابھی ایک آدمی دوسرے کے لئے روتا ہے کہ تھوڑی دیر بعد اُس پر تیسرا آدمی روتا ہے۔ اگر کسی کو وہ دینے پر آتی ہے تو دیکر بعد چندے واپس لینے کے لئے ہاتھ پھیلاتی ہے اگر آج کسی کے سر پر تاج و افسر رکھتی ہے تو کل سر تلے خاک و پتھر۔ کوئی جائے کوئی رہے کوئی آئے اُس کے نزدیک برابر ہے۔ اگر جانے والے کا کوئی عوض رہے تو واہ واہ اور اگر نہ رہا تو واہ واہ۔ ہر وقت ایک نہ ایک کو فنا کرتی رہتی ہے جو اُس کو عزیز جانتا ہے اُس کو ذلیل کرتی ہے جو اُس کو جمع کرتا ہے اُس کو فقیر کرتی ہے۔ اس کا حال زہر کا سا ہے کہ جو کھاتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس میں اس طرح رہنا چاہیے جیسے کوئی اپنے زخم کا

علاج کرتا ہے کہ تھوڑے دنوں پرہیز اس خوف کے سبب سے کیا کرتا ہے کہ بہت دنوں
تک تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔ چند روز دوا کی تلخی پر صبر کرتا ہے کہ کہیں درد مدت تک نہ
رہے۔ مگر افسوس ہے کہ گذشتوں کو دیکھ کر پس ماندوں کو عبرت نہیں ہوتی۔ لوگ ایسے دنیا
پر مرتے ہیں کہ جہاں اُن کی حاجتیں پوری ہوئیں اور دنیا حسب دلخواہ ملی مغرور و سرکش
ہو گئے۔ معاد کو بھول گئے۔ اپنی عقل کو اس میں اتنا لگاتے ہیں کہ اُن کے قدم جادہ
مستقیم سے لغزش کھا جاتے ہیں وہ یہ نہیں سمجھتے کہ دنیا کا حال یہ ہے کہ دنیا دار کو
کسی خوشی میں اطمینان نہیں جو دُنیا میں خوش ہوتا ہے وہ رنج میں پڑتا ہے۔ جو آج
نفع پاتا ہے وہ کل نقصان اٹھاتا ہے۔ اس میں وسعت عیش بلا ہے اور بقا کا مآل فنا ہے
ہر خوشی غم آگین ہے۔ اور ہر رحمت زحمت سے قرین ہے۔ جو اس میں سے گذر جاتا ہے وہ پھر واپس
نہیں آتا۔ دُنیا کی تمام آرزوئیں دروغ ہیں اور تمام امیدیں فروغ ہیں۔ جو نعمتیں موجود ہیں اُن کے
جانے کا اور مصیبتوں کے آنے کا ڈر سدا رہتا ہے۔ ؎

گنج بے رنج نہ دیدست کسے گل بے خار نہ چیدست کسے

(۱۴۱) خوب سمجھ لو کہ دنیا مصیبت کا گھر ہے۔ اُس کی ہر چیز کا انجام زوال ہے اور اس کا
کسی کے پاس ہمیشہ بحال نہ اُس کے حالات تبدیل سے مامون ہیں نہ اُس کے باشندے
آفات سے مصئون جب آدمی کو اس میں راحت اور خوشی پہنچتی ہے یکایک مصیبت آ پہنچتی
ہے۔ اُس کے احوال مختلف باہم گرہیں اور مراتب متغیر۔ نہ اُس کے عیش کو بقا ہے نہ راحت کو
دوام۔ موت ہر ایک کے سر پر کھڑی ہے۔ آج دنیا میں ہمارا حال ایسا ہی ہے جیسا ہم سے پہلے لوگوں
کا تھا جو ہم سے عمر میں زیادہ قوت میں قوی۔ مکانات و سامان دنیا میں اعلیٰ۔ اُن کے
شہروں کی آبادی زیادہ۔ مگر اب دنیا کے طول انقلاب سے اُن کی آواز نہیں نکلتی۔ اُن کے
جسم سڑ گئے۔ شہر اُلٹ گئے۔ مکانات گر گئے۔ یا وہ مکان عالی شان اور گاؤ تکئے اور عمدہ
فرش بچھے تھے یا اب پتھر اور اینٹیں اور خاک اور گوشہ لحد ہے۔ کہنگی نے انھیں ہیر ڈالا۔

اور پھر دشمنی نے ان کا کچومر نکال ڈالا۔ خاک میں اپنے یاروں سے جا ملے۔ اور ایسے گئے کہ پھر نہ پھرے۔ قطعاً جان لو کہ جو اُن کا حال ہوا وہی تمہارا ہوگا وہی تنہائی ہوگی وہی خاک میں سڑنا گلنا اُسی خواب گاہ میں سونا ہے +

(۱۵) بعض حکما کا قول ہے کہ زمانہ تیر انداز ہے اور آدمی نشانہ کہ ہر روز عمر کے دن رات کو اپنے تیروں سے اڑاتا رہتا ہے یہاں تک کہ تمام عمر پوری ہوجاتی ہے۔ اگر آدمی کو اپنے اوپر زمانہ کی تاثیر معلوم ہو کہ ہر گھڑی عمر کا نقصان کرتی جاتی ہے تو دنوں کے گذرنے سے نفرت ہو اور ساعات کے چلے جانے سے وحشت۔ مگر خدا تعالیٰ کی حکمت ہے کہ اُس کا خیال نہیں آتا

؎ غافل تجھے گھڑیال یہی دیتا ہے منادی خالق نے گھڑی عمر سے اک اور گھٹا دی

زمانہ کا کام یہی ہے کہ جماعتوں کو متفرق کرے۔ جتھوں میں ابتری ڈالے۔ دولت کو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں پہونچائے۔ اس کے امل بہت طویل اور زندگانی بہت قلیل۔ انسان کی کسی نعمت سے خوشی پوری نہیں ہوتی۔ کہ نعمت کی جدائی سر پر آن موجود ہوتی ہے جس سے اُس کو رنج ہوتا ہے۔ دنیا پر لعنت کر کے آخرت کا خیال رکھنا چاہئے۔ دین کو زیر کلاہ رکھنے سے گناہ پر رغبت ہوتی ہے۔ کلاہ کو اتار سر کو ظاہر کر اور گذشتہ گناہ سے توبہ کر اگر سر پر افسر نہ ہو تو بلا سے خرد سر کے اندر ہوتی ہے سر کے اوپر نہیں ہوتی۔ یہ سارے رنج و عنا اسی سبب سے ہوتے ہیں کہ خدا ہم سے غیر ہو جاتا ہے۔ اللہ کے لئے زینت جمال دین سے ہوتی ہے کچھ اسپ زیں سے نہیں ہوتی۔ دنیا کی مہر بے کینہ کے نہیں ہوتی وہ لوزینہ میں سیر رکھتی ہے

(۱۶) دنیا کی تمثیلات و تشبیہات

دنیا کو سایہ سے مثال دیتے ہیں جیسے سایہ کو قیام نہیں اسے ڈھلنا ضرور ہے ایسے ہی دنیا کو قیام نہیں ظاہر میں سایہ حرکت کرتا ہوا نہیں معلوم ہوتا۔ مگر حقیقت میں متحرک ہوتا ہے ایسا دنیا کا حال ہے کہ ظاہر میں ٹھیری ہوئی ہے مگر جلد جلد وہ چلتی ہے۔ سال و ماہ سے

اُس کے نقصان کا حال معلوم ہوتا ہے اُس کو خواب سے تشبیہ دیتے ہیں جیسے کوئی آدمی خواب میں بُری بھلی باتوں سے رنجیدہ یا خوش ہوتا ہے۔ ایسے ہی دنیا میں لوگ بھی گویا خواب میں رنج و راحت دنیاوی دیکھ رہے ہیں مرنے کے بعد جو آنکھ کھلے گی تو کچھ نہ دیکھیں گے

۵ دنیا خواب است زندگانی دردے ۔۔۔ خوابے است کہ در خواب نہ بینی آن را

این قدر طول امل رہ مید ہی در دل چرا ۔۔۔ مصحف خود را باین حظ مے کنی باطل چرا

عیش دنیا احتلام خواب غفلت بیش نیست ۔۔۔ از خیالے این قدر آلودگی اے دل چرا

اس کو ایسی عورت سے مثال دیتے ہیں کہ مردوں کے واسطے اپنے تئیں بنا سنوارے اور جب کسی سے بیاہی جائے تو اُسے ذبح کر ڈالے۔ اُس کو ایسی بڑھیا عورت سے بھی تشبیہ دیتے ہیں کہ جو بدصورت ہو مگر اوپر خوب زرق برق کی پوشاک و زیور بیش قیمت پہن لے اور سر پر برقع ڈال لے اور لوگوں کو فریب دے۔ اور تالیاں بجائے۔ اور ناچے۔ اُس کے پیچھے خواستگار ہو کر لوگ بھی تالیاں بجائیں اور ناچیں یہی حال دنیا کا ہے ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ ہے دنیا کو ایک پُل سے بھی تشبیہ دیتے ہیں کیونکہ آخرت میں پہنچنے کے لئے زندگی دنیا ایک پل ہے جس کا ایک ستون مہد ہے اور ایک ستون لحد ہے اور دونو کے درمیان مسافت محدود ہے۔ بعض لوگوں نے اِس پُل کا نصف حصہ قطع کر لیا ہے بعض نے تہائی اور بعض نے دو تہائی اور بعض کو ایک ہی قدم طے کرنا ہے۔ مگر اُس کو معلوم نہیں بہرحال اُس پر سے عبور کرنا ضروری ہے اور پل پر عمارت بنانی اور اُس کو طرح طرح سے زینت دینی اور پھر چھوڑ کر چلا جانا نہایت جہل اور ذلت ہے۔ اُس کو سانپ سے بھی تشبیہ دیتے ہیں کہ اگر اُس کو ہاتھ لگاؤ تو وہ نرم اور چکنا معلوم ہوتا ہے مگر اس کا زہر آدمی کو مار ڈالتا ہے۔ ایسے ہی دنیا ظاہر میں نرم معلوم ہوتی ہے۔ دنیادار کو دنیا میں خوض اور غور کرنا آسان معلوم ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ میں اس سے سلامت نکل جاؤں گا۔ مگر اس میں پھنس جانا آسان ہے نکلنا نہایت دشوار ہے طالب دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کوئی شخص پیاس کے بجھانے کے لئے کھاری پانی پیوے

کہ جتنا زیادہ پیے گا اُتنی ہی پیاس زیادہ ہوگی۔ یہاں تک کہ آخر کو مر جائے گا۔ دنیا کو غذا
سے مثال دیتے ہیں کہ جس کا آغاز اچھا معلوم ہوتا ہے مگر انجام پلید معلوم ہوتا ہے جب لذیذ
و مزہ دار و چکنی غذا معدہ میں کمال کو پہنچتی ہے تو جتنی اچھی وہ ہوتی ہے اُتنی ہی اُس میں
بدبو اور کثافت زیادہ ہوتی ہے پس دل میں شہوات دنیا وہی اچھی معلوم ہوتی ہیں مگر
مرنے کے وقت اُن سے بدبو ایسی ہی آتی ہے جیسی کہ غذا سے جس چیز کو جس قدر آدمی اچھا
جانتا تھا اُتنا ہی اُس کے نہ ہونے سے رنج اٹھاتا ہے۔ غذا میں خوب مصالحے اور خوشبو میں
ڈالتے ہیں پھر اُس کو جہاں ڈال دیتے ہیں اُس کو سب جانتے ہیں بس یہی حال دنیا کی خواہشوں
کا ہے۔ دنیادار دنیا کی لذتوں میں مبتلا ہو کر آخرت سے غافل رہتے ہیں اور پھر بڑی بڑی
حسرتیں اٹھاتے ہیں اُس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے لوگ کشتی میں سوار ہوں اور ایک جزیرہ
پر پہنچیں وہاں ناخدا اجازت دے کہ جس کو قضاء حاجت منظور ہو وہ یہاں اُتر جائے۔ مگر یہ مقام
خوفناک ہے یہاں سے جلد اپنے کام کر کے واپس آ ورنہ کشتی لنگر اُٹھا کر چلی جائے گی۔ یہ لوگ
کشتی سے اُتر پڑے۔ اور اطراف جزیرہ میں پھیل گئے۔ پھر بعضوں نے تو ناخدا کے قول پر عمل کیا
اور قضاء حاجت کرتے ہی کشتی کی طرف چلے آئے اور کشتی کو خالی دیکھ کر خوب فراغت
کی جگہ اور خاطر خواہ آسائش کا مکان لے لیا۔ اور بعضوں نے جزیرہ میں توقف کر کے اُس کے
پھولوں اور غنچوں اور بیابانوں اور نغمات دل آویز اور جانوروں کے چہچہے فرحت انگیز اور
جواہر بوقلموں اور معادن گوناگوں اور نقوش غریبہ اور اشکال عجیبہ کی سیر کی مگر کشتی کے
نہ ملنے کا خوف بھی اُن کے ساتھ رہا اسلئے وہ جلد پھر آئے۔ گو اُن کو کشتی میں پہلوں کا
سا فراغت کا مکان نہ ملا تاہم اچھی طرح بیٹھ گئے۔ مگر بعض اُن اشیاء کو دیکھ کر اُن پر ایسے
لٹو ہو گئے اور جواہر اور گوہر اور میوہ و گل کی خوبی اس قدر دل میں کھپی کہ اُن کے چھوڑنے
کو دل نہ چاہا۔ اس لیے کچھ ساتھ لے لئے کشتی میں آ کر مکان میں گنجائش اتنی بھی نہ دیکھی
کہ خود اچھی طرح بیٹھتے بوجھ کے رکھنے کا تو کیا ذکر ہے مجبوری اس بوجھ کو سر پر لاد کر کشتی میں

ہو بیٹھے مگر اس اپنی حرکت سے نادم تھے کہ ناحق دردِ سر مول لیا۔ کچھ لوگ جنگلوں میں گھس کر کشتی کو بالکل بھول گئے اور اتنی سیر کی کہ ناخدا کی آواز بھی نہ سُنی مگر درندوں کا خوف دل میں تھا اور یہ بھی سمجھتے تھے کہ اس شیب و فراز میں لغزش بھی ہوگی اور مصیبت اٹھانی پڑے گی۔ پاؤں اور کپڑوں میں کانٹے چبھ گئے ٹہنیوں سے بدن پر چرکے لگ گئے۔ ہولناک آوازوں سے کلیجہ کانپنے لگا جھاڑیوں کے کیڑے ایسے چمٹ جائیں گے کہ تنگ رہ جائیں گے۔ پھر اُلٹے جا بھی نہ سکینگے کشتی والوں کی آواز سُن کر سر پر بوجھ کے گٹھے لئے کنارہ پر پہنچے۔ تو اس میں جگہ نہ پائی کنارہ ہی پر بھوکے پیاسے مر گئے بعض کو کشتی والوں کی بھی آواز نہ سُنائی دی اور کشتی بھی چل دی تو وہ درندوں کی خوراک بنے کچھ تھک تھک کر حیران پریشان مر گئے۔ بعض دلدل میں پھنس گئے بعض کو سانپ بچھو کھا گئے۔ غرض اسی طرح سب کے سب خوار و نزار ہو کر ہلاک ہو گئے۔ اب لوگ جو کشتی میں سر پر بوجھ رکھ کر سوار ہو گئے تھے اُن کو ان چیزوں کی حفاظت کی فکر ہوئی مکان تنگ پہلے ہی سے تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد پھول مُرجھا گئے میوے سڑ گئے بدبو آنے لگی۔ جواہر کے رنگ متغیر ہو گئے۔ یک شد دو شد کا مضمون پیش آیا کہ پہلے صرف رکھنے ہی کی وقت تھی اب بدبو سے ایذا ہونے لگی۔ پھر تو کچھ علاج بجز اس کے نہ سوجھا کہ اُن کو دریا میں ڈال دیا۔ مگر اس کی بدبو اور خوراک کی تاثیر ان پر ایسی ہو گئی تھی کہ گھر پہنچنے تک بیمار پڑ گئے اور بہت دنوں تک جھینک لگا گئے۔ اور جو ان سے پہلے کشتی میں بیٹھ گئے تھے اُن کو خاطر خواہ آسائش تو نہ ملی الا وطن میں پہنچ کر صحیح سالم رہے اور وطن میں بھی راحت اور آرام سے رہے۔ بس یہی حال دنیا کے لوگوں کا ہے کہ وطن اصلی کو بھول کر اس جزیرے کے گلزار اور جواہر اور چاندی سونے پر ایسے غافل ہیں کہ انجام کی فکر ذرا بھی نہیں کرتے۔ یہ معلوم نہیں کہ مرنے کے وقت یہ سب زینت کی چیزیں وبال گردن ہو نگی۔ گو اب اُن کے آنے کی خوشی اور جانے کا غم ہوتا ہے۔ اس مصیبت میں سب ہی مبتلا ہیں الا جس کو خدا بچالے خدا نے اپنے بندوں کے لئے دنیا کو ضیافت خانہ بنایا ہے کہ اس میں اپنا توشہ آخرت لے لیں

مہمان یہ نہ سمجھیں جو عطر دان یہاں ہم کو عطر سونگھنے کو پیش ہوا ہے وہ ہماری ملک سے ہے جب ہم عطر سونگھ لو گے تو عطر دان مالک خانہ واپس لے گا۔

(۱۷) دنیا کی حقیقت اور ماہیت

دنیا و آخرت دل کے دو احوال کا نام ہے جو حال کہ دل سے قریب ہے یعنی موت سے پہلے اس کو دنیا کہتے ہیں کہ دنو (یعنی قریب) سے مشتق ہے اور جو حال متاخرین یعنی بعد موت کے ہے اس کو آخرت بولتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ جو چیزیں ایسی ہیں کہ ان سے غرض اور خواہش اور لذت موت سے پہلے ملتی ہے وہ آدمی کے حق میں دنیا میں داخل ہیں مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ جس چیز کی طرف رغبت ہو وہ خواہ مخواہ بری ہو بلکہ وہ تین قسم کی ہیں اول وہ اشیاء جو آخرت میں ساتھ رہیں اور ان کا ثمرہ بعد موت کے معلوم ہو وہ علم و عمل ہیں دوسری قسم وہ حظوظ اور لذات ہیں جن سے صرف زندگی میں فائدہ ہو اور آخرت میں کچھ ثمرہ نہ ملے جیسے گناہوں سے لذت یاب ہونا یا مباحات زائد از ضرورت سے مستفید ہونا جس کو رفاہیت و رعونت کہتے ہیں تیسری قسم کی وہ لذات ہیں کہ ان دونو قسموں میں متوسط ہیں غرض دنیا میں اول سوم محمود اور دوم مذموم جو آدمی کہ غذا و لباس و مسکن بقدر ضرورت آخرت کے لئے حاصل کرتا ہے وہ دنیا دار نہیں کہلاتا ہے اور یہ دنیا اس کے حق میں مزرعہ آخرت ہے ہوئی حظ دنیاوی کی بھی دو قسم ہیں ایک تو وہ جس سے رغبت کرنے والا عذاب آخرت کا مستحق ہو اسکو حرام کہتے ہیں دوم وہ اس درجہ پر نہ پہنچے اُس کا نام حلال ہے افسوس ہے کہ جب کسی اپنے ہمسر کو امارات دنیاوی میں بڑھا دیکھتے ہیں تو کیسے اُس کے لئے حسرت کرتے ہیں حالانکہ اس دنیاوی رتبہ کو کچھ قیام نہیں ہے ہر وقت بدلتا رہتا ہے اور انجام کو بالکل منقطع ہوجاتا ہے۔ دنیاوی لذات پر جب یہ حسرت ہو تو سعادات اُخروی پر بدرجہ اولیٰ ہونی چاہیئے اسلئے کہ وہ نعمتیں پائدار اور خارج از وصف اور بے انتہا ہیں جن کو نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا ایسی نعمتوں کے نہ ملنے سے دل پر کیا کیا گذرتا ہے۔

(۱۸) ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ تم دنیا کو اپنی دایہ اور آخرت کو ماں جانو جب لڑکا سن شعور
کو پہنچتا ہے تو دایہ کو ترک کرتا ہے اور ماں کے پاس رہتا ہے۔ پس اے دل کودک خصال
تو بھی اس بوڑھی دایہ کو چھوڑ کر مادر عقبیٰ کے سینے سے لپٹ +

(۱۹) دنیا کے وہ شغل جن میں ساری دنیا ڈوبی ہوئی ہے

دنیا اُن اشیاء خارجی کا نام ہے جن سے انسان کو حظ ہوتا ہے اور اُن کی درستی
میں وہ مصروف رہتا ہے۔ تمام روئے زمین کی چیزیں تین قسم کی ہیں معدنیات۔ نباتات
حیوانات۔ نباتات کو انسان اس غرض سے چاہتا ہے کہ اُس سے غذا اور دوا حاصل
کرے۔ معدنیات کا طالب اس وجہ سے ہے کہ اُن سے آلات اور برتن بنائے
جیسا کہ تانبے اور لوہے وغیرہ سے بنائے جاتے ہیں یا نقد رکھنے کے لیے اُن کا
طالب ہوتا ہے جیسے کہ سونے چاندی کو اسی غرض کے لئے رکھتا ہے یا اور غرضوں کے واسطے
ان کی طلب ہوتی ہے اور حیوان کی دو قسمیں ہیں انسان اور بہائم۔ بہائم گوشت کے اور باربرداری
اور زینت کے واسطے رکھتے ہیں اور انسان سے کبھی تو یہ غرض ہوتی ہے کہ اُن سے
خدمت لیویں جیسا غلاموں سے یا صحبت مراد ہوتی ہے جیسے کہ عورتوں سے یا دلوں کو اپنی
طرف کرنا منظور ہوتا ہے کہ وہ تعظیم و اکرام کریں اس کو جاہ کہتے ہیں یعنی مالک ہونا
لوگوں کے دلوں کا جاہ کہلاتا ہے۔ ان چیزوں کے ساتھ انسان کے دو علاقے ہیں ایک علاقہ
دل کے ساتھ ہے یعنی ان چیزوں کی محبت اور حفاظت اور ہمہ تن ہمت کو اُن کی طرف
مصروف کرنا کہ گویا بندہ دنیا یعنی عبدالدنیا بنائے اور اسی علاقہ میں تمام دل کی صفتیں جو
دنیا سے متعلق ہیں داخل ہیں جیسے کبر و کینہ اور حسد اور ریا اور شہرت اور بدگمانی اور ذہن
کی سستی اور تعریف کی محبت اور شیخی وغیرہ اس علاقہ کو دنیاء باطنی کہتے ہیں اور دنیائے
ظاہری اُن چیزوں کا نام ہے جن کا ذکر اوپر ہوا۔ دوسرا علاقہ بدن کے ساتھ ہے یعنی بدن
کو ان چیزوں کی درستی میں مصروف کرنا تاکہ وہ قابل اپنے اور غیر کے حظ اٹھانے کے

ہوجائیں اس علاقہ میں تمام پیشے اور حرفے آگئے جن میں لوگ مشغول و مستغرق ہیں اور
انھیں دونوں علاقوں یعنی علاقہ قلبی اور علاقہ بدنی کی جہت سے خلقت کو نہ اپنے نفس
کی نہ دنیا میں اپنے آغاز اور انجام کی خبر ہے۔ اگر آدمی اپنے نفس کو اور اپنے پروردگار
کو پہچانے اور دنیا کی حکمت اور اسرار کو جانے تو معلوم کرلے کہ یہ سب چیزیں جن کو ہم نے
دنیائے ظاہری لکھا ہے اس لئے پیدا ہوئی ہیں۔ کہ جس سواری پر خدا کی طرف جانا منظور
ہے اس کا گھاس دانہ اس سے ہوجائے اور سواری سے غرض ہماری بدن انسانی
ہے کہ وہ بدون کھانے پینے اور لباس و مسکن کے باقی نہیں رہتا جیسا کہ حج کے راستہ
میں اونٹ کو دانہ پانی اور جھول نہ ملے تو وہ بھی زندہ نہیں رہے گا۔ جو آدمی کہ دنیا میں
اپنے نفس اور مقصود کو بھول جاتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی حاجی منزلوں میں ٹھہر
اور ہمیشہ اپنی سواری کے لئے کہیں سے گھاس لائے کہیں سے ٹھنڈا پانی اُن کو پلائے یہاں تک
کہ اسی فکر میں قافلہ سے علیحدہ ہوجائے اور اس کو معلوم بھی نہ ہو کہ اگر ایسا کروں گا تو
حج سے بھی محروم رہوں گا اور مع سواری دام و دد کا لقمہ ہوں گا۔ جو حاجی ہوشیار ہوگا
اُس کا دل تو کعبہ اور حج میں مصروف رہے گا اور سواری کی خدمت بقدر ضرورت کرے گا
کہ جس سے اُس میں رفتار بنی رہے۔ اِس طرح جو شخص سفر آخرت میں دانا بینا ہوتا ہے وہ
بدن کی خدمت ضروری کرتا ہے جیسے کوئی پاخانہ میں حاجت کے وقت جا بیٹھتا ہے پیٹ میں کچھ ڈالنے اور پھر اُس کو
پاخانہ کی راہ دور کرنے میں کچھ فرق نہیں دونوں باتیں ضرورت کے واسطے ہوتی ہیں پس ایک دوسرے پر
ترجیح دینا نہ چاہئے جیسے قضائے حاجت میں بقدر ضرورت مصروف ہوتے ہیں شکم سیر کرنے میں بھی بقدر
ضرورت مصروف رہتے ہیں انسان حظوظ دنیاوی کے لئے اپنے واسطے شغل پر شغل نکالتا چلا جاتا ہے
اُن میں کام بے انتہا نکلتے چلے آتے ہیں انھیں شغلوں میں حیران پریشان رہتا ہے
اور اصلی مقصود کو بھول جاتا ہے۔ انسان نے فقط اپنے اِن تین ضرورتوں غذا۔ پوشاک

سکن کے لئے ہزاروں پیشے اور صنعتیں ور کام نکالے ہیں جنکے اندر مشغول رہنے کے سبب سے اُس کو ایک دم کی فرصت نہیں ہوتی۔

(۲۰) تغیرات جہان

دنیا میں بھی کیا کیا تغیرات عجیب و غریب ہوتے ہیں کہ ابھی آفتاب نارگوں نکلا تھا کہ تھوڑی دیر کے بعد سرنگوں ہو گیا۔ ابھی طاق آسمان پر ستارے روشن تھے کہ غائب ہو گئے چاند اپنا جمال ستاروں میں دکھا رہا تھا کہ دق کے رنج سے ہلال ہو گیا۔ زمین ابھی ساکن باادب تھی کہ زلزلے سے تپ لرزہ میں آگئی۔ ہوا روح کے ساتھ مقترن تھی کہ متعفن ہو گئی پانی کہ روح کی ہمشیرہ تھا حوض میں زرد تلخ و تیرہ ہو گیا۔ ابھی آگ جس ہوا سے موجود تھی تازہ دے رہی تھی اُسی سے بجھ گئی۔ وہی خاک جو موسم بہار میں مایۂ گل تھی ناگہاں ہوا ہی نے اسے برباد کر دیا۔ دریا کے اضطراب و جوش کو دیکھ کر سمجھ لو کہ کیا کیا تبدیلیاں ہوش ربا ہوتی ہیں چرخ گرداں کو دیکھو کہ اُس کی حالت میں بھی وہی تبدل ہوتا ہے جو اُس کے فرزندوں کے حال میں کہ کبھی اوج و حضیض پر۔ کبھی سعد و نحس۔ کبھی شرف و صعود کبھی وبال و ہبوط۔ کل اجزا سے مرکب ہوتا ہے پس جس کل میں تغیر ہو اُس کے اجزا میں کیوں نہ ہو۔ جب بہتروں کے نصیب میں درد و رنج ہو تو کہتروں کو کب گنج مل سکتا ہے جب کلیات میں رنج و درد ہو تو ان کی جزئیات میں کیوں نہ رنگ زرد ہو۔ خاک۔ باد۔ آب۔ آتش۔ ان اضداد کی آشتی کا نام زندگانی ہے اور اُن کی جنگ کا نام موت ہے۔ ان دشمنوں کی صلح تو اس جہان کی عمر ہے اور ان کی جنگ اس جہان کی عمر جاوداں۔ یہ دشمن آپس میں مصالحت کر لیتے ہیں۔ عاقبت کا سبب آپس میں جدا جدا ہو کر اپنے جنس کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ خدا اپنے لطف سے پلنگ و بکری و خرگوش میں اُلفت پیدا کر دیتا ہے۔ اور ان کی جنگ موقوف کر دیتا ہے اگر بھیڑ بھیڑئے سے ڈرے تو تعجب کی بات نہیں لیکن بھیڑ بھیڑیے سے دل لگائے تو تعجب ہے

(۲۱) مالِ دنیا

مال ان چیزوں کا نام ہے جو روئے زمین اور لوگ اُن سے منتفع ہوتے ہیں ان میں سے اعلیٰ غذائیں ہیں پھر رہنے کے مکانات پھر کسب معیشت کی جگہہ مثل دکان کھیت وغیرہ پھر لباس۔ اثاث البیت اور اُس کے آلات پھر آلات کے آلات اور بعض اوقات آلات بھی حیوان کی قسم سے ہوتے ہیں جیسا کُتّا کہ آلہ شکار ہے۔ بیل کشتکاری وغیرہ کا آلہ ہے۔ گھوڑا لڑائی کا آلہ ہے۔ دنیا میں سب سے بڑی چیز مال ہے وہ فائدہ اور نقصان سے خالی نہیں۔ اگر آدمی پاس مال نہیں ہوتا تو افلاس بدکار بنا دیتا ہے۔ اگر ہوتا ہے تو آدمی سرکش ہو جاتا ہے۔ انسان کے حظوظ زندگانی کا نام دُنیا ہے اُس کے بہت سے حصے ہیں اُن میں سے ایک مال ہے۔ اور ایک جاہ ہے ایک اتباع شہوت اور غصہ و حسد۔ ایک شیخی و تعلّی غرض کہ اسی طرح بہت سے اجزا ہیں جتنے آدمی کو حظ زندگانی ہوتا ہے دنیا کا رکن عظیم مال ہے۔ جس کے ہونے سے آدمی تونگر اور نہ ہونے سے فقیر ہو جاتا ہے۔ یہ دونوں وصاف ایسے ہیں کہ اُن سے آدمی کا امتحان ہوا کرتا ہے مفلس کی دو حالتیں ہوا کرتی ہیں۔ قناعت و حرص ایک اُن میں سے اچھی دوسری بُری۔ حریص کے دو حال ہیں یا تو وہ لوگوں کے مال میں طمع کرتا ہے یا دوسروں کے مال سے دست بردار ہو کر حرفہ اور پیشہ کے کرنے میں مستعد رہتا ہے۔ اِن دونوں حالتوں میں پہلی حالت بُری ہے۔ تونگر کے بھی دو حال ہیں ایک تو بخل کے سبب امساک کرنا دوسرے خرچ کرنا پھر ان میں بھی ایک صورت اچھی اور ایک صورت بُری ہے۔ پھر خرچ کرنے والے کے دو حال ہیں ایک اسراف دوسری میانہ روی۔ میانہ روی عمدہ ہے۔ جو مال نیک کمائی سے کمایا جاتا ہے وہ اچھا کہلاتا ہے اور جو بُری طرح سے حاصل کیا جاتا ہے وہ بُرا کہلاتا ہے۔ جب مال نیک کاموں میں خرچ کیا جاتا ہے تو اُس کی تعریف ہوتی ہے۔ اور جب بُرے کاموں میں صرف ہوتا ہے تو اُس کی بُرائی کی جاتی ہے۔ مال نہ بالکل خیر ہے نہ بالکل شر ہے بلکہ وہ دونوں خیر و شر کا سبب ہوا کرتا ہے اور جو چیز سبب خیر و شر دونوں ہوں وہ مدح و مذمت دونوں کے قابل ہوتی

مال انسان کے واسطے ایک ضروری چیز اس وجہ سے ہے کہ اس سے غذا اور لباس جو بدن کی بقا اور کمال نفس کے لئے ضروری ہے حاصل ہوتا ہے اور کمال نفس میں خیر و سعادت ہے۔ یوں مال بھی کمال نفس کا ذریعہ ہے۔ پس جو مال کمال نفس کے لئے کام میں آوے اچھا ہے۔ مال سے ایسے کام بھی ہو سکتے ہیں کہ نفس کو سعادت اخروی سے باز رکھے۔ مال ذریعہ اور وسیلہ مقاصد صحیحہ کے حاصل کرنے کا ہے۔ پس ان مقاصد کے موافق مال کا حال اچھا برا ہو گا۔ اگر مال اتباع شہوات کے کام میں آتا ہے تو اس کی برابر آفات نہیں اور اگر وہ نیک کاموں میں کام آتا ہے تو اس کی برابر خوبیاں نہیں۔ مال بغیر اچھے برے کام نہیں ہو سکتے۔ مال بھی سانپ کی طرح زہر بھی ہے اور زہر مہرہ بھی۔ زہر اس کی آفات ہیں اور زہر مہرہ اس کے فوائد۔ پس جس شخص کو مال کے فوائد اور آفات دونوں معلوم ہوں وہ شر سے بچے اور خیر کا طالب ہو۔

(۲۲) مال کے دینی و دنیوی فوائد و نقصان

پھر مال کے فوائد کی دو قسمیں دنیاوی اور دینی ہیں۔ دنیاوی فوائد مال کے تو ظاہر معلوم ہوتے ہیں۔ دینی فوائد تین طرح کے ہیں اول مال کو اپنے نفس اپنی عبادت میں خرچ کرے دوسری قسم یہ کہ اور لوگوں پر صرف کرے مروت کے سبب سے لوگوں کی حفظ آبرو میں نوکروں اور ملازموں کے غنی کرنے میں اور شرفا کی ہدیہ اور دعوت اور اعانت میں آدمی کے ایسے خرچوں سے بہت دوست ہو جاتے ہیں اور ایسے اخراجات سے سخاوت کی صفت آجاتی ہے صفت سخاوت کی جب تک نہیں حاصل ہوتی جب تک احسان اور مروت سے لوگوں کے ساتھ نہ پیش آوے۔ اور بدلے ان کو نہ دے۔ تیسری قسم کے خرچ وہ ہیں کہ کسی انسان معین پر نہ ہوں۔ بلکہ اس سے فائدہ عام ہو جیسے مسجد۔ پل۔ سرائے۔ شفاخانہ۔ مدرسہ کنواں۔ بنوانا یا خیرات کے لئے زمین و جائداد وقف مساکین کر دینا۔ یہ ایسے خرچ ہیں جن سے ہمیشہ کو مرنے کے بعد خیرات ہوتی ہے اور صلحا خرچ کرنے والے کے حق میں لوگوں تک

دعا کیا کرتے ہیں اسی کو خیر جاری کہتے ہیں مال کے ہونے میں آفات بھی ہیں کیں انسان پر شہوات کا تقاضا ہمیشہ رہتا ہے مگر بے مائگی سے کچھ نہیں کر سکتا عصمت بی بی از بے چادری افلاس تقاضے کو پورا نہیں ہونے دیتا جب تک کسی گناہ کا سامان نہیں ہوتا تب تک اُس کا شوق نہیں اُبھرتا جب آدمی اپنے میں اسکے کرنے کی قدرت دیکھتا ہے تو اُسے شوق اُبھرتا ہے چونکہ مال سے یہ قدرت آجاتی ہے اسی واسطے تقاضا معصیت سلسلہ جُنبانی کرتا ہے اُس وقت اپنی خواہش کے موافق ارتکاب کرنے لگے گا تو آفات میں مبتلا ہوگا۔ اگر صبر کرے گا تو رنج اُٹھائے گا۔ اسلئے کہ باوجود قدرت صبر کرنا بہت سخت ہے۔ دوم تنعم میں بھی زیادتی ہوتی جاتی ہے۔ ایک تکلف پر دوسرا تکلف بڑھتا جائے گا۔ اُس کو ضرورت اس سبب سے بہت سے آدمیوں کی طرف ہوگی۔ جن کے راضی کرنے میں جھوٹی سچی باتیں بنانی پڑیں گی سوم ایک بڑی آفت مال کی جس میں تھوڑے بہت سب ہی گرفتار ہیں یہ ہے کہ وہ مال کی اصلاح اور درستی میں خدا تعالیٰ سے غافل ہوجاتا ہے۔ غرض مال کا وجہ حلال سے حاصل کرنا دشوار ہے پھر اُس کا حق طور پر خرچ کرنا مشکل ہے۔ اُس کے اکتساب میں خدا کی یاد سے غافل نہ ہونا اور سخت دشوار ہے۔ مال والے کے ذمے سیکڑوں جھگڑے لگے رہتے ہیں۔ صبح شام کہیں کسانوں سے کہیں شرکا سے کہیں خریداروں سے جھگڑا ہے۔ کہیں حساب کا بکھیڑا کہیں پانی اور حدود کی تکرار۔ کہیں سرکار کی جوابدہی۔ اُس کے نوکروں سے خراج و ضبطی کا بکھیڑا معمار اور مزدوروں سے اُلجھنا کہ کام تھوڑا کیا کہیں کسانوں پر چوری اور خیانت کا الزام لگانا۔ کہیں اپنے شریک سوداگر سے اندیشہ اس بات کا کہ یہ نفع زیادہ لیتا ہے اور کام کم کرتا ہے مال تلف کرتا ہے خواہ آدمی پاس کسی قسم کا مال ہو اُس کو تردّدات پیش آتے رہتے ہیں +

(۲۳) مال کی خرابیاں

مال کا پیدا کرنا اور اس کی حفاظت یہ دونوں کام انسان کے بڑی محنت اور مشقت کے کام ہیں مال جمع کرنے میں دل کو ملال ہوتا ہے اور زر و گوہر حاصل کرنے میں گرداب تفکر میں غوطہ لگانا پڑتا ہے۔ بہت سی اشیاء کی حسرت میں آسیا کی طرح دستِ تاسف ملنا پڑتا ہے جب ملک و مال بہت ہو جاتا ہے۔ اسباب ثروت و حشمت مہیا ہوتا ہے تو توسن نفس سرکش ہوتا ہے اور وادی عصیان میں جا پڑتا ہے۔ مال کی محبت دل میں نفاق پیدا کرتی ہے اور وہ اس کو ایسا بڑھاتی ہے جیسا کہ ابر گھاس کو۔ دنیا میں ہر روز اور ہر ساعت دیکھ لو کہ دو فرقوں میں کیسے کیسے جھگڑے مال کے سبب سے اٹھتے ہیں یاران دیرینہ کے صاف سینے کیسے حسد و کینے کے ناخن سے خراشیدہ ہوتے ہیں کبھی وہ گر زمین پر دو عزیزوں کی جان جاتی ہے۔ اسی لئے عاقلوں نے مال کو مردار سے تشبیہ دی ہے اور اس کے طالبوں کو کتا مقرر کیا ہے۔ اکثر آدمی دنیا میں مال و جاہ کو دین و ایمان سمجھتے ہیں اور سیم و زر کی جمعیت کو بخت و دولت جانتے ہیں مگر انقلاب روزگار اُن کو خطاؤں پر مطلع کرتا ہے وہ دستِ تاسف ملتے ہیں اور حسرت میں مرتے ہیں۔ آدمی کی زندگانی کے واسطے مال ہے لیکن مال کے واسطے زندگانی نہیں مال بے عمر کے بیکار ہے اور عمر کچھ مال پر بٹتی نہیں

(۲۴) دیانت و خیانت مال

دیانت کی مدح و خیانت کی مذمت زبانوں پر چڑھی ہوئی ہے۔ قطع نظر مذہب کے یوں عقل سے بھی نظر آتا ہے کہ اہل خیانت تھوڑے دنوں میں خلق کے آگے انگشت نما مشہور ہوتے ہیں اور جہاں وہ نزدیک اور دور کے لوگوں میں خیانت کے ساتھ نامزد ہوئے تو اُن کے معاملات میں فرق آتا ہے اور خلق کو نفرت ہوتی ہے بیگانہ و یگانے اُن سے معاملہ کرنا چھوڑتے ہیں اس سبب سے اُن کے دخل اور نفع میں خلل پڑتا ہے۔ جو مال دنیا بے ایمانی سے جمع ہوتا ہے وہ بھی رفتہ رفتہ ضائع ہوتا جاتا ہے۔ ایک گروہ ہے جو ش ور گندم جو فروش ایسا ہوتا ہے کہ کسی کے حق مارنے کو اپنے مال کی افزونی اور احوال کی ترقی کا سبب

جانتے ہیں وہ بے ایمانی سے اوروں کو نقصان پہنچانے کو اپنا فائدہ گنتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ خیانت خرمن ثروت کے لئے برق ہے۔ جو مال کہ خیانت سے جمع ہوتا ہے وہ خیانت ہی میں جاتا ہے۔ جو چیز ہوا لاتی ہے ہوا ہی اُس کو لے جاتی ہے ایک شخص کچھ کپڑے چُرا کر بازار میں بیچنے گیا۔ ایک دلال اُس سے وہ کپڑے اُڑا کر لے گیا کسی شخص نے پوچھا کہ کپڑے کتنے کو بیچے اُس نے جواب دیا کہ جتنے کو خریدے تھے۔ مالِ حرام بود بجائے حرام رفت ملازمت ہو۔ تجارت ہو کوئی راہ سود اور نفع کے لئے بہتر راستی اور امانت سے نہیں ہے امانت ہی سعادت و اقبال کی کیمیا ہے۔ مال میں اسی سے برکت ہوتی ہے۔ امانت ہی کی دلالی سے تجارت کے بازار میں ہزار ہا نفعے ہوتے ہیں۔

(۲۵) جاہ

دنیا کے دو رکن اعظم مال اور جاہ ہیں مال کے معنی تو یہ ہیں کہ جن چیزوں سے نفع ہو ان کا مالک ہونا جاہ کے معنی یہ ہیں کہ جن دلوں سے اپنی تعظیم و طاعت مطلوب ہے ان کا مالک ہونا۔ مالدار اور غنی اپنی دولت کے ذریعہ سے تمام مقاصد نکالتے ہیں اور شہوات اور حظوظ نفسانی کو پورا کرتے ہیں اسی طرح صاحب جاہ لوگوں کے دلوں کو قابو میں رکھ کر اپنے تمام مقاصد و مطالب پورے کرتے ہیں جیسے دولت مختلف معاملات کے ذریعہ سے پیدا ہوتی ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے دل بھی مختلف معاملات سے تسخیر ہوتے ہیں کہ کسی کو کسی بات میں معتقد علیہ جانیں پس جب دل میں کسی شخص کی نسبت کسی وصف کمال کا اعتقاد ہوگا وہ اُسی اعتقاد کے موافق اُس کا مسخر ہو جائے گا۔ یہ کچھ شرط نہیں ہے کہ وہ وصف فی نفسہ بھی کوئی کمال ہو۔ بلکہ یہی کافی ہے کہ اُس شخص کے عندیہ اور اعتقاد میں وہ کمال ہو بعض اوقات وہ ایسی چیز کو بھی کمال اعتقاد کرے گا جو واقع میں کمال نہ ہو معتقد علیہ میں اس وصف کمالی کا یقین معتقد کر لیتا ہے۔ اِس لئے اُس کا دل ضرور ہی منقاد ہو جاتا ہے۔ دل کی ایک کیفیت کا نام انقیاد ہے۔ دل کی کیفیات تابع اپنے اعتقادات اور علوم و تخیلات کے ہوتے ہیں پس جیسا اعتقاد ہوگا ویسی ہی کیفیت

اُس پر طاری ہوگی۔ مالداروں کے لونڈی غلام لوگ زبردستی سے بنتے ہیں اور آزادی کے موقعے ڈہونڈتے رہتے ہیں مگر صاحب جاہ کو اطاعت لوگ خوشی سے کرتے ہیں اور آزاد طبع اپنی خواہش سے اُسکے تابع ہوتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ جاہ کے معنی یہی ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں جگہہ ہونی یا ایک شخص کے کسی وصف عالی کا دلوں میں اعتقاد ہوجانا۔ پس جس قدر کہ اُس کے کمالوں کا لوگوں کے دلوں میں اعتقاد ہوگا اسی قدر دل بھی منقاد ہوں گے اور جس قدر دلوں کا انقیاد ہوگا اُسی قدر صاحب جاہ کو لوگوں کے دلوں پر اختیار ہوگا اور جس قدر اختیار ہوگا اُسی قدر اُس کو فرحت اور محبت جاہ سے ہوگی یہی سبب ہے کہ سب آدمیوں کو دولت سے زیادہ جاہ کی چاہ ہوتی ہے۔ جیسے روپیہ اشرفی کو بذات خود نہ کھا سکتے ہیں نہ پی سکتے ہیں نہ لباس بنا سکتے ہیں اس اعتبار سے روپیہ اشرفی اور کنکر میں کچھ فرق نہیں مگر ان کے ذریعہ سے ہم اپنی محبوب چیزیں حاصل کرسکتے ہیں اس کئے ان سے محبت ہوتی ہے یہی حال جاہ کا یعنی دلوں کے مالک ہونے کا ہے کہ وہ بذات خود کارآمد نہیں بلکہ وسیلہ حصول اغراض کا ہے۔ جاہ کو مال پر ترجیح ہے۔ اول اس لئے کہ صاحب جاہ مال جتنا چاہے حاصل کرسکتا ہے مگر صاحب مال جاہ نہیں حاصل کرسکتا۔ دوم مال معرض تلف میں آسکتا ہے حفاظت کا محتاج ہے اور بہت سی آفتیں مال پر آسکتی ہیں مگر دل جب ملک میں آجاتے ہیں تو مال کی آفات میں سے کوئی آفت اُن پر نہیں واقع ہوسکتی۔ ہاں ایک آفت شاذونادر یہ آسکتی ہے کہ کوئی صاحب جاہ کی بُرائی بیان کرکے بہکادے اور اعتقاد بدل دے۔ سوم دلوں کی ملکیت بے رنج و مشقت بڑہتی جاتی ہے اور ایک سے دوسرے میں سرایت کرتی جاتی ہے۔ اس لئے کہ دل جب کسی کے وصف کمال کے معتقد ہوتے ہیں کہ فلاں شخص بڑا عالم یا عاقل ہے تو زبان خود بخود اُس کی ثنا میں کُھلتی ہے اور جس چیز کے خود معتقد ہوتے ہیں وہ دوسرے کے سامنے بیان کرتے ہیں پس دوسرے شخص کا دل بھی اسی حال میں گرفتار ہوجاتا ہے۔ مال کے بڑہانے میں بہت رنج و تعب

اُٹھانے پڑتے ہیں غرض جاہ کو مال پر سب طرح سے ترجیح ہے۔ انسان کو مال و جاہ کی محبت بیشک
ہونی چاہیئے اسلئے کہ جو چیز محبوب چیزوں کے وصول کا وسیلہ و ذریعہ ہو۔ اُس کو آدمی کی
طبیعت محبوب جانتی ہے۔ ایک اہل جاہ مستحق ہوتے ہیں کہ لوگوں کے دل اُن کے منقاد
ہوں۔ مگر اکثر آدمی جھوٹے جاہ کے مدعی ہوتے ہیں۔ اُن کو جاہ کی طلب کا سودا دیوانہ
بناتا ہے۔ وہ بزرگی اور برتری و مہتری کو بڑی بے تابی کے ساتھ تلاش کرتے ہیں اور
دنیا کے مناصب نا مناسب اپنی ترقی چاہتے ہیں اگر دُنیا کے تمام مفاسد عظیمہ پر نظر
ڈالو تو اُن کا سبب یہی حبّ جاہ ہوگا نمرود۔ فرعون۔ شداد۔ دقیانوس کے سبب سے جو
مفاسد برپا ہوئے اُن کا سبب یہی حبّ جاہ تھا جو جاہ و جلال کے مشتاق ہوتے ہیں
وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنے ابنا روزگار میں معزز و مکرم ہوں اور مسند تفاخر پر بیٹھیں اور
ہمیشہ نہال عمر و زندگانی سے عیش و کامرانی کے میوے چکھیں اس لئے وہ چشم طمع کھولتے
ہیں اور دست تعدی لوگوں کے مال پر دراز کرتے ہیں اگر وہ حاکمی کرتے ہیں تو اوروں کی
ذلیلیوں سے۔ اگر بزرگی دکھلاتے ہیں تو اوروں کے چھوٹا ہونے سے۔ اُن کے خوان کی
رنگینی مسکینوں کے دلوں کے خون سے ہوتی ہے اور اُن کے کھانے میں چربی ضعیفوں
کے پہلوؤں سے۔ غرض وہ اپنے منصب کے برقرار رکھنے میں طرح طرح کی محنت و بلائیں اپنے
سر پر لیتے ہیں اور انقلاب زمانہ کے ہاتھ میں گرفتار ہو کر بڑے ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔

مرد جاہل جاہ و دینار القب دولت نہاد ۔ ہم چناں کاماس را بینی و گوئی فربہی

جو حکومت دنیا پر مفتون ہوتے ہیں وہ نفس و ہوا کے محکوم ہوتے ہیں۔ حکومت جس میں
کوئی دوسرا شریک نہیں ہوتا وہ اپنے نفس امارہ کی حکومت ہے جس سے طبیعت سرکش
مغلوب ہوتی ہے جو اس حکومت میں منافع ہیں وہ کسی میں نہیں۔ دولت و جاہ دنیا ایک
بازیچہ ہے اس کے پیچھے دیوانہ بننا۔ اور دین کو اس کے لئے رشوہ میں دینا عقل کے خلاف ہے۔

(۲۶) مال و جاہ کا نعمت و مصیبت ہونا

مال ایک سانپ ہے جس میں تریاق نافع اور زہر ہلاہل دونوں موجود ہیں اب اگر سانپ کو کوئی سپیرا پکڑے گا جو زہر سے بچنے کی ترکیب اور تریاق نکالنے کی تدبیر سے ماہر ہے تو اُس کے لئے سانپ کا پکڑنا نعمت ہے لیکن اگر گنوار مغرور اُس کو پکڑے گا تو اس کے لئے مصیبت ہے۔ یا مال ایک سمندر ہے جس کی تہ میں طرح طرح کے موتی اور جواہر ہیں تو جو شخص فن شناوری اور غوطہ زنی میں یکتا ہوگا اور سمندر کی آفات سے بچنے کی گھاتیں جانتا ہوگا اُس کو سمندر کی نعمتیں ملیں گی اور اگر ہر ایک امر سے ناواقف ہے تو پھر اُس کے ڈوبنے میں کیا شبہ ہے۔ پس جو شخص جاہ و دولت کے استعمال کو اچھی طرح جانتا ہے اُس کے حق میں یہ نعمتیں ہیں ورنہ مصیبتیں +

(۲۷) انسان کو کمال و اپنا غلبہ پسند ہوتا ہے

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ آدمی میں چار طرح کی صفات ہوتی ہیں بہیمی سبعی شیطانی۔ ربوبیت انسان میں ایک امر ربانی یعنی روح بھی ہے اس لئے اُس کو ربوبیت پسند ہے اور ربوبیت کے معنی یہ ہیں کہ کمال میں یکتا ہونا اور وجود مستقل میں یگانہ ہونا۔ اِس لئے انسان کو کمال محبوب بالطبع ہے اور وہ کمال کے ساتھ یہ بھی پسند کرتا ہے کہ میں اس میں یگانہ ہوں۔ مگر یہ صفت یگانہ ہونے کی خدا کے ساتھ مخصوص ہے۔ انسان خواہ کیسا ہی متفرد بالکمال ہونا چاہے مگر وہ نہیں سکتا۔ انسان کا نفس متناہی کمال کے حاصل کرنے میں عاجز ہے۔ انسان کو بالطبع سب پر غالب ہونا پسند ہے کیونکہ اس میں بھی ایک کمال پایا جاتا ہے مگر یہ غلبہ اشیاء پر جب ہوتا ہے کہ ان میں تاثیر و تغیر کی قدرت اپنے ارادہ سے حاصل ہو کہ جس طرح چاہے اُن کو الٹ پھیر دے پس انسان کو یہ بات محبوب ہوئی کہ جو چیزیں اُس کے ساتھ موجود ہیں سب پر اپنا غلبہ اور تصرف کرے۔ مگر موجودات عالم میں بعض چیزوں میں تصرفات انسانی کو دخل ہے

جیسے کہ زمین کی اشیاء اور بعض اُس کے تصرف سے باہر ہیں جیسے آسمان و صفات اللہ تو انسان نے
اِس بات کو محبوب سمجھا کہ فلکیات پر علم کی جہت سے مستولی ہونا چاہیے اور اُس کے اسرار
اور دقائق کو جاننا چاہیے یہ بھی ایک طرح کا غلبہ ہے۔ غرض یہ غلبہ کمال علمی سے حاصل
ہوتا ہے۔ زمین کی اشیاء پر تصرف و قدرت سے مستولی ہونا طبعًا محبوب ہے۔ اب زمین کی اشیاء
کی دو قسمیں ہیں ایک اجسام دوسری ارواح۔ اجسام جیسے کہ روپیہ اشرفی اور اسباب وغیرہ ان
چیزوں میں انسان کو یہ بات محبوب ہے کہ ان کو جہاں چاہے رکھے جس کو چاہے دیوے
جس کو چاہے نہ دیوے۔ غرض ان پر تصرف اور قدرت کا خواہاں ہوتا ہے۔ یہ قدرت
ہی کمال گنا جاتا ہے۔ غرض اسی طرح وہ لوگوں کے دلوں کو بھی غلام بنانا چاہتا ہے کہ
ان کے اجسام اور اعضا پر تصرف و قدرت ہو جائے گو جبر و قہر ہی سے ہو اور دل کی ملکیت
بھی حاصل نہ ہو کیونکہ دلوں کی تسخیر تو بدون اعتقاد کامل کے نہیں ہوتی۔ یہ ضرور نہیں کہ لونڈی
غلاموں کے دل بھی آقا کے کمال کے معتقد ہوں قہر و جبر کا خیال البتہ دل میں رہتا ہے اسی
سے اپنے اجسام سے اطاعت کرتے ہیں اور یہی دبدبہ و غلبہ اور قدرت حضرت انسان کو پسند ہے
بلکہ اس غلبہ سے زیادہ وہ غلبہ اور قدرت اُس کو پسند ہے جو لوگوں کے دلوں پر اُس کو قدرت
اور تصرف حاصل ہو اور قلوب ایسے مسخر ہو جائیں کہ اُس کے اشارہ اور ارادہ میں ہیں غرض
ہر ایک دل کا مطلوب کمال ہے اور کمال علم و قدرت سے ہوتا ہے پس ہر ایک انسان اسی قدر
خوشی اور لذت پاتا ہے جس قدر کہ اُس کو کمال ہو یہ وجہ ہے جس سے کہ علوم و مال و
جاہ محبوب ہیں۔

(۲۸) مدح و ثنا کی محبت اور خوشی اور ہجو کی نفرت

ہر انسان کو اپنی مدح و ثنا سے خوشی اور لذت حاصل ہوتی ہے اور ہجو سے نفرت اور بغض
انسان چار سببوں سے اپنی مدح سے لذت یاب ہوتا ہے۔ اوّل مدح کے باعث جب نفس یہ
جانتا ہے کہ میں صاحب کمال ہوں اور کمال ایک محبوب شے ہے جس کا اوپر ذکر ہوا۔ تو

نفس کو اپنے محبوب کی واقفیت ہوتی ہے خواہ مخواہ خوشی اور لذت پاتا ہے۔ مدح سے ممدوح کے
نفس کو اپنے کمال کا شعور ہو ہی جاتا ہے اس لئے کہ جس وصف سے تعریف کی جاتی ہے دو
حال سے خالی نہیں یا تو ظاہر ہوتا ہے یا مشکوک اگر وصف ظاہر اور محسوس ہے تو لذت
کم ہوتی ہے جیسے کسی کی تعریف میں کہیں کہ قد کا اونچا اور رنگ کا سفید ہے تو ہر چند
یہ ایک طرح کا کمال ہے مگر نفس اس سے غافل رہتا ہے اسلئے اس کی چنداں لذت
بھی نہیں مگر دوسرے کے جتانے سے جب اس کمال کا شعور ہوتا ہے تو کچھ نہ کچھ لذت
حاصل ہوتی ہے اور اگر وصف مذکور ایسی چیزوں میں سے ہو جن میں شک کو مجال ہے
تو اس سے لذت بہت زیادہ ہوتی ہے مثلاً کسی کی کمال علم اور کمال ورع یا حسن خلق
کی تعریف کرنی یہ اوصاف ایسے ہیں کہ آدمی کو ان میں اکثر شک ہوتا ہے کہ میرا حسن خلق
یا علم یا ورع کامل ہے یا نہیں اور اس بات کا مشتاق ہوتا ہے کہ یہ شک مٹ جائے۔ اور یقیناً
معلوم ہو جائے کہ میں اس وصف میں بے نظیر ہوں تاکہ اطمینان ہو اور پھر اس وصف کے حاصل کرنے
میں مشقت نہ کرنی پڑے پس جب دوسرے کی زبان سے اپنے کمال کو سنتا ہے تو دل کو تسکین
ہوتی ہے اور دل کو وثوق ہوتا ہے اور نہایت لذت حاصل ہوتی ہے اور سب سے زیادہ
تر لذت اس سبب سے اس وقت ہوتی ہے جب مدح و ثنا کوئی ایسا شخص کرے جو اس طرح کی
صفات سے واقف ہو اور کلام بھی بے تحقیق اور بیہودہ نہ کہتا ہو مثلاً کوئی استاد اپنے کسی
شاگرد کی ثنا کرے کہ بڑا ذکی اور دانا اور فاضل ہے تو اس سے شاگرد کو نہایت خوشی
ہوتی ہے اور اگر کوئی بیہودہ اور لغو گو اس طرح کی ثنا کرے تو لذت کم ہوتی ہے ہجو اور
مذمت کے برا معلوم ہونے کا سبب یہی ہے کہ نفس کو اپنے نقص کا شعور ہوتا ہے اور چونکہ
نقصان کمال کی ضد ہے اور کمال محبوب ہوتا ہے تو بالضرور نقصان برا معلوم ہوگا اور
جب اس پر اطلاع ہوگی رنج ہوگا خصوصاً اس وقت کوئی دانا بینا معتمد آدمی مذمت کرے

جیسا کہ مدح میں بیان ہوا دوسرا سبب یہ ہے کہ مدح سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعریف کرنے والے کا
دل ممدوح کا مملوک اور مسخر و معتقد ہے اور دل کی ملکیت بہر صورت آدمی کو پسند ہے جب یہ
معلوم ہوگا کہ مادح میرا معتقد اور اُس کا دل میری مشیت کے تابع ہے لذت حاصل ہوگی
خصوصاً جب ایسا شخص تعریف کرے کہ جس کو قدرت زیادہ اور اُس کے دل کے تسخیر
ہونے سے کام زیادہ نکلے تو اور بھی زیادہ خوشی اور لذت ہوگی مثلاً حکام اور اکابر کے
دل کی تسخیر سے اور یہ لذت کم ہوتی ہے اگر کوئی ایسا شخص تعریف کرے جو بیقدر ہو اس لئے
کہ اگر ایسے بیقدر کے دل کا مالک بھی ہوا تو کیا ہے ایک حقیر چیز ملکیت میں آئی اور اسی
کی تعریف ممدوح میں قدرت ناقص کا اظہار کرتی ہے اور اسی وجہ سے ہجو کو بھی برا جانتا ہے
اور دل پر صدمہ ہوتا ہے اور جب کوئی اکابر میں سے ہجو کرتا ہے تو اور زیادہ رنج ہوتا ہے
کہ اس صورت میں بڑا مطلب فوت ہوتا ہے تیسرا سبب یہ ہے کہ ایک شخص کا تعریف کرنا اس بات کا
موجب ہی ہوتا ہے کہ کسی دوسرے کا دل بھی اپنا معتقد ہو جائے خصوصاً جب ایسا شخص
تعریف کرے کہ جس کے قول پر سب ملتفت ہوں اور اُس کا اعتبار کرتے ہوں مگر اس میں شرط
یہ ہے کہ تعریف لوگوں کے سامنے ہو پس جسقدر جمعیت زیادہ ہوگی اور تعریف کرنے والا لائق
التفات ہوگا اُسی قدر تعریف سے زیادہ لذت حاصل ہوگی مثلاً میر مجلس یا حاکم ثنا کرے گا
تو تعریف نہایت لذیذ معلوم ہوگی اور ہجو اُس کے برعکس شاق گذرے گی چوتھا سبب یہ
ہے کہ تعریف سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ممدوح صاحب حشمت و رعب ہے کہ مادح اُس کی ثنا
میں رطب اللسان ہونے کو مضطر ہے خواہ بہ ترغیب دل یا دباؤ سے ہو اپنا دباؤ بھی آدمی کو
اچھا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ایک طرح کا غلبہ پایا جاتا ہے اس جہت سے ممدوح کو اس تعریف
میں لذت ہوتی ہے گو تعریف کرنے والا دل میں ان اوصاف کا ممدوح کے لئے معتقد نہ ہو
اگر یہ چاروں اسباب ایک ہی تعریف کرنے والے کی تعریف میں جمع ہو جائیں تو ظاہر ہے

کہ نہایت درجہ کی لذت ہوگی اور اگر مختلف ہوں تو اُسی قدر لذت بھی کم ہوگی۔ مگر انسان کو
چاہیے کہ وہ اپنی تعریف پر بھولے نہیں پہلی تعریف کو جانے کہ اس میں مبالغہ ہے مجھ میں وہ
کمال نفس نہیں ہے جس کی تعریف کی گئی ہے۔ دوسری تعریف کو سمجھے کہ مادح اوپری د
سے کہتا ہے اپنے قول کا معتقد نہیں اور مجھ میں وہ صفت نہیں جو وہ بیان کرتا ہے اور
ایسے ہی تیسرے سبب کو سمجھے جو تیسرے سبب کو جانے کہ میرے خوف اور دباؤ سے ثنا
نہیں کرتا بلکہ مجھ کو بناتا ہے +

(۲۹) مدح و ذم میں لوگوں کے حال مختلف ہوتے ہیں

مادح اور مذمت ساز کی نسبت لوگوں کے چار احوال ہوتے ہیں اوّل صورت یہ ہے کہ مدح سے
خوش ہو کر شاکر ہوں اور مذمت سے ناخوش ہو کر مذمت کرنے والے سے کینہ رکھیں اور اس سے
انتقام لینے کو اچھا سمجھیں اکثر حال لوگوں کا یہی ہے۔ صورت دوم یہ کہ مذمت باطن میں تو
شاق معلوم ہوتی ہے مگر زبان اور اعضاء ظاہری پر اس کی مکافات کی نوبت نہیں آتی
اس کو روکے رکھتا ہے اسی طرح مادح کی مدح سے باطن میں تو خوش ہوتا ہے مگر ظاہر کی
حفاظت کرتا ہے۔ اظہار سرور ظاہر نہیں کرتا۔ سوم یہ اعلیٰ درجہ کی بات ہے کہ مدح و ذم مساوی
معلوم ہوں نہ مدح سے سرور ہو نہ مذمت سے رنج۔ یہ بات جس میں ہوگی اس میں علامات
پائی جائے گی کہ اس کو مادح و مذمت کرنے والا کا بیٹھنا برابر گوارا اور ناگوار ہوگا۔ دوم
جتنی خوشی اور فرحت مادح کی حاجت روائی میں ہوگی اتنی ہجو کرنے والے کی کاربرآری
میں سوم مجلس سے مدح اور ہجو کرنے والے کا چلا جانا برابر معلوم ہو۔ چہارم دونوں کے مرنے کا
غم و رنج برابر ہو۔ پنجم دونوں کی مصائب اور اذیت پہنچنے پر اثر برابر ہو۔ مگر یہ رتبہ کسی کو حاصل
نہیں ہوتا۔ چوتھی صورت یہ کہ مدح کو برا جانے اور مادح سے ناخوش ہو اور مذمت والے
کو دوست جانے کہ اس نے اس کے عیب بتلائے اور جو بات ضروری تھی اس کی طرف

اس کو ہدایت کی یہ مرتبہ نہایت سخت دشوار ہے۔ ہم میں پر لے درجہ کی خوبی یہی سمجھی جاتی ہے کہ مذمت کرنے والے کی برائی اور راج کی بھلائی دل میں ہو مگر اس کا اظہار قول اور عمل میں نہ ہو۔

(۳۰) دنیا کے امور میں تفاوت

دنیا کا حال ایسا ہی ہے جیسے کسی بحر کا ہو کہ آدھا حصہ اُس کا شیریں اور روشن مثل شکر و قمر ہو۔ دوسرا آدھا تلخ زہر ہو اور رنگ تیرہ ہو۔ اب ان دونوں حصوں میں اوپر نیچے سے سمندر کی طرح لہریں اُٹھ رہی ہوں کبھی یہ اوپر کبھی وہ اوپر۔ کبھی صلح کی موجیں اُٹھیں تو سینے بے کینے ہو گئے۔ کبھی جنگ کی لہریں اُٹھیں تو محبت زیر و زبر ہو گئی محبت تلخیوں کو شیریں کرتی ہے کیونکہ اُس کا کام رشد و ہدایت ہے۔ قہر شیریں کو تلخ کرتا ہے۔ تلخ و شیریں آپس میں موافقت نہیں کرتے۔ مگر یہ تلخ و شیریں اس نظر سے بھلے دکھائی دیتے ہیں کہ وہ عاقبت کے منظر سے دیکھے جاتے ہیں چشم آخر بیں صحیح و درست دیکھتی ہے چشم اوّل بیں خطا کرتی ہے بہت سی شیریں چیزیں شکر نظر آتی ہیں مگر ان میں زہر بھرا ہوتا ہے۔ جو زیرک ہے وہ تو ان کو دور ہی سے پہچان جاتا ہے اور ہاتھ نہیں لگاتا ہے۔ بعض اُس کو سونگھ کر پہچانتے ہیں اور رد کرتے ہیں بعض اُس کو لب و دنداں سے چکھ کر تھوک دیتے ہیں بعض گلے کے اندر لیجا کر قے کرتے ہیں بعضے کھا جاتے ہیں سارا بدن اُس سے اُن کا تکلیف پاتا ہے اور اُس کا اخراج مشکل سے ہوتا ہے۔ اُن سے زندگی میں امراض پیدا ہوتے ہیں جو قبر میں لیجاتے ہیں وہاں بھی وہ اُن کو ستاتے ہیں۔ سر نبات و شکر بننے کے واسطے زمانہ کی مہلت ضرور ہے۔ مدتیں چاہئیں کہ آفتاب سے لعل میں رنگ و چمک پیدا ہو۔ پانچ سات برس سے کم میں درخت پر پھل نہیں لگتا۔ ایسے ہی اس تلخ و شیریں زمانہ کے نتیجے دیر میں نکلتے ہیں تصاریف غذائی سے زہر بھی خوشگوار ہو جاتا ہے۔ دنیا کسی مقام میں زہر ہے کسی مقام میں قند کسی جگہ کہیں کسی جگہ

کہیں خار کہیں گل۔ کہیں سر کہیں پل۔ کہیں خوف کہیں جا۔ کہیں بخل کہیں سخا۔ کہیں فقر کہیں غنا۔ کہیں قہر کہیں رضا۔ کہیں جور کہیں وفا۔ کہیں طمع کہیں عطا۔ کہیں درد کہیں صفا کہیں خاک کہیں گیاہ۔ کہیں عیب کہیں ہنر۔ کہیں سنگ کہیں گہر۔ کہیں حنظل کہیں شکر کہیں خشکی کہیں تری۔ کہیں ظلم کہیں عدل۔ کہیں جہل کہیں عقل۔ کہیں ایک ہی چیز ایک جگہہ گزند جان دوسری جگہہ درمان۔ غورہ میں ایک پانی ترش ہوتا ہے وہی انگور ہونے پر شیریں ہو جاتا ہے۔ وہی خم میں تلخ اور حرام ہو جاتا ہے۔ غرض ان تفاوت امور کا ظہور عاقل خوب جانتے ہیں +

باب ششم

معاملات دنیا

(۱) تجرد و تاہل کے فوائد و نقصان

تجرد سے مراد یہ ہے کہ آدمی عورت سے الگ رہے اور تاہل سے مراد یہ ہے کہ آدمی نکاح کرے ان میں سے ہر ایک کے جدا جدا نفعے اور نقصان ہیں۔ انسان کی حالتیں مختلف ہوتی ہیں اس لیے انسان کے حق میں تاہل و تجرد کی منفعتیں اور مضرتیں بھی جدا جدا ہوتے ہیں اگر ہر انسان کے حق میں اُن کے فوائد اور نقصانوں کا وزن میزان عدل میں کیا جائے تو اکثر آدمی ایسے ہونگے جن کے حق میں تاہل کے فائدوں کا پلڑا جھکا ہو گا بعض ہی شخصوں کے حق میں دوسرا پلڑا جھکے گا۔ نکاح کی رغبت اور اعراض بسبب اختلاف حالات مختلف ہوتی ہیں اُس کی منفعتیں اور مضرتیں بیان کرتے ہیں +

(۱) پہلا فائدہ نکاح کرنے کا اولاد کا ہونا ہے یہ سب کی اصل ہے اور نکاح اسی کے لیے موضوع ہوا ہے۔ بقائے نسل اسی سے ہے بغیر اس کے جنس انسان سے عالم خالی ہوتا ہے۔ تاہل ایک تیر اک ہے کہ اولاد کے موتی محیط عدم سے نکال کر ماں باپوں کی گردن کا زیور بناتا ہے

وہ باغبان ہے کہ عورت و مرد کی آمیزش سے ثمر اولاد سے ماباپوں کو متمتع کرتا ہے۔ روشن گر ہے کہ آئینہ خاطر کو عیال کی کدورت کی خاکستر میں غوطہ دیتا ہے کہ اندیشہاے نفسانی کا زنگ اُتر جائے آتش زنہ ہے کہ خاندانوں کا چراغ روشن کرتا ہے۔ اولاد ہی اس خوان جہان کا نمک اور دیدہ دل کی عینک ہے جیسے جانوروں کے پھنسانے کے واسطے دانہ پھیلا دیا جاتا ہے اسی کی چاہ میں وہ جال میں پھنس جاتے ہیں اسی طرح عورت اور مرد کو تزویج کے جال میں پھنسانے کے لئے اولاد کا دانہ ڈالا جاتا ہے جس کی خواہش کے وہ دام میں آتے ہیں عورت و مرد زوج پیدا کئے گئے ہیں اور اُن کے اندر ایسے اعضا بنائے گئے ہیں کہ جن کے خط عقد الحسن میں نقوش و حروف اور آواز کو دخل نہیں ہے یہ لکھا ہوا ہے کہ ان میں ازدواج ہو جس کا نتیجہ اولاد ہو جس کو خدا نے چشم بصیرت دی وہ اس خط سے حکمت ازلی کے دقائق سمجھتا ہے۔ یہ ساز و سامان عورت و مرد میں اپنی زبان فصیح سے خالق کی مراد پر شہادت دیتا ہے اور عقل والوں کو بتاتا ہے کہ ہم کو اولاد کی غرض سے بنایا ہے۔ پس اُس کے پیدا کرنے میں وہ لذت ہے جس کی برابر کوئی دنیاوی لذت نہیں پس جو نکاح کرتا ہے وہ خدا تعالیٰ کو جو چیز محبوب ہے اُس کو پورا کرتا ہے جو اس سے اعراض کرتا ہے وہ اس چیز کو ضائع و تلف کرتا ہے ایسے کام کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ اب یہ کہنا شاید قابل اعتراض ہو کہ خدا تعالیٰ کو نسل آدم کا قائم رکھنا محبوب نہیں ہے اس سبب سے کہ خدا تو خود انسان کو موت سے معدوم کرتا ہے اگر انسان نکاح سے اعراض کر کے نسل آدم کو معدوم کر دے تو کیا ناپسند کام کرتا ہے۔ اس کا جواب دینا انسان کی قدرت سے باہر ہے کہ کیوں انسان کے معدوم کرنے کے یہ طریقے مقرر کئے ہیں۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ نفس کی حفاظت شہوت کے فسادوں سے ہو۔ انسان کی سرشت میں جوش شہوت ایسا ہے کہ جب وہ غالب ہوتی ہے تو عقل اور تقوے میں یہ قوت نہیں ہوتی کہ اُس کو روک سکیں اُس کی جوش کی حالت میں عقل و علم دونوں دھرے رہتے ہیں آدمی وحشیوں کے

کام کرنے لگتا ہے اسلئے بُری بُری باتوں میں انسان مبتلا ہو جاتا ہے۔ تجرد محض نہیں ہو سکتا اگر تقوے نے بڑا زور کیا اعضاء ظاہری کو شہوت سے روک دیا۔ مگر دل کا اُس کے وسوسے وفکر سے بچانا اُس کے اختیار میں نہیں۔ اس لیے نفس ہمیشہ کشاکش میں رہتا ہے اور جو دل پر وسوسے گذرتے ہیں اُس کو خدا ہی جانتا ہے

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ نکاح کرنے سے نفس کو راحت پہونچتی ہے۔ بی بی کے پاس بیٹھنے سے اُس کا مُنہ دیکھنے سے دل خوش ہوتا ہے۔ اُس کی حرکتوں سے جی کو چین ہوتا ہے انسان کی سرشت میں ہے کہ جب اُس کے نفس پر خلاف سرشت دباؤ ڈالا جائے گا اور زبردستی وہ کسی مخالف امر پر لایا جائیگا تو وہ کہنا نہیں مانے گا اور سرکشی کرے گا۔ لیکن اگر اُس کو کبھی کبھی لذتوں سے راحت ملتی رہے گی تو وہ خوش رہے گا۔ عورتوں کے ساتھ دل بہلانے میں وہ راحت ہوتی ہے جس سے کرب دور ہوتی ہے اور دل مسرور ہوتا ہے جب نفس سے زبردستی کام لیا جاتا ہے تو وہ اندھا ہوجاتا ہے۔ اسلئے ضرور ہے کہ وہ حلال چیز سے لذت اور راحت حاصل کرے۔ جب کوئی شخص غایت درجے کی محنت کرے تو ضرور ہے کہ وہ بیچ میں دم بھی لے کچھ ٹھہرے بھی۔ پس جو آدمی سارے دن اپنے فکر معیشت میں بسر کرے تو چاہئے کہ کوئی اُس کو آرام و راحت پہونچے جس سے وہ لذت یاب ہو۔

چوتھا فائدہ یہ ہے کہ گھر کا انتظام ہوتا ہے۔ کھانا پکانا۔ گھر کا صاف ستھرا رکھنا۔ فرش بچھانا برتن مانجھنے اور لوازم خانہ داری مہیا کرنے سے مرد کے دل کو فراغت ہوتی ہے۔ اگر آدمی اکیلا گھر میں ہے تو بڑی مشکل پڑے اسلئے کہ گھر کے سب کاموں کی کفالت اگر خود کرے تو اُس کی اکثر اوقات اسی میں تلف ہوجائے گی۔ اور کسی علم و عمل سے فارغ نہ ہوگا اس اعتبار سے ایک نیک بخت عورت کا گھر میں ہونا ایک نعمت عظمیٰ ہے۔ وہ تدبیر منزل سے بالکل بے فکر کر دیتی ہے جس کو نیک بخت بی بی مل گئی گویا دنیا کی ساری خوبیاں

ہاتھ لگ گئیں۔ پانچواں فائدہ یہ ہے کہ نکاح سے تہذیب اخلاق ہوتی ہے اور نفس پر
ایک مجاہدہ اور ریاضت ہوتی ہے۔ گھر کی رعایت وو ... یت اور گھر والوں کے حقوق کا
ادا کرنا اور اُن کی عادتوں پر صبر کرنا اور اُن سے تکلیف اُٹھانی۔ اُن کی اصلاح میں کوشش
کرنی۔ اُن کو معاد و معاش کے طریقے سکھانے۔ اُن کے لئے کسب حلال میں جانفشانی کرنی
اولاد کی تربیت و تعلیم۔ یہ سب امور بڑے مرتبے کے ہیں پس ان سب کاموں کے کرنے
سے اپنے نفس کی اصلاح ہوتی ہے جو گھر سے ایذا اُس کو پہنچتی ہے اُس پر صبر کرتا ہے
فقط اپنے نفس کی راحت و رفاہیت و اصلاح میں وہ ساعی نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ
زن و فرزند کی فکر میں رہتا ہے کہ کیونکر اُن کو راحت اور چین پہنچائے۔ اور اُن کی معاد
و معاش کے باب میں اصلاح کرے۔ وہ حلال کمائی کو اپنے ہی لئے طلب نہیں کرتا ہے
بلکہ غیروں کے لئے بھی۔ یہی تہذیب اخلاق کا جزء اعظم ہے۔ وہ جو کچھ گھر والوں پر
خرچ کرتا ہے وہ بڑی خیرات ہے۔ حلال کمانا اور عیال پر خرچ کرنا بڑی نیکی ہے بعض
اوقات بیویوں کی بدمزاجی سے خاوند بڑے نیک مزاج ہو جاتے ہیں۔ بی بیاں
زبان درازیاں کرتی ہیں ستاتی ہیں بے ادبی کرتی ہیں۔ وہ خاموش رہتے ہیں اور صبر
کرنے سے اُن کے نفس کو جفاکشی اور غصہ مارنے کی عادتیں درست ہو جاتی ہیں اسلئے
کہ جو شخص خود تنہا رہتا ہے تو اُس سے اُس کے نفس کی بدیوں کی خواہشیں مترشح نہیں
ہوتیں اور نہ باطن کے عیب ظاہر ہوتے ہیں اسلئے آدمی کو چاہئے کہ اپنے نفس کو ایسے
بکھیڑوں میں ڈال کر آزمائے اور صبر کا عادی ہو کر مرتاض معتدل عادات پیدا کرے
تاکہ باطن صفات ذمیمہ سے پاک صاف ہو جائے۔

ان فوائد کے ساتھ نکاح میں آفتیں بھی ساتھ لگی ہوئی ہیں اول سب سے زیادہ قوی
آفت یہ ہے کہ جب اسباب معیشت کے اطوار بہتر ہو جاتے ہیں تو پھر آدمی حلال روزی
پیدا کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے جب آدمی نکاح کریگا تو نکاح کے سبب سے طلب بھی زیادہ ہوگی

پھر گھر والوں کو کھلانا اُن کے ذمے ہوگا جس میں وہ حرام حلال کی تمیز نہیں کرے گا۔ اُس کو بی بی بچوں کے اخراجات کے لیئے وہ ناجائز کام کرنے پڑتے ہیں کہ اگر تنہا ہوتا تو ہرگز نہیں کرتا۔ دوسری آفت یہ ہے کہ گھر والوں کے حقوق کو ادا کرنے اور اُن کی عادتوں پر صبر کرنے اور ایذا کی برداشت کرنے سے قاصر ہو۔ زن و فرزند کے حقوق ادا کرنا سہل کام نہیں ہے۔ جو کوئی اس سے پہلو تہی کرتا ہے وہ ایسا ہے جیسے کوئی بادشاہ رعیت سے کنارہ کشی کرے۔ انسان اپنے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کیا کرتا ہے۔ نکاح کی صورت میں تو اُس پر اور بہت سے حقوق ہو جاتے ہیں اسلئے بعض بزرگ آزاد منش نکاح سے اعراض کرتے ہیں ؎

موش کے رہنے کو تنہا نہیں بل ہے کافی اُس کی دُم میں بندھے جھاڑو تو وہ پھر کیا کیجے

تیسری آفت یہ ہے کہ تاہل کے سبب سے دنیا کی طلب میں آدمی ایسا محو ہو جاتا ہے کہ وہ خدا کو بھول جاتا ہے ہر وقت یہ سوجھتی ہے کہ اولاد کے انتظام معیشت کے واسطے بہت سا مال جمع کیجے اور اُن کے واسطے اپنے پیچھے چھوڑیئے اور اُس کے سبب اپنے ہم چشموں میں دولت کی لیجئے۔ غرض کچھ ایسی صورت ہوتی ہے کہ سارے کام وہ اس طرح کرتا ہے جیسے کہ اُس کو خدا کا خیال ہی کچھ نہیں ہے۔ یہ بڑے جوانمردوں کا کام ہے کہ ایسی حالتوں میں خدا کو بھولے نہیں نالیاں خس و خاشاک سے بھر جاتی ہیں سمندر میں ان سے کچھ تبدل نہیں ہوتا۔ ایسے ہی جو باخدا ہیں وہ اس اہل و عیال کے بارے خدا کی یاد سے غافل نہیں ہوتے بلکہ اس میں اور ترقی کرتے ہیں۔ جو نااہل ہیں وہ تاہل سے خدا سے غافل ہو جاتے ہیں غرض کہ فوائد اور آفات دونوں ہیں انسان اپنی حالت کو دیکھ کر اُن کو عدالت کی ترازو میں تول لے جس طرف کا پلڑا جھکتا دیکھے اُس طرف جھک جائے۔ خوب سمجھ لے کہ میرے حق میں کس حالت کے بہتر ہونے کا ظن ہے اُس کو اختیار کرے ✦

(۲) کثرت اولاد

کثرت اولاد وہ غضب ڈھاتی ہے کہ آدمی کو تونگری میں مفلس بناتی ہے۔ دو دولت مندوں میں آپس میں مباحثہ ہو رہا تھا کہ کون دولت مند زیادہ ہے۔ ہر ایک قسم کی دولت میں وہ برابر نکلے تو ایک دولت مند نے کہا کہ تیرے اولاد مجھ سے زیادہ ہے اسلئے تو مجھ سے زیادہ مفلس ہے۔ کمی اولاد بھی ایک قسم کی تونگری ہے +

(۳) نکاح کے طریقے

مسلمانوں کے ہاں مذہباً جب تک عورت مرد بالغ نہ ہوں ان میں نکاح درست نہیں ہوتا۔ گو اس کا رواج ہندوستان میں نہ ہو۔ مگر اور ملکوں میں یہ امر مذہباً مباح ہے کہ نکاح سے پہلے عورت اپنے خاوند کی سیرت و اخلاق سے بہتر طور پر آگاہی لے اور مرد کو عورت کی سیرت و صورت دونوں سے خصوصاً صورت سے اپنے معائنہ سے۔ کیونکہ اگر عورت بدصورت ہو تو سرشت انسانی اُسپر کفایت نہیں کرتی مگر حسن سیرت کو حسن صورت پر ترجیح ہے اگرچہ یہ قاعدہ مشہور ہو رہا ہے کہ صورت و سیرت کا اچھا ہونا لازم و ملزوم ہیں یعنی جس کی صورت اچھی ہوگی اُس کی سیرت بھی اچھی ہوگی۔ خواہ کسی طریقے سے نکاح ہوں ہر حالت میں بہت سے گھر ایسے ہوتے ہیں کہ جن پر یہ شعر صادق آتا ہے ؎

زنِ بد در سرائے مردِ نکو ہم دریں عالم است دوزخِ او

جن کو عورت خوبصورت خوش خلق سیاہ چشم رنگ میں سرخ سفید شوہر دوست میسر ہو تو اُس کو اِس دُنیا میں حور مل گئی جس سے گھر جنت بن گیا۔

اکثر آدمی یتیم مفلس عورت سے تو نکاح نہیں کرتے ہیں کہ جس کے کھانا کھلانے اور کپڑا پہنانے میں اور نفقہ دینے میں تھوڑے سے مال پر راضی کر دینے میں آسانی ہو۔ بلکہ دُنیا داروں کی بیٹیوں سے شادی کرتے ہیں جو ہمیشہ اپنی نئی نئی فرمائشیں اور خواہشیں اُن کے سامنے پیش کرتی ہیں۔ بہت سے لوگ جہیز کے لالچ میں آکر نکاح کرتے ہیں گویا

انھوں نے بیاہ کو بھی ایک تجارت اور ربا کی صورت بنا رکھا ہے۔ بعض مہر اور دولت کے لالچ میں آکر اپنی جوان کنواری لڑکیاں بوڑھوں سے بیاہ دیتے ہیں جس سے وہ بیچاری ساری عمر تباہی بھگتتی ہیں۔ قرابت قریبہ میں شادی کرنی اچھی اس سبب سے نہیں ہوتی کہ اولاد ضعیف پیدا ہوتی ہے اور طرح طرح کے امراض میں مبتلا ہوتی ہے مسلمانوں کے ہاں اس کا خوب تجربہ ہوتا ہے۔

(۴) شوہر و زوجہ کے حقوق باہم

شوہر کو چاہیے کہ وہ عورت کے یہ حقوق مرعی رکھے کہ بیوی کی بدخلقی پر صبر کرنا۔ اس کے ساتھ خوش خلقی برتنا۔ جس کے معنی نہیں کہ ایذا نہ دے بلکہ یہ معنی ہیں کہ اگر وہ ایذا دے تو اس کی برداشت کرے۔ جب وہ غصہ کرے تو اس کے غصہ پر حلم کرے۔ حضرت لقمان کا قول ہے کہ عاقل کو چاہیے کہ اپنے گھر میں بچے کی طرح رہے اور جب اپنے قوم میں ہو تو مرد بنے بیجا کبھی گھر والوں کے ساتھ سخت دل و سخت زبان نہ ہو۔ بیوی کے ساتھ مزاح کرے مگر اتنا نہ بڑھاوے کہ عورت کا مزاج بگڑ جاوے۔ اور اس کی نظر میں اپنی ہیبت کچھ نہ رہے اس بات میں اعتدال کا لحاظ رکھے۔ اسی طرح جب کوئی بری بات دیکھے تو تنبیہ و خفگی سے درگذر نہ کرے۔ بری بات پر کبھی راضی نہ ہو۔ بلکہ جب کوئی بات خلاف مروت وغیرہ دیکھے تو سخت تنبیہ کرے۔ جورو کا غلام بننا بھی برا ہے۔ ایسے گدھے نہ بنو کہ بیوی تمہاری پیٹھ پر پالان رکھ کر سوار رہے۔ غرض بیوی کے ساتھ مخالفت و موافقت میں میانہ روی کا طریقہ اختیار کرے اور ہر بات میں حق کی پیروی رکھے۔ عورتوں کے مزاج میں بدخلقی و کم عقلی و کج فہمی غالب ہوتی ہے۔ اس میں اعتدال جبھی پیدا ہوگا کہ کچھ لطف ان کے ساتھ کیا جائے۔ کچھ سیاست برتی جائے۔ ؎

درشتی و نرمی بہم در بہ است　　چو فاصد کہ جراح و مرہم نہ است

ایسی شریر عورتیں بھی ہوتی ہیں کہ مرد کو بڑھاپے سے پہلے بوڑھا کر دیتی ہیں جیسے ہم

پاس آئے تو گالی دیں جب اُن کے پاس ہوں تو اُس کے مال میں خیانت کریں عورت کی عزت میں ہمیشہ اعتدال رکھنا چاہیئے جن امور کی خرابی کا اندیشہ ہو اُن کی ابتدا سے غفلت نہیں کرنی چاہیئے عورتوں پر بدگمانی اور اُنکے باطن کی تلاش میں مبالغہ نہیں کرنا چاہیئے۔ عورت پر بدگمان ہونا بڑا گناہ ہے جس مرد کو بیوی کی غیرت نہ ہو اُس کا دل اندھا ہے۔ روٹی کپڑا اچھی طرح بیوی کو دے۔ نہ اُس میں تنگی کرے نہ اسراف یہ دونو بُرے ہیں اعتدال چاہیئے مرد کو تنہا خوری اچھی نہیں جو آپ کھائے وہ سب کو کھلائے۔ اگر زن و شوہر میں جھگڑا ہو جائے تو بہتر ہے کہ آپس میں اُس کو دور کریں اگر وہ یوں نہ فیصل ہو تو برادری کی پنچایت میں اُس کو فیصلہ کرائیں۔ عورت کو طلاق کوئی ایسی ہی سخت ضرورت آن پڑے تو دے نہیں طلاق دینا عورت کے دل کو رنج دیتا ہے۔ کسی کے دل کو رنج دینا اچھا نہیں اب یہ سنو کہ عورت پر مرد کے حقوق کیا ہیں۔ بیوی بننا ایک طرح کا لونڈی بننا ہے۔ اُس پر شوہر کی فرماں برداری واجب ہے اُسے کبھی عورت کو نہیں چاہیئے کہ زائد از حاجت کوئی چیز طلب کرے اور اُس پر وہ فرمائش کرے جو اُس کے مقدور سے باہر ہو۔ ایک بزرگ نے اپنی بیٹی کو شادی کے وقت یہ سمجھایا کہ جس گھر میں تو آئی تھی اب اُس سے نکلتی ہے اور ایسے بستر پر جاتی ہے جس سے تو واقف نہ تھی اور ایسے آدمی پاس رہے گی جس سے پہلے الفت نہ تھی تو اُس کی زمین بن کہ وہ تیرا آسمان بنجاوے گا۔ تو اُس کے لئے باعث آرام ہو تا کہ وہ تیرے لئے باعث آرام ہو۔ تو اُس کی لونڈی بن تو وہ تیرا غلام رہے گا۔ اپنی طرف سے اُس کے پاس مت جا تا کہ تجھ سے نفرت کرے اور نہ اُس سے دور ہو کہ تجھ کو بھول جائے بلکہ وہ اگر تیرے پاس ہو تو اُس کے قریب ہو۔ اور اگر علیحدہ رہے تو دور رہ۔ اور اُس کے ناک اور کان اور آنکھ کا خیال رکھ کہ تجھ سے بجز خوشبو کے اور کچھ نہ سونگھے اور سوا اچھی بات کے تجھ سے کچھ اور نہ سُنے اور نہ دیکھے۔ ایک شخص نے بیوی کو سمجھایا ہے کہ جب مجھے غصہ آئے تو اپنی زبان تو نہ ہلانا۔ ڈھول کی طرح مجھے مت بجانا معلوم نہیں کہ مجھ سے

مجھ سے کونسی آزار عیاں ہو۔ کثرت سے شکوے نکرنا کیونکہ دل بدلنے میں کچھ دیر نہیں لگتی۔
اور جب کچھ ایذا کا گمان ہوتا ہے تو دل میں دوستی نہیں باقی رہتی۔ بس تجھکو حب جاودان
رہنا منظور ہے تو ان باتوں سے پرہیز کر۔ عورت کا یہ فرض ہے کہ خاوند کی خوشی کی خواہاں
رہے۔ اُس کے مال میں خیانت نہ کرے۔ شوہر کو کبھی نہ ستاوے اور جو کام کرے خاوند
کی اجازت سے۔ شوہر کے لئے بناؤ سنگار کرے۔ جب شوہر نہ ہو تو نیک بخت اور پژمردہ رہے
اور جب وہ آئے تو پھر وہی سامان عیش کرے۔

(۵) صحبت و عزلت

صحبت کے معنی ساتھ رہنے کے اور عزلت کے معنی دور رہنے کے اور گوشہ نشینی کے ہیں۔
عقلا و حکما و اولیا کی رائے مختلف ہے کہ صحبت و عزلت میں کس کو ترجیح ہے۔ اب ہم
دونو کی برائی و بھلائی بیان کرکے ثابت کریں گے کہ فی نفسہ ایک دوسرے سے
افضل نہیں بلکہ وہ اشخاص اور احوال کے لحاظ سے کسی کے حق میں صحبت افضل ہے
کسی کے حق میں عزلت۔ اب یہ سنو کہ کونسی صحبت اچھی ہوتی ہے جس میں بیٹھنا چاہیئے اور
کونسی صحبت بری جس سے بچنا چاہیئے۔ اول عاقلوں کی صحبت میں بیٹھنا چاہیئے
اسلئے کہ عقل جو راس المال اور اصل ہے اس سے بڑھتی ہے۔ احمق کی صحبت سے احتراز کرنا چاہیئے اُس
صحبت کا انجام وحشت اور جدائی ہے۔ عقلاء علما کی صحبت آدمی کے حق میں ایسی ہوتی ہے
جیسی زمین کے حق میں موسلا دھار بارش۔ جاہل کی صحبت عاقل کی عقل کو برباد کردیتی
ہے اور اُس کو جاہل بنا دیتی ہے۔ کیونکہ صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ احمق آدمی دوست
کے نفع کا قصد کرتا ہے مگر اُس سے ضرر ہوتا ہے۔ خردمند اگر دشمن بھی ہو تو خرد کا
طریقہ ایک فن واحد ہوتا ہے اُس سے آدمی اپنے تئیں بچا سکتا ہے۔ مگر دوست جو شخص
کے جنون میں گرفتار ہو اُس کے فنون تو صدہا ہوتے ہیں اُس سے حفاظت نہیں ہو سکتی
[illegible] وہ شخص ہے کہ کیا تو خود وہ باتوں کو ایسی طرح سمجھے جیسے کہ وہ نفس الامر میں ہیں

یا وہ سمجھانے اور سکھانے کے بعد بات کی اصل اور تہ کو معلوم کر لے۔ ایسے سچے آدمیوں کی صحبت عیش کے وقت زینت دیتی ہے اور مصیبت کے وقت اُسکے دفع کرنے کا سامان مہیا کرتی ہے دوم یہ ضرور ہے کہ جن عاقلوں کی صحبت میں بیٹھو وہ خوش خلق بھی ہوں۔ اگر ان پر غصہ و شہوت کا غلبہ ہوتا ہے یا بخل و نامردی کا دباؤ پڑتا ہے تو وہ اپنی خواہش کی اطاعت کر جاتے ہیں اور جو بات اُنکو معلوم ہوتی ہے اُس کے خلاف کرتے ہیں ایسے آدمیوں کے اخلاق درست نہیں ہوتے اُن کی صحبت سے کچھہ نفع نہیں۔ سوم بدکاروں کی صحبت سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔ یہ صحبت تمکو برباد دے گی۔ ایسے آدمیوں کی صحبت سے بچو جو حریص ہوں اُن کی صحبت زہر قاتل ہوتی ہے۔ اسلئے کہ آدمی کی سرشت میں ہے کہ دوسرے کی مشابہت اور اقتدا کیا کرتا ہے۔ بلکہ ایک کی طبیعت اپنے ہمنشین کی طبیعت میں سے کچھہ باتیں چورا لیا کرتی ہے اور صاحب طبیعت کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ اسلئے حریص آدمیوں کی مجالست سے حریص ہو جاوے ایک بزرگ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہیں کہ بیٹا تجھکو اگر لوگوں کی صحبت کی ضرورت پڑے تو ایسے شخص کے ساتھہ رہنا کہ جب تو اس کی خدمت کرے تو وہ تیری حفاظت کرے اور جب تو اُسکے پاس بیٹھے تو تجھکو زینت دے۔ تجکو کوئی مشقت پیش ہو تو وہ برداشت کرے۔ تو اپنا ہاتھہ خیرات کے لئے پھیلاوے تو وہ پھیلا دے۔ تجہہ سے کوئی خوبی دیکھے تو اُسکو شمار کرے۔ اور برائی دیکھے تو اُسکو روک دے جب تو اُس سے لینے کا سوال کرے تو دیوے تو خاموش رہے تو خود ابتدا کرے تجہہ پر بلا نازل ہو۔ تو تیری غمخواری کرے جب تو کوئی بات کہے تو تیرے قول کی تصدیق کرے۔ اگر تو کسی کام کا قصد کرے تو اچھا مشورہ دے۔ اگر دونوں میں اختلاف ہو تو تجھکو اپنے نفس پر ترجیح دے۔ ایسا آدمی تو صحبت و محبت کے لئے ملنا دشوار ہے۔ ایک حکیم کا قول ہے کہ جو شخص چار باتوں میں بدل جائے اُسکی صحبت اختیار مت کر یعنی غصہ۔ ہوا۔ رضا۔ طمع میں آدمی کو چاہیئے کہ ان چاروں حالتوں میں صادق الوفا ہو جو شخص کریم النفس ہوتے ہیں اُن کا دستور یہ ہے کہ زشتی کو چھپا لیتے ہیں

حسن کو ظاہر کرتے ہیں۔ مگر لئیم جب دوستی کو ترک کرتے ہیں تو خوبی کو چھپاتے ہیں برائی ظاہر کرتے ہیں ایک بزرگ کا قول ہے کہ ایسے کے ساتھ صحبت اختیار کر جو تیرے راز کو چھپا دے عیب کو ظاہر نہ کرے مصیبتوں میں ساتھ دے ۔

دوست آں باشد کہ گیرد دستِ دوست در پریشان حالی و درماندگی

اور نفیس چیزوں میں تجھکو اپنے اوپر مقدم رکھے۔ تیری بھلائیوں کو پھیلائے اور برائیوں کو ترک کرکے رکھے۔ وہ تیرا سچا دوست ہے جو تیرے ساتھ ہو۔ تیرے بھلے کے واسطے اپنا ضرر کرے دنیا کے حادثوں سے جدا تیرا ہو تیرا حال آرام اپنا دور کرے تجھ کو چین دے

(۶) آدمی چار طرح کے ہوتے ہیں ایک بالکل شیریں تو ان کی صحبت سے کبھی سیر نہ ہو۔ دوسرا بالکل تلخ کہ تو ان سے کچھ فائدہ نہ اٹھا۔ تیسرے کھٹے میٹھا تو اس سے کچھ حاصل کر پیشتر اس سے کہ وہ تجھسے حاصل کرے۔ چوتھے نمکین تو اسکو بوقت حاجت اختیار کر۔

(۷) حضرت امام جعفر صادقؑ کا قول ہے کہ پانچ آدمیوں کی صحبت نہ اختیار کرو اول جھوٹا اس کا حال شراب کا سا ہے کہ بعید کو قریب اور قریب کو بعید دکھلادے۔ دوم احمق کہ اس سے تجھ کو کچھ نہیں ملے گا۔ وہ تجھ کو نفع پہنچانا چاہے گا۔ اس کی بیوقوفی سے ضرر پہنچ جائیگا سوم بخیل جب تجھ کو اس سے زیادہ ضرورت پڑے گی تو وہ تجھ سے یارانہ کی کٹی کر دے گا چوتھا نامرد کہ سختی کے وقت تجھ کو چھوڑ کر آپ رفو چکر ہو جائے گا۔ پانچواں فاسق کہ تجھکو ایک لقمہ یا اس سے کمتر پر بیچ ڈالے گا غرض ایسی صحبت میں بیٹھنا چاہئے کہ دنیاوی معاملات میں اس سے مستفید ہو یا امر آخرت میں۔

(۸) صحبتیں تین طرح کی ہوتی ہیں ایک دنیا کے لئے۔ دوسری دین کے لئے۔ تیسری دل بہلانے کے لئے۔ یہ سب باتیں ایک صحبت میں نہیں مجتمع ہوتیں بلکہ متفرق ہوتی ہیں اسلئے ان کی شرائط بھی متفرق ہوتی ہیں۔ ایک صحبت مثل غذا ہوتی ہے کہ جس سے کسی طرح مضر نہیں ہوتا۔ دوم مثل دوا کہ کبھی اسکی ضرورت ہو اور کبھی نہ ہو۔ تیسرا مثل روگ کے کہ اسکی

کبھی ضرورت ہی نہ پڑے۔ مگر استغنا اس سے بھی کام پڑتا ہے۔ یہی صحبت ایسی ہوتی ہے کہ نہ جس سے امن ہو نہ نفع۔

(۹) کہتے ہیں کہ سب صحبتوں کی مثال ایسی ہے جیسے کہ درخت کہ اُن میں بعض سایہ دار ہوتے ہیں اور ثمردار نہیں ہوتے وہ تو ایسی صحبتیں ہیں کہ جن سے دنیا میں فائدہ ہو مگر آخرت میں نفع نہیں مگر دنیا کا نفع ڈھلتے ہوئے سایہ کی طرح سریع الزوال ہوتا ہے۔ بعض درخت ایسے ہوتے ہیں کہ پھل رکھتے ہیں سایہ نہیں رکھتے۔ ایسی وہ صحبتیں ہیں کہ آخرت کے کام کی ہیں مگر دنیا کے کام کے نہیں۔ بعض درخت ایسے ہیں کہ جن میں پھل اور سایہ دونو ہوتے ہیں وہ ایسی صحبتیں کہ جن سے دین و دنیا دونو کے فائدے حاصل ہوتے ہیں بعض درخت ایسے ہوتے ہیں کہ جنہیں پھل نہ سایہ جیسے ببول کا درخت کہ کپڑے پھاڑنے کا ہے نہ کھانے نہ پینے کا۔ یہ صحبتیں جن سے نہ نفع دین ہو نہ دنیا۔ ایسے ہیں جیسے کہ حیوانات میں چوہا اور بچھو غرض ہر فرد بشر کا بڑا الامرہ ہے ان کا حال پھلوں کا سا ہے کسی پھل میں مزہ اور شیرینی ہے کسی میں نہ ذائقہ ہے نہ شیرینی۔

(۱۰) صحبت کا حال سُن چکے۔ اب عزلت کا حال سُنو۔ اول اکثر عابدوں و زاہدوں کا میل اختیار عزلت کی جانب ہوتا ہے۔ اُسکو وہ اختلاط اور صحبت پر اس سبب سے ترجیح دیتے ہیں کہ عزلت میں خدا کا ذکر فکر کرنے اور خدا کی عجیب صنعتوں اور زمین آسمان کی حکمتوں میں اور دنیا اور آخرت کے باب میں خدا کے اسرار میں غور کرنا خوب فراغت سے اس میں ہوتا ہے۔ وہ عزلت میں خدا کے ساتھ ہم نشین ہو کر باتیں کرتے اور اُس سے پیدا کرتے ہیں۔ غرض جو عابد حقیقت میں کام کرتے ہیں اُن کی عزلت صحبت و اختلاط خلائق سے بزرگ تر ہے۔ دوم عزلت کی بدولت کثرت معصیت سے بچتے ہیں۔ یہ گناہ مخالطت کو لازمی ہیں کہ غیبت کرنا۔ یا عیب سُننا۔ ریا۔ نفاق۔ جب آدمی ملتا ہے تو بہت سی باتیں ایسی کرتا ہے کہ جو ریا اور نفاق سے خالی نہیں ہوتیں مثلاً سلام علیکم کہتا ہے مگر دل میں تو یہ غرض نہیں ہوتی کہ وہ شخص دین و دنیا کی

آفات سے بچا رہے جو اصل معنی و غرض اس کے ہیں۔
تیسرا فائدہ یہ ہے خصومت۔ فتنہ و تعصب جو ہر جگہہ پھیلا ہوا ہے وہ گوشہ گزینی اختیار کرنے سے چھوٹ جاتا ہے۔ چوتھا فائدہ یہ ہے کہ لوگوں کے شر سے نجات پاتا ہے اور آسودہ رہتا ہے اسواسطے کہ جب تک لوگوں میں رہے گا تو اُن کی غیبت اور بدگمانی کے رنج سے نہیں بچے گا غرض تنہائی میں سب طرح سے سلامتی ہے۔ ع ہیچ آفت نہ رسد گوشۂ تنہائی را ٭
بعض بزرگان دین نے اس گوشۂ عزلت میں بیٹھ کر بہت سی باتیں معرفت الٰہی کے ادراک کیں ہیں جن سے دُنیا کو فائدہ پہنچا ہے۔ یہ تو عزلت کے فائدے تھے اب اُس کی آفات سُنو کہ بعض مقاصد دینی اور کل مقاصد دنیوی اوروں کے بغیر نہیں حاصل ہو سکتے۔ وہ بغیر مخالطت کے میسر نہیں ہوتے۔ عزلت میں وہ فوت ہوتے ہیں۔ اُن کا فوت ہونا عزلت کی آفت ہے۔ عزلت سے آدمی علم سیکھنے سکھانے سے محروم رہتا ہے۔ بغیر علم کے عزلت اختیار کرنا حیوان بننا ہے۔ دوسری آفت یہ ہے کہ نفع لینے اور نفع پہنچانے سے باز رہے گا۔ کسب معاش جو ضروری ہے وہ بغیر مخالطت کے کیونکر حاصل کر سکے گا۔ اگر عیال دار ہو اور وہ کسب معاش کو چھوڑ کر عزلت اختیار کرے تو وہ ظالم ہے۔ تیسری جو لوگوں کے اخلاق ذمیمہ پر صبر کرنے سے انسان کی نیک خوئی پیدا ہوتی ہے اس سے باز رہے گا۔ ہاں جو یہ نیک خوئی حاصل کر چکے ہوں وہ اگر عزلت اختیار کریں تو مضائقہ نہیں نیک خوئی بڑی ریاضت سے حاصل ہوتی ہے۔ ریاضت سے یہ غرض نہیں ہوتی کہ آدمی ہمیشہ رنج و تکلیف کھینچے جس طرح دوا سے تلخی نہیں مقصود ہوتی بلکہ بیماری جاتا رہنا مطلوب ہوتا ہے جب بیماری جاتی رہی تو اپنے تئیں ہمیشہ دوا کی تلخی میں گرفتار رکھنا کچھ ضرور نہیں۔ چوتھی یہ آفت ہے کہ عزلت میں شاید وسواس پیدا ہوں اور ذکر الٰہی کے تواتر سے دل ملول ہو اور اچاٹ ہو جاوے۔ یہ امر لوگوں کی موانست اور ملاقات سے جاتا ہے۔ دل جبر کرنے سے اندھا ہو جایا کرتا ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ کسی نیک دست کی صحبت سے راحت حاصل کرے کہ اُس سے دل کو فرحت اور نشاط زیادہ ہوتی ہے۔

پانچویں آفت یہ ہے کہ عزلت میں نہ کسی عیادت میں نہ تعزیت میں نہ تہنیت میں شریک ہوسکتا ہے
جس کے سبب سے لوگوں کے حقوق تلف ہونگے۔ نفاق اور تکلف اُن سے پیدا ہونگے۔
چھٹی آفت یہ ہے کہ مخالطت میں لوگوں کے حقوق کا ادا کرتے رہنا فروتنی کی ایک قسم ہے
اور عزلت میں ایک نوع کا تکبر ہے اور اس تکبر سے یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ ہم کسی کے
پاس نہ جائیں لوگ ہماری زیارت کو آئیں۔ غرض کبھی عزلت کے یہ سبب بھی ہوتے ہیں کہ
آدمی تکبر کے سبب سے عزلت اختیار کرتا ہے۔ جانتا ہے کہ محفلوں مجلسوں مجمعوں میں
لوگ میری عزت نہ کرینگے۔ یا یہ ڈرتا ہے کہ علم و عمل میں میرے نقصان لوگ جان جائینگے
تو وہ گوشہ نشینی کو اپنے نقصان کا پردہ بناتا ہے اور ہمیشہ اس آرزو میں رہتا ہے کہ
میری زیارت کو لوگ آیا کریں اور مجھ سے برکت لیں۔ میرے ہاتھ چوما کریں
یہ عزلت نہیں عین نفاق ہے۔ جو عزلت خدا کے واسطے ہوتی ہے اس کی دو علامتیں
ہیں ایک تو یہ کہ گوشہ میں آدمی کبھی بیکار نہ رہے یا ذکر فکر میں مشغول رہے یا علم و عبادت
میں۔ دوسرے اس امر سے کراہت رکھے کہ لوگ اس کی زیارت کو آئیں۔ بعض بزرگ
ایسے گوشہ عزلت میں خدا پرستی کرتے ہیں کہ وہ کسی کے آنے کو اپنے پاس پسند نہیں
کرتے ہیں۔ اور لوگ جیسے کسی کے آنے سے احسان مند ہوتے ہیں وہ نہ آنے
سے ممنون ہوتے ہیں۔ ایک فقیر کے پاس بڑا بادشاہ گیا جب فقیر سے پوچھا
کہ آپ کیا حاجت رکھتے ہیں تو اس نے کہا کہ میں یہ حاجت رکھتا ہوں کہ آپ مجھے
دوبارہ نہ دیکھیں جو لوگ گوشہ نشینی اپنی تعظیم کرانے کے لئے اختیار کرتے ہیں وہ
بڑے نادان ہیں۔

(۱۱) مصاحبت و مجالست

انسان مدنی الطبع ہے اس سے یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ ایک گوشہ تنہائی میں بیٹھ جائے اور آشنائی
اور آمیزش کا دروازہ خلق کے لئے بند کردے۔ وہ ہر امر میں معاد و معاش کے اندر اور آدمیوں

اعانت کا محتاج ہے اور خواص وعوام کی جماعت کے ساتھ اختلاط ناچار ولاعلاج ہے جو عاقل بافراست اور ہوشمند صاحب کیاست ہے وہ تحقیق وتمیز کرکے لوگوں کے ساتھ قرین اور عام وخاص میں فرق کرکے ہم نشین ہوتا ہے کہ جن کی مصاحبت سے عمر بے بدل ضائع نہ ہو اور خدا عزوجل سے غافل نہ ہوے یہ مصاحب اُس کی اصلاح حال میں ساعی ہو اور گمراہی سے آگاہی کی شاہ راہ پر ہادی ہو۔ ایسوں کے ساتھ ہم نشین ہونا چاہیے کہ جن کے اوضاع واطوار کے ملاحظہ سے خدا یاد آئے۔ اُن کی گفتار سننے سے علم ودانش بڑھے اور اُن کے کردار کے معلوم ہونے سے آخرت کا خیال ہو۔ حدیث ہے کہ ہم نشین صالح کی ہم نشینی عطار کی مانند ہے کہ اگر وہ اپنا عطر نہ دے تو بھی اُس کی مجالست سے معطر وخوشبودار ہوجاتا ہے۔ اور ہم نشین بد مانند کورہ حداد ہے کہ اگر وہ تجھے شرارے سے خود نہیں جلاتا مگر اُس کے دھوئیں کا اثر تجھ پر پہنچتا ہے۔ **نظم**

اے برادر مے گریز از یار بد　　یار بد بدتر بود از مار بد

مار بد تنہا ترا بر جاں زند　　یار بد بر جان و بر ایماں زند

دشمنان دوست نما کی ہم نفسی سے انسان کا دل تیرہ ہوجاتا ہے اور لہو ولعب پیدا ہوتا ہے وغیرہ۔ ایسی مصاحبت کی برابر کوئی جور نہیں جو انسان کی عمر کو جڑ اکر لے جاتی ہے۔ بے ہودہ آدمیوں کی مصاحبت سے یہ مفسدے برپا ہوتے ہیں ہرزہ گوئی۔ ہرزہ خندی۔ دل ودین کے گھر کی بربادی اور وقار وتمکین کی تباہی۔

(۱۴۲) کسب اور معاش

رب الارباب ومسبب الاسباب نے دارین کی تقسیم اسطرح فرمائی ہے کہ آخرت کو جزا اور سزا کا مقام ٹھیرایا ہے اور دنیا کو محنت اور اضطراب اور مستعد ہوکر کمانے کا مکان مقرر فرمایا۔ دنیا میں مستعد ہونا یہی نہیں کہ صرف معاد ہو اور معاش نہ ہو بلکہ معاد کا ذریعہ اور مدد گار معاش ہو۔ چنانچہ الدنیا مزرعۃ الآخرۃ قول مشہور ہے۔ اب دنیا میں تین طرح کے آدمی ہیں

ایک وہ کہ معاش میں ایسے مشغول ہیں کہ معاد سے غافل ہیں یہ ادنیٰ درجہ کے آدمی ہیں رات
دن دنیا کے شمار میں لگے رہتے ہیں اور روز شمار کو کچھ نہیں شمار کرتے۔ دوم وہ لوگ ہیں جو
معاد کے شغل میں معاش سے بے پروا ہیں یہ اعلیٰ درجہ کے لوگ ہیں۔ سوم وہ ہیں کہ اعتدال
سے بہت قریب ہیں یعنی معاش کا شغل معاد کے واسطے کرتے ہیں یہ متوسطین ہیں جو شخص
اپنے نفس کے لئے کام اس غرض سے کرتا ہے کہ اس کو سوال کرنے کی حاجت نہ ہے اور لوگوں
سے بے نیاز ہو جائے اور آدمیوں کے بار منت سے سبک ہو جائے۔ اور اپنی احتیاج کو رفع کرے
تو اس سے زیادہ کوئی نیک کام نہیں ہے وہ دین و دنیا حاصل کرتا ہے۔ اور اگر وہ صرف اس لئے
کام کرتا ہے کہ مال کی کثرت میں دوسروں سے مقابلہ اور فخر کروں اور کوئی اس کے
لئے ناجائز کام نہیں کرتا تو وہ بھی برا نہیں یہ بھی جائز و حلال ہے عین خدا پرستی ہے
کہ کوئی کار و خدمت اسلئے کرے کہ اس کے باعث لوگوں سے بے پروا ہو جائے۔ دوسرے
سے مانگنے سے بدتر کوئی برا کام نہیں۔ کوئی شخص رسی لیکر لکڑیاں اپنی پیٹھ پر لاد لاوے
تو اس سے بہتر ہے کہ کسی مالدار شخص کے پاس جاوے کہ کچھ دیدے۔ لقمان حکیم نے اپنے
بیٹے سے کہا کہ حلال کمائی کرنے سے مفلسی دور کرنا کیونکہ جو فقیر ہو جاتا ہے اس کے
اندر تین باتیں پیدا ہوتی ہیں اول دین کی برائی۔ دوم ضعف عقل سوم مروت کا
جاتا رہنا۔ اور ان تینوں سے بڑھ کر یہ ہے کہ آدمی اس کو فقیر حقیر جانتے ہیں۔ غرض نہ
دنیا میں ایسا مشغول ہو کہ آخرت کو چھوڑ دے۔ نہ آخرت میں ایسا مصروف و محو ہو کہ دنیا
چھوٹ جائے دونوں برے ہیں تحصیل معیشت میں میانہ روی اچھی ہے سب جانتے ہیں کہ سونا
چاندی تو برستا نہیں جب تک محنت و کسب کرو گے پیدا نہیں ہوتا جب تک آدمی
محنت مزدوری نہ کرے وہ اوروں پر کرم نہیں کر سکتا بیکار آدمی سے زیادہ کوئی بد
نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ نہ وہ کوئی دین کا کام کرے نہ دنیا کا۔ سچا سوداگر سچے عابد
بہتر ہے کوئی پیشہ کرنا جس سے کچھ مل جائے۔ لوگوں کے مانگنے کی نسبت کر اچھا ہے +

(۱۳۳) ایک بار سمندر میں طوفان آیا کشتی والوں نے حضرت ابراہیم ادہم سے جو کشتی میں اُن کے ساتھ تھے عرض کیا دیکھئے حضرت کیسی شدت ہو رہی ہے آپ نے فرمایا کہ شدت اس کا نام نہیں شدت یہ ہے کہ آدمی لوگوں کا محتاج ہو۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ بازار کا پیچھا مت چھوڑو کہ تونگری ایک قسم کی سلامتی ہے یعنی لوگوں سے سلامت رہنا ہے اور کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔ انسان کو پرندوں کو دیکھ کر تو شرم کرنی چاہیئے کہ وہ رزق کے طلب میں صبح کو اِدھر اُدھر جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کے آتے ہیں۔ کسی بزرگ کا قول ہے کہ طلب معاش میں مصروف ہونا میرے نزدیک مسجد کے کونہ میں بیٹھنے سے اچھا ہے۔ سر پر لکڑیوں کے گٹھا اُٹھانے کی مشقت سوال کے کرنے سے بہتر ہے۔ غرض کہ سوال کی اور دوسرے شخص کی خدمت کے محتاج ہونے کی برابر کوئی ذلت دنیا میں نہیں اگر کسی شخص کو بن مانگے مل جاتا ہو تو بھی اس سے پیشہ کرنا افضل ہے۔ کیونکہ لوگ اُس کو اس نظر سے دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی زبان حال سے سوال کرتا ہے۔ اور لوگوں میں اپنی احتیاج کھلا کھلی کہہ رہا ہے۔ غرض بھیک مانگنے سے اور بیکار رہنے سے ہر پیشہ کرنا اچھا ہے۔

(۱۳۴) لیکن جن معاملات میں آدمی کچھ پیدا کرے اُس میں درستی معاملہ عدل۔ احسان دین کا خوف ضرور ہو۔ تجارت سے خواہ یہ مقصود ہو کہ بقدر کفایت زائد از حد یا زائد از قوت رزق حاصل ہو جائے تو اس میں اوپر کی چار باتوں کا لحاظ ضرور چاہیے کہ ہو۔ غرض ہر شخص پر فرض ہے کہ وہ کوئی پیشہ یا تجارت اس نیت سے کرے کہ سوال کی ضرورت نہ پڑے اور لوگوں کا دست نگر نہ ہو بلکہ حلال کی کمائی سے غنی ہو جاوے۔ اور اپنے اہل و عیال کے حقوق ادا کرے تاکہ اور سب اپنے بھائیوں آدم زاد کی خیر خواہی میں اپنا روپیہ صرف کر سکے اور معاملات کرنے میں دوسروں کے لئے وہ بات پسند کرے جو اپنے لئے کرتا ہے حرام حلال کا خیال رکھے۔ دین کو دنیا کے لئے نہ فروخت کرے۔

(۱۵) توکل و جہد

توکل کا لفظ مشتق وکالت سے ہے جس کے معنی دوسرے پر اعتماد کرکے کام سپرد کرنے کے ہیں جس کو کام سپرد کرتے ہیں اُس کو وکیل کہتے ہیں اور جو کام سپرد کرتا ہے اُس کو متوکل کہتے ہیں بشرطیکہ وکیل پر اُس کے نفس کا اطمینان اور اعتقاد ہو اور اُس کو متہم بعجز و قصور کا نہ سمجھتا ہو غرض کہ توکل صرف وکیل پر اعتماد دلی کو کہتے ہیں۔ جاہلوں کے نزدیک توکل کے معنی یہ ہیں کہ نہ بدن سے کوئی کام کرے نہ دل سے کوئی تدبیر کرے اور زمین پر پھٹے کپڑے کی طرح یا گوشت کے لوتھڑے کی مثال پڑا رہے۔ یہ امر شرعاً حرام اور عقلاً ناجائز۔ توکل خدا پر کرنا بہتر ہے مگر اُس کے ساتھ حیلہ و تدبیر کرنی اور اسباب کا بہم پہنچانا ضرور تر ہے قول پیغمبر ہے کہ ع با توکل زانوئے اُشتر بہ بند۔ اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ۔ انسان کی کوشش ان چار قسموں سے باہر نہیں ہوتی۔ اول کسی نافع چیز کا حاصل کرنا جو اپنے پاس نہ ہو جیسے مال کا حاصل کرنا۔ دوم اپنی اشیاء نافعہ کی حفاظت جیسے کہ ذخیرہ کی۔ سوم کسی ایذا رساں کو پہلے ایذا سے دفع کرنا مثلاً درندہ یا چور کو ٹالنا۔ چہارم جو مصیبت اپنے اوپر آگئی ہو اُس کو دور کرنا۔ اب ہر کوشش میں تدبیر و اسباب و جہد کا بیان کرتے ہیں نافع چیز کے حاصل کرنے کے تین قسم کے اسباب ہیں۔ اول یقینی دوم ظن غالب قابل اعتماد۔ سوم وہمی کہ ان پر نفس کو اعتماد کامل اور اطمینان نہیں یقینی اسباب تو وہ ان کے ساتھ مسببات خدا تعالیٰ کے حکم و مشیت سے وابستہ ہیں اور ہمیشہ اسی طرح ہوتا ہے اُس کے خلاف نہیں ہوتا مثلاً جب آدمی کے سامنے کھانا رکھا ہوا ہو اور وہ بھوکا بھی ہو مگر اُس پر ہاتھ نہ بڑھائے اور کہے کہ میں متوکل ہوں خدا تعالیٰ میرا بغیر کھانا کھلائے پیٹ بھر دے تو یہ جنون ہے توکل نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ نے اسباب قطعی بنائے ہیں جو اُس کی عادت خلق میں جاری ہیں جو اُس کے برخلاف وہ نہیں کرتا۔ اگر آقا اپنے نوکر کے ہاتھ گرمی میں پنکھا دے اور کچھ نہ کہے تو نوکر سمجھ جائے گا کہ آقا کا مطلب کیا ہے

ایسے ہی جس کے ہاتھ ہیں وہ خدا کی رمز کو جانتا ہے کہ اُس کے دینے کا مقصد کیا ہے
اب کوئی کہے کہ میں متوکل ہوں میرے کہنے میں بغیر بوے غلہ پیدا ہو جاے اور بغیر صحبت کے اولاد
تو اِس ترک فعل کا نام توکل نہیں ہے۔ بلکہ توکل تو حال اور علم سے ہونا چاہیے یعنے علم تو
اس بات کا ہو کہ خدا نے ہاتھ اس کام کے لئے دئے ہیں۔ حال یہ ہو کہ سکون قلبی اور اعتماد
خدا تعالیٰ کے فعل پر ہو کہ ہاتھ اسلئے دئے ہیں کہ ہم جہد و کسب کریں۔ دوسری قسم اسباب
کی وہ ہیں کہ جو یقینی نہیں مگر غالب یہی ہے کہ مسببات کے بدون نہیں حاصل ہوسکتے
یا اگر حاصل ہوتے ہیں تو بہت دشواری سے مثلاً کوئی شخص قافلہ سے جدا ہوا اور ویران
جنگل میں چلا جاے جہاں آدمی نہ آدم زاد کوئی ہو اور زادراہ ساتھ نہ لے تو یہ توکل نہیں ہے
بلکہ حماقت ہے۔ جان کو ہلاکت میں ناحق ڈالنا ہے۔ کوئی شخص دنیا کو چھوڑ کر کسی پہاڑی
کی گھاٹی میں جا بیٹھے جہاں اُس کو کچھ کھانے پینے کو نہ ملے تو وہ متوکل نہ کہلائے گا۔
بلکہ پاگل۔ یا کوئی شخص شہر میں ہے اور کوئی کسب نہ کرے تو یہ کاہلی ہے توکل نہیں۔
اگر کوئی شخص رزق کے حاصل کرنے کی جہد نہ کرے اور کہے کہ خدا رزاق ہے وہ رزق
پہنچائے گا جو باران برساتا ہے وہ ضرور نان دیتا ہے تو وہ یہ نہیں جانتا کہ خدا اپنے
بندوں کو دوسروں کے ہاتھ سے رزق پہنچانا اس سے بہتر جانتا ہے کہ خود اپنے ید قدرت
سے اُن کو دے۔ غرض تمام اسباب سے دور رہنا مخالف حکمت الٰہی اور متضمن ناواقفیت
عادت خداوندی ہے کسب کرنا اور عمل کرنا خدا تعالیٰ کے دستور کے موافق ہے۔ اس
طرح توکل خدا تعالیٰ پر ہو نہ اسباب پر۔ یہی اصل توکل ہے۔ تیسری قسم وہ اسباب ہیں کہ اُن
سے مسبب پر پہنچنا وہمی بات ہو کچھ ظاہر کا اعتبار نہیں جیسے بڑی باریک باریک تدبیریں
عقیل مال ہیں کرنا اِن کا کچھ ضرور نہیں کہ جو تدبیریں جس طرح کریں ویسا ہی ظہور میں آوے
توکل کے معنی ترک تدبیر کے نہیں۔ تدبیر کو حجاب خالق و مخلوق کے درمیان بعض آدمی
بتلاتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ توکل کے ضعف سے تدبیر پیدا ہوتی ہے۔ تدبیر نتیجہ تقدیر

ستیز ہے۔ توکل کا پیشہ یعنی کوئی پیشہ نہ کرنا سب سے بہتر ہے۔ حکم حق کے آگے مُردہ بننا چاہیے
تاکہ خدا لتعالیٰ کی طرف سے کوئی زحمت نہ آئے۔ غرض توکل کے لوگ ایسے معنی سمجھتے ہیں کہ
جہد و سعی نہیں کرتے اور احمق بنتے ہیں کسب کو لقمہ تذویر سمجھتے ہیں کسب کرنے کو کہتے
ہیں کہ ایک بلا سے دوسری بلا کی طرف دوڑنا اور سانپ سے بچکر اژدہے کے مُنہ میں
جانا ہے۔ انسان جو حیلہ کرتا ہے وہی اُس کا دام بنتا ہے جس کو وہ جان جانتا
ہے وہ خون آشام ہوتا ہے افسوس ہے کہ کسب ایام کے اور جہد سوا وہم کے کچھ اور نہیں
افسوس ہے کہ وہ یہ نہیں جانتے کہ اسباب کی نردبان ہے پایہ بہ پایہ چڑھ کے مطلب و مقصد کے
بام پہ پہنچتے ہیں۔ پاؤں خدا نے اسلئے نہیں دئے کہ لنگڑے بن کر بیٹھے رہیں۔ ہاتھ
اسلئے نہیں دئے کہ لڑائی میں آستین کے اندر ان کو چھپالیں۔ نعمت قدرت کا شکر سعی
کرنا ہے جملہ حال میں حیلہ ضرور ہے جب تک جال نہ بچھاؤ گے ہوا کے مرغ کیسے پکڑو گے
جو جہد نہیں کرتے وہ نادان ہیں۔ متوکل نہیں ہیں۔

ادخلوا الابیات من ابوابہا   واطلبوا الارزاق من اسبابہا

جو لقمہ کسب حلال سے کھائے گا وہ دل میں نور کمال علم و حکمت و عشق رقت پیدا کریگا

(۱۶) عورتوں کے ساتھ مباشرت و معاشرت

عورتوں کے ساتھ مباشرت و معاشرت ایک جلتی ہوئی آگ ہے۔ اگر وہ روغن عقل سے
روشن ہوتی ہے تو وہ دین دنیا دونو کے گھروں کو روشن کرتی ہے اور اگر وہ ہوا و ہوس
کی خس و خاشاک سے سلگتی ہے۔ تو دین دنیا دونو کے خرمن کو جلا کر بھسم کرتی ہے کیا وہ
کم بخت بے سعادت ہے جو عقل کو چھوڑ کر نفس بہیمی کو بے باکی کے میدان میں چھوڑ کر بے مہار
بناتا ہے کیا وہ احمق بدبخت ہے کہ تزویج کی فضیلت کو ترک کر کے اندھوں کی طرح فسق و فجور
میں پڑتا ہے۔ جو شخص اپنی زن حلال کو چھوڑ کر زنا کرتا ہے وہ حقیقت میں پاکیزہ پختہ گوشت
کو چھوڑ کر سڑے ہوئے کچے گوشت کو کھاتا ہے اور جو عورتیں اپنے خاوندوں کو چھوڑ کر

اجنبی مردوں کے پاس جاتی ہیں وہ حلال کے دسترخوان سے اُٹھ کر مُردار کھانے جاتی
ہیں۔ شاہدان بازاری کے ساتھ معاشرت کرنے پر جو لوگ راضی ہوتے ہیں اور فواحش کے
ساتھ ہم آغوش ہوتے ہیں وہ سراپا اپنے تئیں تباہ و غارت کرتے ہیں۔ اور جو شخص
صورت پرستی کو اپنا کمال گمان کرتا ہے اور عورتوں کی کثرت کو اپنی مردانگی کا فخر سمجھتا ہے
سرتاسر احمق اور بے عقل ہے۔ یہ بات تو حیوانوں میں انسان سے زیادہ ہے اور بیل اور
گدہا سور اس کام میں انسان سے بڑھ کر ہیں۔ انسان کی بڑی جوانمردی یہی ہے کہ وہ
اپنے نفس سرکش کو محرمات سے روکے اور نفس امارہ کو مارے یہی اس کا جہاد اکبر ہے۔
یہ نہایت نامردی ہے کہ وہ ہوا و ہوس میں پھنس جاوے۔ نفس و باد باز کے کتے اور شغال
مست کو غفلت کے خواب خرگوش سے بیدار کرے اور حق کی بندگی کا پٹہ گلے میں ڈالے
وہ شخص مردانہ اور بہادر ہے کہ جس وقت ہوائے نفس کی باد تند چلے تو ثبات قدم کو
نہ چھوڑے اور میل طبعی کے جب نسیم چلے تو سبزہ کی طرح اوسمیں نہ لرزنے لگے۔ خوش خرام
اور سرو قامتوں کو دیکھ کر اُن کے پاؤں میں سایہ کی طرح نہ گر پڑے شیریں لبوں کا
مگس نہ بنجائے۔ غرض نفس کی ہوس کی خواہ کیسی ہی موج خیز ہو مگر اُس میں وہ اپنی
سفینہ دل کو آتش گرداب سے بچائے۔ انوار حق کے روبرو خورشید طلعتوں کے جمال کو
کرم شب تاب سے کمتر جانے۔ خوش صورتوں کا بندہ نہ بنے خدا کا بندہ رہے۔ زلیخا
طلعتوں کی آمیزش سے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح احتراز کرے ؎

اگر لذتِ ترک لذت بدانی   دگر لذت نفس لذت نخوانی

زنا اگرچہ ہر قند نما ہے اس سے بچے تو شکر ملے گی۔ اس عیب سے پاک ہو تو ہنر تیرے ہاتھ آئیں گے
ان کنکروں کو چھوڑو تو گوہر ہاتھ لگیں گے۔ جو شخص ناکاری کرتا ہے وہ اپنے گھر کی
قلتبانی کرتا ہے۔ دیکھ لو کہ جس گھر کے مرد اوباش ہوتے ہیں اکثر اُن کے گھروں کی
عورتیں بھی ایسی ہی خراب ہوتی ہیں ؛

(۱۷) عاقلوں اور صاحب لوں پر عورت غالب ہوتی ہے اور عورت پر جاہل غالب ہوتے ہیں اسلئے کہ ان میں شفقت اور رقت نہیں ہوتیں تندمزاجی وخشم وشہوت یعنی قوا حیوانی ان میں زیادہ اور لطف وکرم اوصاف انسانی کم ہوتے ہیں۔

(۱۸) نظر بازی

منگر در بتان آخر کار ۔۔۔ نگرستن گرستن آرد بار

آنکھ کیا ہے جسم انسانی میں ایک رخنہ اور عجیب وغریب روزن ہے کہ جسکے اندر خانہ دل میں ہزاروں خرابیاں جاتی ہیں اور کیا کیا ہنگامہ فساد مچاتی ہیں۔ دلبر سیم بر اسی رخنہ سے کمند نظر ڈال کر خانۂ دل سے صبر وشکیبائی کو نکال لیتے ہیں۔ ابرو کمان اسی روزن سے اپنے غمزہ کے خدنگ ڈال کر ہوش وحواس کو فنا کر دیتے ہیں۔ حسن کے سودے عشق بازی کے بازار میں نظر ہی کی دلالی سے ہوتے ہیں صحیفۂ اعمال میں بہت سے گناہوں کی رقمیں نگاہ ہی کی قلم سے لکھی جاتی ہیں۔ معشوقوں کی ہم آغوشی کا خیال نگاہ بغیر نہیں ہوتا۔ یہ نگاہ بھول جاتی ہے کہ خدا بصیر ہے وہ ہمارے سب برے بھلے کاموں کو دیکھتا ہی سچ ہے نظر توبہ شکن سے بہت آفتیں پہنچتی ہیں۔ جیسے صدف میں موتی چھپا ہوا ہے۔ ایسا تو بھی دیدہ کو چھپا کہ جس سے تیر بلا کا ہدف نہ ہو۔ جب دل کسی کی آنکھوں پر مائل ہوتا ہے تو نظر ہی کا ہاتھ اس کا رشتہ کش ہوتا ہے۔ دیدہ جب دام کی طرح بے پردہ ہو گا تو اس کا مغز دہن کھائے گا جب غنچہ کھلے گا تو اس کے اندر ہوا جائے گی۔ پس آنکھ کی حفاظت کر کہ سب محرمات اس سے پوشیدہ رہیں۔

(۱۹) جوان عورت ومرد کو عصمت کے باب میں نصیحت

اے دختر تیرا رخ میری آنکھوں کا چشم وچراغ ہے۔ تو میرے باغ کا بہتر ثمر ہے۔ اگرچہ تجھسے زیادہ تیرے بھائی نیک اختر ہیں لیکن وہ میری آنکھوں میں تجھ سے بہتر نہیں دختر بغیر پسر نہیں صدف بدون دُر نہیں بخت نے تجھے ہمایوں فال بنایا۔ مناسب

حال دیکھ کر رواج کے موافق تیرا نام مستورہ میمون رکھا گیا۔ اب تیری یہ فرخندہ فالی جب ہے کہ تو اپنے حال سے نام کو جمال دے۔ تیری عمر سات برس کی ہے اسلئے میری باتیں نہیں سمجھے گی۔ مگر جب سترہ برس کی ہوگی تو جانے گی کہ میں کیا کہتا ہوں۔ تو اپنی زندگی اِس طرح بسر کر کہ جس سے تو اپنے خویشوں کا نام زندہ کرے۔ اور میرا نام اس سبب سے روشن ہو کہ تو مجھ سے پیدا ہوئی ہے۔ مرنے کے بعد پھر تو مجھے ایسا زندہ کر کہ لوگ سمجھیں کہ اب میں تجھ سے پیدا ہوا ہوں۔ دُرِ ارجمند سے جیسے صدف مشہور ہوتا ہے ایسے ہی تو مجھے نامور کر۔ بہتر ہوگا کہ تو اپنے سامان کے واسطے اپنے پاؤں کو دامان میں کھینچ کر بیٹھ جائے۔ جیسا دامانِ کوہ اپنی شکوہ کے سبب سے کہیں نہیں سرکتا اسی طرح تو اپنے دامان سے پاؤں کو نہ ہٹا۔ جو قدم پس دامان بیٹھا اُس نے پردہ نشینی میں اپنا سامان کر لیا۔ جو پاؤں سو جاتے ہیں وہ آرام پاتے ہیں۔ جو عورت آسانی سے باہر چلی جاتی ہے وہ گھر کے سب آدمیوں سے ایسی ہراساں ہوتی ہے۔ جیسے کفن چور رات کو کفن چرا کر دن کو ہر دو زن سے ڈرتا ہے۔ جو عورت لالہ زار میں جا کر گل چنتی ہے وہ دامن خار میں اٹکاتی ہے۔ شراب پی کر آنکھوں کے گل سرخ بنانے سے بید کا رنگ ہونا اچھا ہے۔ جب آنکھیں اُس کی شراب سے سرخ ہوں تو اُن کا سفید ہونا بہتر ہے۔ اپنی آنکھوں میں سرمہ اس طرح نہ لگا کہ منہ کالا ہو۔ منہ پر سے جھوٹا گلگونہ اتار ڈال۔ ایسی کوشش کر بغیر غازہ کے سرخ رو ہو۔ اور تیرے صدق و صواب کا آوازہ بلند ہو۔ اور تیرا رخ حمرا تجھ کو حمیرا لخطاب بنائے۔ مجھے زن کے پارسا ہونے کا ظن اس سبب سے نہیں ہوتا کہ عرق النسا کی سخت بیماری کا نام برگ زن ہے۔ حالت فرسودگی میں عورت کی عصمت نہیں دیکھی جاتی بلکہ آسودگی میں بے مانگی صاحب عصمت باقی ہے۔ گھر جب مال سے پر ہوتا ہے تو اُس کے ہمسایہ میں چور لگے رہتے ہیں۔ سارے شکر لب مگس ہوتے ہیں۔ شکر کے گرد جب تک مکھیاں کم نہیں ہوتیں کہ مگس ران نہ ہو۔ جو عورت کہ جوانی میں ملامت کے کام کرتی ہے وہ بڑھاپے میں بڑی ندامت

اٹھاتی ہے۔ جو عورت آسودگی سے آزاد رہتی ہے اُس کا خانہ ویران بھی آباد رہتا ہے
جو عورت کہ سیل شراب میں آجاتی ہے اُس کا گھر خرابات بن جاتا ہے اور وہ خراب ہو جاتی
ہے جب اُس کا وجود شریف مے آلود ہوتا ہے تو اُس کے در و دیوار سے حریف آموجود
ہوتے ہیں۔ اگرچہ حجرہ میں دورِ جام چلتا ہے لیکن اُس کی بو ہمسایہ کو پیام پہنچاتی ہے
شہر میں شیطان سیرت السنا کا غوغا مچ رہا ہے تو اپنے دروازہ کو قفل لگا کر کنجی کو کہیں
گم کر دے۔ پردہ نشین عورت کو اپنی بے پردگی سے آفت پیش آتی ہے۔ اگر تو یہ چاہے
کہ میرے ہم وہم مجھ پر طعنہ زنی نہ کریں تو نامحرموں سے پردہ کر جس لقمہ پر سرپوش نہ ہوگا
وہ چیونٹیوں اور مکھیوں سے نہیں بچے گا۔ رات کو جس کھانے کی پتیلی پہ چپنی نہ ڈھکی جائیگی
وہ گُتّے بلی سے نہ بچے گی۔ عورت کا متقنعہ جو دام مگس نہیں بنتا وہ فرشتوں کا دام بنتا ہے
عورت کا جلوہ زنا شوہری کے واسطے وہ نہیں ہے کہ پری کی طرح کرے۔ بلکہ اُس کا جلوہ
پردہ کے اندر شرم و ہراس ہے۔ اگر تو یہ چاہے کہ میرے اقربا مجھ پر خندہ زنی نہ کریں تو اپنے
پردہ نشینوں سے پردہ کر۔ اپنے انوار میں آفتاب بن جا۔ حیا کا پردہ اپنے رخسار پر ڈال لے
جس نے حیا کا نقاب چہرہ پر سے الٹ دیا اُس کی آبرو خاک میں مل گئی۔ پردہ عصمت آلودگی
سے رخنہ رخنہ ہو جاتا ہے۔ عورت فعل بد خواہ کیسا ہی پس دامان کرے وہ پنہاں نہیں ہو سکتا
بہت رند اُس کو آشکار کر دیں گے جن کی عادت یہ ہے کہ جو بُرے کام نہیں بھی کرتے ہیں تو بھی
اُن کے کرنے کی شیخیاں بگھارا کرتے ہیں۔ بدکاروں کی یہ رسم ہے کہ جو کام بد کرتے ہیں اُس کی
شہرت کو اپنا شرف و فخر جانتے ہیں۔ جو زن رعنا رعنائی کرتی ہے اُس کی دس پردوں کے اندر
بھی رسوائی ہوتی ہے۔ زنِ بد کی تباہی پر اُس کی شکل گواہی دیتی ہے۔ جفت حلال کے
سوا اپنے خال کو بھی کسی کا مُنہ نہ دکھا۔ آفتاب سے بھی مُنہ چھپا کر سایہ تیرا ہم قدم نہ ہو۔ خلوت
میں سوا شوہر کے کسی کے پاس نہ بیٹھ اگرچہ وہ تیرا برادر ہی کیوں نہ ہو۔ غیر کو خیال میں بھی
مقام نہ دینا چاہیئے جس گھر سے آسائش گم ہو جائے اگر وہ بہشت بھی ہو تو جہنم ہے

اور ایسا مطبخ ہے کہ جس میں وزن دھوئے کے نکلنے کا نہیں ہے اسلئے لوگ روتے ہوئے
اُس سے بھاگتے ہیں۔ زبان دراز بیوی کے ساتھ رہنا وحشی کُتے کے ساتھ بند رہنا ہے۔
جس کی بیوی گھر میں آہو کی طرح جولانیاں کرتی ہے وہ گرگ گزندہ ہے جو دانت مارتی ہے
اگر خاوند تونگر ہو تو بیوی کو چاہئیے کہ زر و زیور سے صنم بنے لیکن اگر خاوند بے توشہ و مفلس ہو
تو قناعت کو اپنا زیور اور پیشانی کے قطروں کو سِلک مروارید بنائے اِن سے بہتر زیور اُس کے
لئے اور نہیں اور فقط مُنہ کے دھو لینے کو آئینہ اور شانہ جانے۔ جو عورت انسان کی اولاد سے
وہ ایک شوہر رکھتی ہے اور جو ایک سے زیادہ رکھتی ہے وہ خوک و سگ کی نسل سے ہے۔ سب سے
بڑا بدخواہ دشمن آدمی کا جو اُس کے گھر میں رہتا ہو وہ اُس کا نفس ہے۔ اس بدخواہ کا مارنا
بڑی مردانگی ہے۔ نفس کی رسی ڈھیلی نہ چھوڑ۔ جہانتک ہو سکے اُس کو قید میں رکھ۔ وہ بدی
کی طرف رہ نمانہ ہو۔ جو عورت شہوت کے واسطے چراغ لیتی ہے اُس کی روشنی سے اُس کو فروغ
نہیں ہوتا۔ جو مرد اپنے جادہ سے قدم باہر رکھتا ہے خلق اُس کے بُرے نام کو نیکی کے ساتھ
یاد نہیں کرتی۔ جو عروس اپنی رعنائی میں گرفتار ہوتی ہے رسوائی اُس کے ساتھ ہوتی ہے
برتن آلودہ پانی سے پاک ہوتا ہے مگر زن بدخاک سے پاک ہوتی ہے۔ کوئی دوسرا شخص
تیری برابر تیری نگہبانی نہیں کرسکتا۔ پس جب تیرا ہی نفس تیرے دروازہ کو توڑ دے تو کون
تیری حفاظت کرسکتا ہے۔ جو خود گرہ لگائے اُس کو دوسرا کون کھولے گا جو بکری بھیڑئیے
کے سامنے خود آگئی پاسبانی کُتا کیا کرے گا۔ پس جن کو خدا نے ادب دیا ہے وہ سر دیدے گا
مگر فساد کی بات کو نہیں اختیار کرے گا +

(۲۰) پرخوری

بعض نفس پرست ایسے شکم پرور ہوتے ہیں کہ شکم پرستی اُن کا دین و ایمان ہوتا ہے
معدہ ہر وقت آب و نان سے پُر ہوتا ہے۔ فانوس بدن میں چراغ حیات کے لئے کھانا
بمنزلہ روغن ہے۔ جیسے روغن کی زیادتی و کمی چراغ کے واسطے مضر ہوتی ہے ایسے کھانے

پینے کی افراط تفریط حیات کو معرض خطر میں ڈالتی ہے۔ اگر بھوکے پیاسے رہتے ہیں تو تمام قوا، وحواس ضعیف ہوتے ہیں اور موت کے قریب ہوتے جاتے ہیں اور اگر ان کی افراط ہو تو پھر تمام بدن کے کارکن اپنی تدبیر و تصرف سے دست کوتاہ کرتے ہیں۔ امراض مہلکہ کا حملہ ہوتا ہے جو جان کو باہر نکال دیتے ہیں۔ کھانے پینے میں اسراف نہیں چاہئے تمام علم طب اسی مسئلہ میں آجاتا ہے کہ معدہ خانۂ درد اور محل امراض ہے۔ امتلاے طعام وشرب سے اور غذاہا غلیظہ و نامناسب سے پرہیز کرنا اس کی دوا ہے اور دوا بھی ایسی ہے کہ اس سے کوئی زیادہ موثر نہیں۔

(۲۱) خود آرائی

خود سازی و خود آرائی پر فریفتہ ہونا اور رعنائی رنگینی لباس پر شیفتہ ہونا عورتوں کا شیوہ ہے اے انسان صورت معنی نشناس۔ زشت طینت زیبا نمود۔ بدگوہر رعونت اندود۔ لالہ صفت خودنما سیاہ دروں ورنگلوں قبا۔ سادہ لوح منقش لباس۔ دشمن جان عاشق تن۔ خارستان شجر گل پیرہن۔ زاغ سرشت طاؤس نما۔ کرم طبع ابریشم قبا۔ تو اس بات کو خوب جان لے کہ انسان کو اپنا لباس یہ بنانا چاہئے کہ بردباری و فروتنی کا پیراہن ہو سخاوت و پرہیزگاری کی ازار۔ انکسار کی چادر۔ صدمات و بلاؤں کی پاپوش۔ تسلیم و رضا کا عمامہ۔ بندگی و اطاعت کا کمربند۔ وہی شخص صاحب سعادت ہے کہ اس خلعت والا سے مشرف ہو۔ جو اس تشریف دل آراے سے سرافراز ہوتے ہیں اُن کو کب پروا ہوتی ہے کہ جامہ نیا ہے یا پرانا ہے۔ تن پوشیدہ ہے یا برہنہ وہ اپنی خطاء نفس کی ندامت کو سو جامۂ چینی و ختائی سے اچھا جانتے ہیں۔ اور اپنی شب بیداری کو ہزار خواب مخمل فرنگ سے بہتر سمجھتے ہیں ؎

جہد کن دل زندہ گرداں تن چہ آرائی بہ زر مُردہ را سود ے ندارد گور پر نقش و نگار

لباس کی شہرت چند قسم کی ہوتی ہے ایک یہ کہ بہت نفیس اور گراں بہا ہو۔ اور اس کے پہننے سے امثال و اقران میں ممتاز ہو اور اس کے سبب سے لوگوں میں انگشت نما۔

دوم یہ نہایت ہی برا ہوا اور اس میں کثافت حد سے زیادہ بھری ہو جیسے کہ بد سیر فقیر اور
طالب مرید پرور گدڑیاں اور ٹاٹ پہنتے ہیں اور بان کی رسیاں کستے ہیں پس بہتر ہے
کہ آدمی لباس میں شیوہ متعارف کو ہاتھ سے نہ دے۔ اور ضابطہ اعتدال کو چھوڑ کے
خود آرائی کو اپنا شیوہ نہ بنائے۔

(۴۲) بیماری

بیماری اور مرض موت کا پیغام ہوتا ہے —— اس سے انسان کی حیات کی متزلزل ہوتی
ہے کچھ ضرور نہیں ہے کہ طبیب حاذق کا علاج موثر اور نافع اور اجل کا دافع ہو۔ اکثر ان کی
تدبیریں خطا ہوتی ہیں اور بیماری بڑھاتی ہیں۔ اگر وہ چارہ مرگ میں بیچارہ نہ ہوتے تو پہلے
اپنے تئیں موت سے بچاتے۔ لقمان اور افلاطون کاہے کو مرتے۔ پس جس وقت مرض
پیش آئے طبیبان حاذق اس کے علاج سے عاجز ہوں تو مرنے کا احتمال زیادہ ہوتا ہے۔ جان
جانے کا وقت قریب معلوم ہوتا ہے۔ اگر اس بیماری سے بچ بھی جاتے ہیں تو مدتوں تک
اس سے متاثر رہتے ہیں۔ ہر ایک مرض بے خبروں کے لئے ایک خبر ہے جہل و غرور کے خون
فاسد نکالنے کے واسطے رگ دل پر ایک نشتر ہے۔ حدیث ہے الحمی قائد الموت (تپ پیش رو
مرگ ہے) پس آدمی کو چاہیے کہ امراض و علل کو خدا عز و جل کا فضل سمجھے۔ قاصد صادق القول
سے اپنے تئیں خبردار کرے۔ اور اپنے تئیں واقعہ ناگزیر کے لئے تیار کرے۔ اور ہر درد کو یہ
جانے کہ حکیم علی الاطلاق نے اپنے شفاخانہ سے دوا سودمند اور شربت مفید بھیجا ہے۔ جو
امراض کہ باطن کو مردہ بناتے ہیں ان کا علاج حکیمانہ شروع کرے۔ دنیا کی خواہشوں کی
سرگرمی سے جو دل دردمند کو تپ لگ رہی ہے اسے دور کرے۔ اندیشہائے فاسد کے خلط
سے جو سینہائے خاطر گراں ہو رہے ہیں ان کو سبک کرے۔ ہوسہائے نفسانی کی ذات الجنب
سے پہلو کو خالی کرے۔ وسوسہائے شیطانی کی ذات الصدر کے مرض کو سینہ سے دور کرے۔
روز حشر کے انفعال کی زردروئی کے یرقان سے اپنے تئیں نجات دے۔ خلاصہ یہ ہے کہ

استقام و آلام جسمانی سے امراض باطنی دور کرے اور مرگ کے لئے تیار ہو۔ سفر عقبیٰ کی فکر کرے
علائق دنیا کا جو بار گراں ہے اُس سے سبک ہو تاکہ سفر آخرت ہلکا ہو۔ جو شخص مرگ کے لئے
تیار نہیں ہوتا اور اپنی بھلائی کا خیال نہیں رکھتا تو وہ ایسا مرتا ہے کہ گویا مرگ مفاجات آیا کہ
ناگہانی مرگیا۔ گو بیماری کے سبب سے بستر پر سال بھر سے پڑا ہو۔ غرض آدمی کو چاہیئے کہ بیماری
میں اور بیماری کے بعد عمل نیک کرے اور بُرے کاموں سے ہاتھ اٹھائے۔ ہر درد دل پردرد
کے واسطے دوا ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ اس دوا کا اثر آدمی پر کمتر ہوتا ہے

(۲۳) خواب و بیداری

انسان کے ستہ ضروریہ میں سے خواب ہے۔ انسان کے واسطے وہ ضرور ہے اور اس سے اس کا
بدن برپا رہتا ہے۔ مگر وہ اُس قدر پسندیدہ ہے جس قدر مزاج صحیح اور معتدل متقاضی ہو جو اس سے
کم ہوتا ہے وہ ضعیف کرتا ہے اور جو زیادہ ہوتا ہے۔ آزار و رنج پہنچاتا ہے۔ خواب کا حال
کھانے پینے کا سا ہے کہ اگر وہ حد اعتدال سے باہر نہ ہو تو نیک و مستحسن ہے اور جب اس سے
تجاوز کرے تو بدن کی خرابی کا باعث ہے اور بدن کی خرابی سے دل بھی سیاہ ہوتا ہے
اور نقد عمر عزیز بھی اس سے تباہ و ناچیز ہوتا ہے اور فرصت و دولت بھی بھاگتی ہے۔
بہت سونے سے دین و دنیا دونو خراب ہوتے ہیں کیونکہ اس میں بیکاری ہوتی ہے نہ کوئی دین
کا کام ہے نہ دنیا کا۔ خواب آٹھ طرح کے ہیں۔ خواب غفلت۔ خواب شقاوت۔ خواب لعنت
خواب عقوبت۔ خواب راحت۔ خواب رخصت۔ خواب حسرت۔ خواب غفلت تو وہ
خواب ہے جو ذکر خدا کی مجلس میں واقع ہو۔ خواب شقاوت وہ ہے جو نماز میں نیند آجائے۔
خواب لعنت وہ خواب ہے جو صبح کے وقت ہو۔ خواب عقوبت وہ ہے جو صبح کی نماز کے
بعد ہو کیونکہ وہ سبب محرومی رزق کا ہوتا ہے۔ خواب راحت وقت قیلولہ کے جو چاشت کے بعد ہوتا ہے
خواب رخصت جو عشا کی نماز کے بعد ہو۔ خواب حسرت شب جمعہ کا خواب۔ غرض سب سے بدتر
و شوم خواب صبح ہے جس سے آدمی رزق سے دور ہوتا ہے۔ اور چہرہ بھی اس سے متغیر اور

زرد و زشت ہوتا ہے۔ اِس خواب سے اجتناب چاہیے۔ ہوشمند بیدار دل جانتا ہے کہ جب آدمی اپنے بستر پر سو جاتا ہے۔ خواب کا چور عقل و ہوش کی متاع جو حرکات آزادانہ کی سرمایہ ہے سارے بدن سے چرا لیجاتا ہے۔ چراغ شعور کا بخارات کے ہجوم سے بجھ جاتا ہے حواس کے پھول ہجوم خواب کی سموم سے مرجھا جاتے ہیں اور بحکم النوم اخ الموت آدمی مُردوں کی برابر ہو جاتا ہے ہستی اُس کی نیستی کے برابر ہو جاتی ہے۔ کدخداے روح خواب کی فوج کے استیلا سے سراے تن سے فرار کر کے بیکاری و بے استقلالی کے گڑھے میں جا کر چھپ جاتا ہے۔ وہ پھر عزم کر کے اپنے مقام پر عود کرتا ہے۔ اور پھر عقل و روح اپنے گھر میں اقامت کرتی ہیں اور حواس اپنا کام انجام دیتے ہیں گویا اُس سے نو حیات تازہ اور نعمت بے اندازہ انسان کو ملتی ہے۔ پس سب سے پہلے بیدار ہوتے ہی انسان کو درگاہ الہی میں اس نعمت کا شکر و خدا کے سامنے سجدہ کرنا چاہیے +

(۴۳) خواب بھی کیا عجیب و غریب چیز ہے کہ اس میں نہ قیدیوں کو قیدخانہ کی خبر ہوتی ہے نہ بادشاہوں کو اپنی دولت کی نہ سود و زیان کا غم و اندیشہ ہوتا ہے۔ نہ اُس کا نہ اِس کا خیال ہوتا ہے۔ یہی حال عارفوں کا دنیا کی نسبت بیداری میں گزرتا ہے گویا وہ احوال دنیا سے دن میں بھی شب کی طرح خواب میں ہیں +

باب نہم

رذائل و فضائل اخلاق۔ صفات انسانی

(۱) غضب کی حقیقت

غضب ایک قوت آدمی کے دل میں خدا نے رکھی ہے جو مضر اور مہلک چیزوں کو انسان سے رفع کرتی ہے۔ اِس کو انسان کی سرشت میں آگ سمجھنا چاہیے جب آدمی کسی مطلب سے روکا جاتا

یا اُس کی خلاف مرضی کوئی چیز پیش آتی ہے تو وہ آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ اس کا شعلہ ایسا تیز ہوتا ہے کہ دل کے اندر کا خون جوش کھا کر رگوں میں اوپر کی طرف چڑھ آتا ہے یہی وجہ ہے کہ غصہ کے وقت آدمی کا چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں۔ چہرہ کا پوست نرم ہوتا اُس میں خون ایسا جھلکنے لگتا ہے جیسے شیشہ کے اندر کوئی چیز جھلکتی ہے۔ یہ حالت اُس وقت طاری ہوتی ہے کہ کسی اپنے سے کم رتبہ آدمی پر غصہ آوے۔ مگر جس وقت غصہ اپنے سے بڑے پر آتا ہے۔ تو خون ظاہری جلد سے بستہ ہو کر قلب کی طرف رجوع کرتا ہے اور رنج اور غم کے سبب سے چہرہ کا رنگ زرد ہو جاتا ہے۔ اور اگر کسی برابر والے پر غصہ آتا ہے تو دونوں کیفیتیں طاری ہوتی ہیں کہ چہرہ کا رنگ لال پیلا ہوتا ہے۔ غرض غضب کا اثر دل پر ہوتا ہے یعنی بدلہ لینے کے واسطے خون دل کا جوش کرتا ہے۔ اول قوت موذی چیزوں کے دفع پر متوجہ ہوتی ہے۔ اور قبل ایذا اُن کا دفعیہ چاہتی ہے اور بعد ایذا تشفی دل کے لئے انتقام کے درپے ہوتی ہے۔ اس قوت کی اشتہا اور غذا انتقام ہے اور اسی میں اُس کو لذت ملتی ہے۔ اور بدون انتقام چین نہیں لیتی۔ ابتدا پیدائش سے اس قوت کے تین درجے ہیں۔ اول تفریط یعنی کمی۔ یہ مذموم ہے۔ ایسی ہی شخص کو بے غیرت کہا کرتے ہیں جس شخص کو غصہ دلانے پر غصہ نہ آئے وہ گدہا ہے کمینوں کی سی ذلت اُسے اُٹھانی پڑتی ہے۔ دوسرا درجہ افراط کا ہے یعنی زیادتی کا وہ یہ ہے کہ غصہ اِس درجہ پر غالب ہو کہ آدمی عقل و دین کی سیاست طاعت سے نکل جائے اور بالکل آپے سے باہر جائے۔ یہ غلبہ غضب پیدائشی ہوتا ہے کہ ابتداء عمر سے آدمی زود رنج اور زود غضب ہوتا ہے یا اس عادت سے ہوتا ہے جو مغلوب الغضب و سریع الانتقام لوگوں کی صحبت سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ اس غصہ کو شجاعت جانتے ہیں اور فخر یہ کہتے ہیں کہ ہم کو ذرا برداشت نہیں اور ہم کو کوئی ذرا سی بات کہے تو ہم اُس کا منہ نوچ لیتے ہیں۔ اس کہنے کے یہ معنی ہیں کہ ہم کو ذرا عقل و حلم سے بہرہ نہیں۔ پس جو شخص ایسے لوگوں کی

صحبت میں رہ کر ایسی باتیں سنتا ہے تو وہ غصہ کرنے کو اچھا جانتا ہے اور ایسا ہی خود بننا چاہتا ہے۔ اسلئے غصہ بڑھ جاتا ہے۔ تن بدن میں پتنگے لگ جاتے ہیں اپنی عقل و نفس سے استفادہ حاصل کرتا ہے۔ نہ کسی دوسرے کی نصیحت سے غصہ کی آگ کا دھواں اٹھ کر دماغ کو تیرہ و تاریک کر دیتا ہے کہ اس میں عقل کا چراغ روشن نہیں ہو سکتا۔ حکما اس حال کی تمثیل ایسے غار سے دیتے ہیں کہ دھوئیں سے بھرا ہوا ور سوار غوغا اور شراروں کے کوئی چیز نہ نکلتی ہو۔ ایسی صورت میں علاج مشکل ہے۔ جتنی بجھانے میں کوشش کی جائیگی اتنا ہی وہ بھڑکے گا۔ آدمی کا حال غصہ میں اس سے بھی بدتر ہو جاتا ہے جو کشتی کا طوفان میں ہوتا ہے کہ نفس کی کشتی کا ناخدا دل تھا وہی غصہ کے سبب سے اندھا اور بہرا ہو گیا پھر تدبیر کون کرے۔ شدت غضب میں آدمی کا رنگ بدل جاتا ہے۔ ہاتھ پاؤں کانپنے لگتے ہیں افعال بے ترتیب صادر ہوتے ہیں۔ کلام میں لغزش ہوتی ہے۔ غرض ایسی صورت بگڑ جاتی ہے کہ آدمی آئینہ میں دیکھے تو شرم کے مارے غصہ جاتا رہے۔ صورت سے بدتر حال باطن کا ہوتا ہے۔ کیونکہ صورت ظاہری تو اصل صورت باطنی کی فرع ہے سب سے زیادہ غصہ کا اعلان زبان کرتی ہے جب آدمی دوسرے پر غصہ نہیں نکال سکتا تو اپنے اوپر نکالتا ہے کہ کپڑے پھاڑتا ہے اور اپنا منہ پیٹتا ہے یا زمین پر ہاتھ دے مارتا ہے یا بدہوشوں کی طرح دوڑتا ہے۔ کبھی ایسا گر پڑتا ہے کہ پھر اٹھ نہیں سکتا۔ کبھی اپنے تئیں ہلاک کر ڈالتا ہے۔ کبھی دیوانوں کی حرکات کرنے لگتا ہے۔ جمادات اور حیوانات کو مارتا ہے مثلاً برتن توڑ ڈالا۔ دسترخوان الٹ دیا۔ گائے بیل گھوڑے کو گالیاں دینے لگا اور ایسی ایسی باتیں کرنے لگا کہ گویا وہ اس کی باتوں کو سمجھتے ہیں۔ اب تیسرا درجہ یہ ہے غصہ عقل کے اشارہ کا منتظر رہے۔ جہاں عقل غصہ ہونے کا فتویٰ نہ دے وہاں حلم و صبر اختیار کرے۔ اسی کو خیر الامور اوسطہا کہتے ہیں۔ غرض انسان کے مزاج غضب کے قبول کرنے میں مختلف ہوتے ہیں۔ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ شدت غضب میں اپنے

نفس کو روک نہیں سکتے۔ گو جلد بحالت اصلی آجاتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ابتدا میں تو نفس کو روک لیتے ہیں مگر ہمیشہ کو کینہ و بغض دل میں رکھتے ہیں اس اعتبار سے ان لوگوں کی چار قسمیں ہیں۔ اوّل وہ لوگ کہ گھاس کی طرح جلد جل جاویں اور جلد بجھ جاویں یعنی جلد غصہ آئے اور جلد اُتر جائے۔ دوسرے وہ کہ پتھر کے کوئلہ کی طرح دیر کر سلگیں اور دیر ہی میں بجھیں یعنی دیر کر غصہ میں آئیں اور دیر تک غصہ رہیں۔ تیسرے وہ کہ تر لکڑی کی طرح دیر میں جلیں اور جلد بجھ جائیں یعنی دیر میں غصہ ہوں اور جلد ان کا غصہ اُتر جائے۔ یہ سب سے بہتر قسم کے لوگ ہیں چوتھے یہ کہ وہ سوکھی لکڑیوں کی طرح جلد بھڑک اٹھیں اور دیر کے بعد ٹھنڈی ہوں یعنی زود غضب ہوں اور غصہ ان کا دیرپا ہو یہ سب سے بدتر قسم کے آدمی ہیں۔ اس مضمون کو مبادی الانشا کے حصہ دوم میں دیکھو۔

(۲) حلم

حلم اس کو کہتے ہیں کہ غصہ جوش پر نہ آئے اور اگر آئے تو اس کے فرو کرنے میں کچھ تعب و مشقت نہ اٹھانی پڑے۔ اگر غصہ آئے اور آدمی اس کو پی جائے تو یہ بہ تکلف حلیم بنا ہے۔ حلیم طبعی عادت جبلی ہے جس سے کمال عقل ثابت ہوتا ہے اور قوت غضبی فرماں بردار اور مغلوب ہستی ہے مگر ابتدا میں بزور و تکلف غصہ مارنے اور پینے سے بلکہ حلم کا حاصل ہوتا ہے۔ علم کی بڑی زینت حلم ہے عقل کا بڑا رکن حلم ہے۔ حلیم کو حلم کے سبب اول عوض تو یہی ملتا ہے کہ سب آدمی اس کے طرفدار ہو کر اس کے بدخواہ کے درپے ہوتے ہیں آدمی اجتہاد اور تجویز کے درجہ پر نہیں پہنچتا جب تک کہ حلم جہل پر غالب نہ ہو۔ مردوں میں بہادر وہ ہے جو اپنے حلم کے سبب سے جہل کو مٹا دے۔ بڑا پہلوان وہی ہے جو حلم کے زور سے غصہ کو پچھاڑ دے۔ جاہلوں کے ساتھ حلم کرنا بڑی نیکی ہے حضرت حکیم لقمان کا قول ہے کہ تین شخص تین باتوں سے پہچانے جاتے ہیں حلیم تو غصہ کے وقت بہادر لڑائی کے وقت۔ دوست حاجت کے وقت۔ ایک حکیم کے ہاں ایک دوست آیا اُس نے

ماحضر پیش کیا۔ بیوی بدمزاج تھی دسترخوان اٹھا لیا اور میاں کو گالیاں دینی شروع کیں وہ مہمان غصہ ہوکر اٹھ گیا۔ حکیم اس کے پیچھے گیا اور کہا کہ تم کو یاد ہے کہ ایک بار ہم تمہارے ہاں کھانا کھاتے تھے اتنے میں ایک مرغی آئی اور اس نے دسترخوان پر کی چیزوں کو خراب کر دیا تو ہم میں سے کوئی غصہ ہوا تھا؟ اس نے کہا کہ کوئی نہیں حکیم نے کہا کہ تو اب بھی ایسا تصور کر۔ مہمان ہنس پڑا اور خفگی جاتی رہی اور وہ کہنے لگا کہ حکما کا قول درست ہے کہ حلم سر درد اور چوٹ کی دوا ہے۔ ایک شخص نے ایک حکیم کے پاؤں میں ضرب ایسی ماری کہ اس کو دکھ معلوم ہوا مگر غصہ نہ ہوا۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا اس نے کہا کہ میں نے یہ سمجھ لیا کہ میرا پاؤں کسی پتھر پر سے پھسل گیا اور چوٹ لگ گئی اس وجہ سے غصے نہیں ہوا۔ جو حلیم ہوتا ہے وہ انجام کار پر نظر رکھتا ہے۔ کچھ نامردی اور عجز کے سبب حلیم نہیں بنتا۔ ایک لڑکے میں حلم ہو تو اس کی وقعت اور ہیبت ایک جوان اور بڈھے کی برابر ہوتی ہے۔

(۳) جبکہ تیرے جہل پر تیرا حلم غالب رہے گا تو تجھ پر بہت سی بجلیاں چلیں گی۔ اور رعد کڑکیں گے یعنی تجھ کو تیرے بدخواہ ستایا کریں گے پس حلم کا استعمال کرنا ضرور ہے حلم کشتی ہے اور غضب طوفان ہے حلیم کشتی بان ہے۔ اگر طوفان کے دن کشتی ٹوٹ گئی تو کشتی بان بھی موج ہلاکت میں پڑے گا۔

(۴) انتقام میں جو باتیں کہنی جائز ہیں

یہ امر تو محض ناجائز ہے کہ ظلم کے بدلے میں ظلم کیا جائے یا بدی کا مقابلہ بدی کیا جائے

بدی را بدی سہل باشد جزا　　　اگر مردے احسن الے من اسا

غیبت کے عوض میں غیبت کرنی اور گالی کے عوض میں گالی دینی اور علیٰ ہذا القیاس۔ معصیت میں داخل ہے۔ مگر بعض لوگ یہ فرماتے ہیں کہ کسی کے مقابلہ میں ایسے لفظ کہنے جن میں جھوٹ نہ ہو درست ہیں جیسے بدخلق۔ بے حیا۔ عیبی وغیرہ کسی شخص کو کہہ دینا بشرطیکہ

یہ باتیں اُس میں ہیں یا یہ کہنا کہ اگر تم میں شرم ہوتی تو ایسا نہ کہتے اور تم اپنی حرکت سے میری آنکھوں میں نہایت حقیر ہو گئے یا گر گئے اور خدا تم سے عوض لے یا تم سے سمجھے اور اسی قبیل کی باتیں گو دوسرے کو ایذا دیتی ہیں مگر جھوٹ نہیں ہوتیں غرض جو بات جھوٹ نہ ہو وہ انتقام میں کہنی جائز ہیں مظلوم کو اپنا انتقام لینا جائز ہے۔ غرض بعض اکابر سلف اس امر کی اجازت دیتے ہیں کہ جسقدر کسی کو اول ایذا پہنچے اُس قدر یہ بھی عوض لے لے مگر اس مقدار کا ترک کرنا افضل ہے اس لئے کہ اس سے زیادتی کی نوبت پہنچ جاتی ہے اور مقدار واجب پہ کفایت کرنا نہیں بن سکتا کیونکہ ہر ایک آغاز کی انتہا مخفی ہوا کرتی ہے اس لئے جواب دینے سے سکوت ہی افضل ہے +

(۵) حقد یعنی کینہ

جب آدمی غصّہ کے وقت بمجبوری انتقام نہیں لے سکتا اور غصّہ پینا پڑتا ہے تو وہ انتقام باطن میں حقد بنجاتا ہے اور حقد کے معنی یہ ہیں کہ دل میں ہمیشہ کسی کو ثقیل و گراں جاننا اور اس سے بغض و نفرت کرنی غرض غضب کا نتیجہ حقد ہے اور حقد سے یہ آٹھ باتیں پیدا ہوتی ہیں اول حسد یعنی کینہ کے باعث اس بات کی تمنا ہو کہ دوسرے کے پاس سے کوئی نعمت جاتی رہے اور اگر اس کو کچھ نعمت ملے تو خود غم کرے اور اگر اُس پر مصیبت آئے تو خوش ہو۔ دوسری غیر پر جو بلا آئے اُسپر شماتت کرنی۔ تیسری دوسرے آدمی سے ایسا بیزار ہونا کہ اگر وہ ملنا بھی چاہے تو نہ ملے۔ چوتھی اُسے حقیر و ذلیل سمجھنا۔ پانچویں زبان سے کلمات ناجائز کہنا۔ چھٹی اُسے مسخرا بنانا اور اُسے ہنسی میں اُڑانا۔ ساتویں ایذا جسمانی پہنچانا۔ آٹھویں اُسکے جو حقوق اپنے اوپر ہوں اس کے ادا سے باز رہنا۔ مثلاً قرض کا نہ دینا یا صلہ رحم بجا نہ لانا یا کوئی چیز اُس کی دبا لینی وہ واپس نہ کرنی۔ آدمی کے لئے بہتر ہے کہ ان آٹھوں باتوں سے احتراز کرے۔ بلکہ اتنا کینہ رکھنا بھی بُرا ہے کہ اُس کو دل میں بُرا جانے اور جو باتیں اُس کے ساتھ پہلے کرتا تھا وہ نہ کرے مثلاً دیکھ کر خوش ہونا اور نرمی

اور عنایت کرنی اور اُس کی حاجتوں کے وقت کام آنا اور اُس کے نفع میں مددگار ہونا۔

(۶) عفو و رفق

در عفو لذتیست کہ در انتقام نیست

اگر توقع بخشائش خدا داری — زروے عفو و کرم بر گناہگاران بخش

عفو کے معنی یہ ہیں کہ اپنا حق جو دوسرے کے ذمے ہو اُسے چھوڑ دے مثلاً قرض جو کسی کے ذمے ہے اُس سے اُسے بری کردے۔ جو شخص باوجود قدرت انتقام رکھنے کے معاف کردے وہ بڑے رتبہ کا آدمی ہوتا ہے سب سے زیادہ صاحب عزت وہی ہے جو قابو پاکر معاف کرے حضرت امیر معاویہ کا قول ہے کہ جب تک تم کو انتقام کا قابو اور موقع نہ ملے تب تک حلم اور برداشت کرو اور جب موقع ملجاوے تو عفو اور احسان کرو بعض اکابر کا قول ہے کہ حلیم اُس کا نام نہیں کہ ظلم کے وقت تو چپ ہو رہے اور جب قدرت و موقع پاوے تو بدلہ لے۔ بلکہ حلیم وہ ہے کہ ظلم کے وقت حلم کرے اور قدرت کے وقت معاف کرے۔ قدرت اور قابو پانا کینہ اور غصہ کو کھو دینا حلم ہے۔ جتنا بڑا گناہ ہو اُتنا ہی اُسکے عفو کا فضل زیادہ ہے

گر عظیم است از فرو دستاں گناہ — از بزرگاں عفو کردن اعظم است

عفو میں ہمیشہ نرمی ہوتی ہے۔ نرمی کے مقابلہ میں تیزی اور تنک چڑھا پن ہے نرمی حسن خلق کا نتیجہ ہے اور تیزی و تندی اسکے برعکس غصہ اور درشتی کا نتیجہ ہے کبھی تو تیزی و تندی غصہ سے ہوتی ہے اور کبھی شدت و غلبہ حرص سے ہوتی ہے۔ اس میں آدمی کو سوچ سمجھ نہیں رہتی اسواسطے استقلال جاتا رہتا ہے۔ مگر نرمی بہر صورت حسن خلق کا ثمرہ ہے۔ یہ ملائمت بھی حلم کی ہم پلہ ہے علم آدمی کا دوست جانی ہے حلم اس کا وزیر ہے اور عقل رہنما۔ عمل سربراہ کار اور رفق اُسکا والد اور نرمی بھائی اور صبر سپہ سالار۔ رفق کے ٹھیک معنی یہ ہیں کہ ہر موقع اور مقام پر ہر ایک امر کو برتنا شدت کی جگہ شدت اور نرمی کی جگہ نرمی۔ غرض نرمی کے ساتھ درشتی کا بھی اختلاط ضرور چاہئے

شیخ سعدی ؎ درشتی و نرمی بہم در بہ است چو فاصد کہ جراح و مرہم نہ است

غرض درجہ اوسط جو اخلاق کا کلیہ ہے وہ یہاں بھی نرمی اور درشتی میں محمود ہے۔ اپنے اپنے موقع پر حسب مصلحتِ وقت دونو اچھی ہیں مگر جس شخص کو رفق سے بہرہ نہیں ہوتا اُس کو حماقت سے نقصان ہوتا ہے اور تجربوں سے مستفید نہیں ہو سکتا اور اس سبب سے عالی درجہ نہیں پا سکتا۔ جو لوگ سخت اور درشت کلام بولتے ہیں اُن کے ہم معنی الفاظ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ نرم ہوتے ہیں ؎

چو کارے برآید بلطف و خوشی چہ حاجت بہ تندی و گردن کشی

غرض دنیا میں جتنے کام رفق اور نرمی سے نکلتی ہیں اتنے درشتی سے نہیں نکلتے وہ بہت بکار آمد ہے اور تھوڑے موقع ایسے ہوتے ہیں کہ جہاں درشتی سے کام نکلتا ہے۔ رفق کی عادت کے سبب سے انسان غضب نہیں ہوتا۔ دوسرے کو ادب سکھاتا ہے اب جاہل نہیں بنتا دوسرے کو عاقل بناتا ہے۔ درشت کلامی قطیعت کا سبب ہوتی ہے اور نرمی بلاغت و اتحاد و مودت کا

بہ شیریں زبانی و لطف و خوشی توانی کہ پیلے بموئے کشی

(۷) جو شخص تجھ کو بند کرے تو اُس کو آزاد کر جو تیرا بد اندیش ہو اُس کا نیک اندیش ہو جو جفا کیش ہو تو اُس کا مصلحت کوش ہو۔ تو اوروں کے جفا کے پیچ کو گنج جہان جیسے تجھے داغ دیں تو اُسے باغ سمجھ عفو کو اپنا پیشہ بخوبی و خوشی بنا۔ کینہ کشی کی ناخوشی کو چھوڑ عفو و کرم کا منتظم ہو کینہ کش منتقم کو چھوڑ۔ کینہ خواہی مردوں کی روش نہیں جو آدمی احسان نہ کرسکے وہ انسان نہیں بے احسان ہو کر دائرہ انسانی سے باہر نہ جا۔

(۸) حسد و غبطہ (رشک)

حسد کینہ کی شاخ ہے اور کینہ غصہ کی شاخ ہے تو حسد غصہ کی شاخ در شاخ ہوئی اور اصل اصول ٹھہرا۔ اب پھر حسد کی اتنی شاخیں پھیلتی ہیں کہ اُن کا حصر مشکل ہے۔ حاسد اس شخص کا دشمن ہوتا ہے جس کو خدا تعالیٰ کوئی نعمت دیتا ہے۔ پس جو کچھ خدا تعالیٰ نے

لوگوں کے حق میں مقدر کر دیا ہی اُس سے وہ راضی نہیں ہوتا۔ بعض حکما کا قول ہے کہ حسد ایک زخم ہے کہ کبھی نہیں بھرتا۔ اور جو کچھہ حاسد پر گذرتا ہے اُسکی سزا کے واسطے وہی کافی ہے ایک اعرابی کا قول ہے میں نے کسی ظالم کو مظلوم کے مشابہ سواے حاسد کے نہیں دیکھا کہ جب دوسرے کی نعمت کو دیکھتا ہے گویا اُس کے چھریاں لگتی ہیں بعض اکابر کا قول ہے کہ حاسد کو مجلسوں میں تو ذلت ہوتی ہی اور مذمت کی جاتی ہے اور فرشتوں سے لعنت اُن پر برستی ہے اور خلق سے غم و غصہ پہنچتا ہی اور نزع میں ہول و شدت اور قیامت میں عذاب و فضیحت ہوتی ہے۔

قاعدہ ہی کہ حسد نعمت ہی پر ہوا کرتی ہے پس اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو نعمت عطا فرمائے تو حاسد کے دو حال ہوتے ہیں اوّل یہ کہ وہ نعمت اُس کو بُری معلوم ہو اور یوں چاہے کہ اُس کے پاس نہ رہے اس حال کا نام تو حسد ہی غرض حسد کی تعریف درحقیقت یہ ہے دوسرے کی نعمت کو بُرا جاننا اور اُس کے پاس سے جاتے رہنے کا خواہاں ہونا۔

دوسرا حال یہ ہی کہ نہ تو وہ نعمت بُری معلوم ہو اور نہ اُس کے زوال کا خواہاں ہو بلکہ یوں دل چاہے کہ ایسی ہی نعمت ہمکو بھی ملے اس کا نام غبطہ و منافست ہے جو شخص دوسرے کی نعمت پر غبطہ کرے اور اپنے واسطے بھی ویسا ہی چاہے اور دوسرے سے اُس کا دور ہونا پسند نہ کرے اور نہ اُس کے پاس اس نعمت کا ہمیشہ رہنا بُرا معلوم ہو تو اُس میں کچھ حرج نہیں غبطہ کرنے والا اپنے تئیں ناقص جانتا ہی اور سب پیچھے رہنا بُرا سمجھتا ہے اور نعمت والے کی برابری چاہتا ہی۔ اور اپنا کمتر رہنا بُرا جانتا ہے تو وہ بالضرور اپنے نقصان کو پورا کرنا چاہے گا۔ اور اُس کے نقصان جاتے رہنے کی دو ہی صورتیں ہیں یا یہ کہ دوسرے شخص کے پاس بھی وہ نعمت نہ رہے اور دونو برابر ہو جائیں یا اُس کے پاس ویسی ہی نعمت آجائے اور مساوی ہو جائے اور جب ایک صورت نہیں بن پڑتی تو بالضرور بمقتضاے بشریت آدمی کا دل دوسرے کی طرف میل کریگا۔ اگر دوسرے کے پاس سے وہ نعمت جاتی رہے تو یہ بات اُس کے جی کو بھلی لگے گی بہ نسبت اس کے کہ دوسرے کے

پاس وہ نعمت ہمیشہ رہے کیونکہ اُس کے دور ہونے سے یہ اور وہ برابر ہو جائینگے اور یہ ایک ایسی بات ہی کہ بہت کم اُس سے دل خالی ہوتے ہیں اس صورت میں یہ تدبیر اولی ہے کہ غبطہ کا حال یوں دریافت کرے کہ اگر دوسرے کی نعمت کا اختیار تمکو حاصل ہو تو میں کیا کروں اگر یہ بات دل میں آئے کہ میرا بس ہو تو میں اس نعمت کو اس سے دور کردوں تو معلوم کرنا چاہیئے کہ یہ خواہش حسد ہی۔ اور اگر یہ خیال ہو کہ باوجود اختیار اور قابو کے دل دوسرے کی نعمت کا علیحدہ کرنا پسند نہ کرے تو جان لے کہ غبطہ ہے اور وہ جائز ہے کہ اپنی عقل اور دین کے وسیلے دوسرے کی زوال نعمت نہیں چاہتا بلکہ یہ منظور ہے کہ مجھے بھی ویسی نعمت مل جائے۔ اِس میں کوئی بُرائی نہیں ہے کہ نفس الامر میں یہ بات انسان سے بعید ہے کہ جب وہ خود دوسرے کا ہمسر کیا جائے اور حصول نعمت سے عاجز ہو تو اس بات کا خیال نہ کرے کہ یہ نعمت اُسکے پاس بھی نہ رہے۔ کیونکہ دوسرے کے پاس نعمت کے ہمیشہ رہنے سے ہمیشہ یہ کمتر ہی رہے گا۔ پس اس طرح کی منافست ناجائز حسد کے ہم پلہ ہے اس میں احتیاط کرنی ضرور ہے۔ اکثر اپنے اقارب اور یگانوں ہی میں بعض کو اعلیٰ رتبہ پہ دیکھتا ہی تو اُن کی برابری چاہتا ہی۔ اُسی سے کبھی اُس حسد میں مبتلا ہو جاتا ہے جو نہایت بُری بات ہی۔

(۹) حسد کے چار مراتب ہیں اول تو یہ کہ دوسرے کی نعمت کا زوال چاہے گو وہ نعمت اُس کے خود پاس نہ آئے یہ درجہ سب میں بدتر ہے۔ دوسرے یہ کہ اس نعمت کا اپنے پاس آنا چاہتا ہے اُس سے غرض نہیں کہ دوسرا اُس سے کیوں مستفید ہی اور نہ یہ چاہتا ہے کہ کسی کے پاس سے وہ جاتی رہے۔ مثلاً کوئی عمدہ مکان یا حکومت وغیرہ ہے اُس کا دل چاہتا ہی کہ یہ میرے پاس آجائے۔ یہ نہیں چاہتا کہ دوسرا اُس پہ کیوں مسلط رہے۔ تیسرے یہ کہ خاص اس نعمت کو اپنے لیے نہیں چاہتا بلکہ اس کا مثل اپنے لئے چاہتا ہے اور اگر مثل نہ ملے تو اُس کا زوال چاہتا ہے کہ تا مساوات اور برابری ہو جائے

چوتھے یہ کہ نعمت کا مثل اپنے لئے چاہتا ہے اور اگر نہ ملے تو اُس کا زوال دوسرے کے لئے نہیں چاہتا۔ پس یہ آخر صورت جائز ہے خواہ وہ نعمت دینی ہو یا نعمت دنیوی اور مرتبہ دوم میں کچھ بھلائی ہے کچھ بُرائی ہے یعنی کسی کی نعمت کا زوال نہ چاہنا تو اچھی بات ہے مگر جس شئے پر دوسرا قابض ہے اُس کا اپنے واسطے چاہنا اچھا نہیں اور تیسرا مرتبہ دوسرے کی نسبت بُرا ہے اور پہلا تو بڑا ہی بُرا ہے۔ مرتبہ ثانی اور چہارم حقیقت میں حسد نہیں ہے +

(۱۰) جب حسد آدمی کا گلا پکڑ لیتی ہے تو شیطنت کو بڑا غلو ہو جاتا ہے۔ آدمی کو چاہیئے کہ حسد سے وہ ننگ رکھے کیونکہ وہ سعادت سے جنگ کرتی ہے۔ یہ اخلاق کی راہ میں بڑی بُری کٹھن گھاٹیاں ہیں جس کے ہمراہ اس میں حسد نہیں ہے وہ شخص بہت ہی آسودہ اور آرام سے رہتا ہے۔ جب حسد خانہ حسد بنتا ہے تو خانمان سب خراب ہوتا ہے۔ بادشاہی بھی ہو تو عذاب بنجاتا ہے۔ خدا ہی اِس حسد کو حسد کے گھر سے نکالتا ہے۔ جو بے جسد کے ساتھ حسد کرتا ہے وہ اپنے دل کو سیاہ کرتا ہے۔ حسد کے معنی عقل کے قاموس میں یہی لکھے ہیں کہ تقدیر الٰہی پر خشم ناکی اور اُس پر ناراضی۔ حاسد یہی روتا ہے کہ زید و عمر و کو کس واسطے ثروت و مال دیا گیا مجھے نہیں دیا گیا۔ خالد و بکر کو کس واسطے قدر و منزلت دی گئی مجھے نہیں دی گئی۔ جو فضل و کمال فلاں شخص کو ہے وہ مجھے ہونا چاہیئے تھا۔ آدمی کو چاہیئے کہ ہر حال میں دولت و نکبت میں خواری و عزت میں۔ بیماری و صحت میں مالداری اور حسرت میں جو خدا نے دیا ہو اُس سے خوش ہو۔ کسی کے مال و نعمت پر تنگ چشمی کی نظر نہ رکھے۔ ناخن حسد سے دل کو نہ خراشیدہ

(۱۱) حسد کے اسباب

حسد مذموم کے اسباب یہ ہیں اول عداوت۔ آدمی جو دوسرے آدمی کی نعمت کو بُرا جانتا ہے اُس کا سبب کبھی عداوت ہوتی ہے۔ دشمن کا بھلا کون چاہتا ہے دستور ہے کہ جب کوئی

شخص کسی کو ستاتا ہی یا اُس کے مطلب آرمی میں خلل انداز ہوتا ہے تو وہ اُس سے کینہ اور
بغض رکھتا ہی اور اُس پر غصہ آتا ہے اور اس سبب سے انتقام کے درپے ہوتا ہے - اگر کوئی
بلا اس شخص پر نازل ہو جاتی ہے تو یہ جانتا ہے کہ زمانہ نے انتقام اُس سے میرا لیا - خدا نے
میری دشمن کی ایسی صورت کو بغض کے مارے اپنی جہالت سے وہ اپنی کرامت جانتا ہے -
اور اگر دشمن کو کوئی نعمت مل جاتی ہے تو جانتا ہے کہ خدا کے ہاں میری شنوائی نہیں ہوئی
کہ جو ایذا مجھے پہنچاتا ہے اس کو اور نعمت زیادہ ملتی ہے - غرض بغض و عداوت کو حسد
لازم ہے - اور یہ کچھ برابر والے پر موقوف نہیں کمینہ آدمی بادشاہ سے حسد کرنے لگتا ہے
یعنی بغض کے سبب یہ چاہتا ہے کہ بادشاہ کی دولت جاتی رہے - انسان کو چاہیئے
کہ اس طرح کے حسد کو دل سے دور رکھے - بعض دفعہ اس کے سبب سے کشت و خون کی
نوبت آجاتی ہے یا نزاع کو طول ہو جاتا ہے - دوسرے کے زوال نعمت کی تدابیر میں
تضیع اوقات ہوتی ہے ہمیشہ اُس کی چغلی اور پردہ دری کے درپے رہنا پڑتا ہے - دوسرا
سبب حسد کا یہ ہوتا ہے کہ حاسد گویہ گمان کرتا ہے کہ اگر کوئی اپنا ہمسر بڑھ گیا
تو ہم کمتر معلوم ہونگے اور وہ اپنے کبر اور فخر کے سبب سے اُس کی برداشت نہیں کرتا - اُسکو
تعفر رکھتے ہیں مثلاً کوئی برابر والا - دولت حکومت - علم میں بڑھ جائے تو حاسد کو خوف
ہوتا ہے کہ کہیں اس بات سے مجھ پر فخر و تکبر نہ کرنے لگے تو اُس کو دوسرے شخص کی برداشت
نہیں ہوتی اُس کی حسد کرنے لگتا ہے - تیسرا سبب تکبر ہوتا ہی کہ دوسرے کو آدمی حقیر
و ذلیل سمجھتا ہے اور متوقع اس سے خدمت اور اطاعت کا رہتا ہے جب اُس کو اتفاقاً نعمتیں
ملتی ہیں تو حاسد کو خوف ہوتا ہی کہ وہ کہیں میری برابری کا دم بھرے تو ہماری شیخی کرکری
ہوگی اس کو تکبر کہتے ہیں - چوتھا سبب تعجب ہوتا ہے آدمی اپنے ہمسر یا اپنے سے کمتر کو
دیکھتا ہے کہ کوئی بڑا عہدہ یا کوئی اور بڑی نعمت مل گئی جس سے وہ مجھ سے بہتر اور افضل
ہوگیا تو حاسد کو تعجب ہوتا ہے کہ مجھ سے یہ رتبہ بڑھ گیا - پانچواں سبب خوف اپنے مقصود

فوت ہونے کا یعنی دوسرے کی نعمت کے سبب اپنا مطلب جاتا رہیگا وہ نعمت کے سبب حاسد کی غرض
پوری نہ ہونے دیگا۔ یہ حسد اکثر وہاں ہوتی ہیں جب ایک مقصد کے حاصل کرنے کے دو مدعی
ہوتے ہیں پس جب کسی ایک کو ان دونوں میں سے مقصد حاصل ہوجاتا ہے تو دوسرے کو خواہ
اُسپر حسد ہوتا ہے کہ وہ کیوں اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ اس قسم کی حسد دو سوکنوں میں
ہوتی ہے کہ بسبب زوجیت کی ہر ایک مدعی ہوتی ہے اور دو بھائیوں میں بھی ہوتی ہے کہ ہر ایک کو ماں باپ کے دل میں
جگہ کرنی منظور ہوتی ہے کہ جس سے وہ زیادہ مہربان ہوں ایسی ہی ایک استاد کے شاگردوں میں پادشاہی کے
خواص اور مصاحبوں میں یا وزرائے شاہ سے دولت جاہ کے حاصل کرنے میں۔ چھٹا سبب ریاست وجاہ کی
محبت ہوتی ہے یعنی اس بات کو چاہنا کہ جیسا ہمکو کوئی فن آتا ہے ایسا دوسرے کو نہ آئے۔ ہماری تعریف
یہ ہوا کرے کہ اپنے فن میں یکتا، روزگار اور کامل زمانہ ہیں۔ آج کوئی ہمارا مقابل نہیں تو
ایسے لوگ جب دوسرے کو اپنا نظیر سنتے ہیں تو اُن کو برا معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ چاہتے
ہیں کہ کیا تو وہ مرجائے یا اُس کے پاس سے فن نہ رہے جسکے سبب سے وہ ہمارا نظیر و سہیم
سمجھا جاتا ہے۔ یہ فن کوئی سا ہو خواہ شجاعت ہو یا علم یا عبادت یا پیشہ یا جمال یا ثروت
وغیرہ غرض اپنے آپ کو فرد جاننے کی سبب سے جو خوشی ہوتی ہے اُسکی محبت سے یہ حسد واقع
ہوتی ہے۔ ہمچو من دیگرے نیست۔ کا خبط ایسا سماتا ہے کہ جسسے حسد کا رنج اُٹھانا پڑتا ہے
آج کل یہ مسلمانوں میں حسد کا بڑا سبب ہے۔ ساتواں سبب صرف بخل اور خبث نفس ہو
اور کوئی اور سبب نہو کہ بعض آدمیوں کی سرشت ایسی ہوتی ہے کہ اُن کو اللہ تعالی کی نعمت
اُس کے بندوں پر بُری معلوم ہوتی ہے۔ اُنکو اپنا تعزز و تکبر حسد سے مقصود نہیں ہوتا بلکہ اُن کی
طبیعت ہی ایسی ہوتی ہے کہ جب وہ دیکھتے بھالتے ہیں کہ خدا تعالی کا فضل کسی کے حال پر ہوا
تو یہ امر اُن کو شاق گذرتا ہے اور جب کسی کی پریشانی اور بدبختی اور ناکامیابی اور عیش کے
تلخ ہونے کا بیان کیا جاتا ہے تو خوش ہوتے ہیں وہ ہمیشہ بندگان خدا کی بدبختی کے
خواہان رہتے ہیں اور اُن کی آسودہ حالی سے جلتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو شحیح کہتے ہیں

بخیل سے بدتر ہوتے ہیں بخیل تو اُسے کہتے ہیں کہ اپنا مال کسی کو نہ دے۔ اور شحیح اس کو کہتے ہیں کہ دوسرے کے مال میں بخل کرے۔ غرض وہ رذالت اور خبث نفس کے سبب سے اس حسد کی بلا میں مبتلا ہوتے ہیں۔ نیش عقرب نہ از پئے کین است مقتضائے طبیعتش اینست اس قسم کی حسد کا علاج نہایت سخت ہے۔ اور اسباب حسد تو عارضی ہیں ان میں یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر سبب جاتا رہے گا تو حسد بھی جاتی رہے گی اور یہ تو سرشتی خباثت ہے اس سے نکلنا نہایت دشوار کیا بلکہ محال ہے۔ یہ سات سبب حسد کے ہوتے ہیں ان میں سے بعض یا اکثر جب ایک شخص میں جمع ہو جاتے ہیں تو حاسد کی حسد کا بڑا زور ہو جاتا ہے اور وہ اس کو چھپا نہیں سکتا نہ کسی سے بمروت پیش آتا ہے بلکہ ملت و محبت کو بالائے طاق رکھ کر علانیہ عداوت کرتا ہے۔ فی زماننا جو حسد پائی جاتی ہے اکثر ہیں ان اسباب میں بہت اکٹھے ہوتے ہیں ایک سبب تنہا نہیں ہوتا۔

(۱۳) اہل علم کو مال و جاہ کی محبت کے سبب سے حسد پیدا ہوتی ہے سو وہ ہمیشہ آپس میں ایک دوسرے کے قول کو رد کر کے دوسرے کی ہتک عزت و حرمت کرتے ہیں حسن سیرت کے یوسف کے ساتھ برادرانہ سلوک کرتے ہیں ایک دوسرے کے نخل اعتبار کو ناہمواری درخرہ وہ گیری کی آری سے کاٹتے ہیں اپنے اعتبار کے نخل کو اوروں کے آب خجالت سے بڑھاتے ہیں آئینہ کی طرح ایک دوسرے کے احوال کو عیب بینی کی آنکھ سے دیکھتے ہیں ایک دوسرے کے نوشتوں پر بقصد ابطال و تضیع خط بطلان کھینچتے ہیں اپنے اوراق کو پر لگا کر ایک دوسرے کی طرف اڑاتے ہیں۔ ان کا عصا قلم ایک دوسرے کے عیب دیکھنے کے لئے اور نفی کرنے کے واسطے اپنا اثبات منحصر کرتا ہے۔ ہر ایک دوسرے کے ساکت کرنے کو اپنے نطق کی حجت قاطع جانتا ہے ؎

عیب ہم را ہمہ چشمند و زبان چوں مقراض روز و شب ہم دم یکدیگر اند در پرخاشند

جو لوگ یہ صفت رکھتے ہیں وہ بحکم حدیث الحسد یذیب الجسد گاہ و بیگاہ غصہ عمر کاہ کی آگ میں جلتے ہیں بمقتضائے الحسود لا یسود بر خلاف مقصود ہمیشہ پستی کے گڑھے میں گر کے

اہل روزگار کی نظر میں بے اعتبار ہوتے ہیں۔ سب خواص و عوام کو چاہیے کہ اپنے گوہر دل کو اس کدورت بے حاصل کی آلائش سے پاک رکھیں اور اس صفت دل خراش کے خار بن کو سینہ سے اکھیڑیں۔ صفائی سینہ کے چشمہ سے زلال خوشحالی پئیں ایک دوسرے کی عیب پوشی سے خلعت کرامت پہنیں ناخن حسد سے ایک دوسرے کے چہرہ حرمت کو نہ خراش دیں آپس میں ایک دوسرے کے جمال و کمال کو مدح و ثنا کے موتیوں سے آرائش دیں۔ آئینہ خاطر کو آپس میں آمد و رفت مستفادہ سے صیقل دیں۔ ہمیشہ ایک دوسرے کی تقصیرات کے واسطے عذر دل پذیر کریں ایک دوسرے کی ناپاکی کو آب توجیہات سے دھوئیں

(۱۴۳) ہمسروں و برابر والوں اور بھائیوں یگانوں میں زیادہ حسد ہوتا ہے

اس کا سبب یہ ہے کہ جو اسباب ہم نے اوپر بیان کیے ہیں اُن کی زیادتی جن لوگوں میں ہوگی انھیں کی حسد بھی قوی ہوگی۔ اور جب ان اسباب میں سے کئی کئی ایک شخص میں جمع ہو جائیں یعنی ایک ہی شخص تعزز کے باعث اور وہی تکبر اور عداوت کے سبب سے حسد کرے تو اور بھی حسد کو افزائش ہوگی اور یہ سب اُن لوگوں میں زیادہ ہوتے ہیں جن میں بہت سے روابط اور علاقے ہوں کہ اُن کے باعث مجلسوں میں بیٹھ کر آپس میں گفتگو کرتے ہیں اور اپنی اپنی غرضیں بیان کرتے ہیں اُس وقت اگر کوئی شخص اُن میں سے کسی مطلب کے خلاف کہتا ہے تو غرض مند اُس سے متنفر ہو کر بغض و کینہ دل میں رکھتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ کسی طرح اس کا بدلہ لوں اور جیسے اس نے میری مطلب برآری میں پاؤں اڑا دیا ہے میں بھی اُس کے کام میں اڑنگا لگاؤں۔ پھر جہاں ایک سبب حسد پیدا ہوا اور سب اسباب ایک دوسرے کے پیچھے جمع ہوتے چلے جاتے ہیں بہر حال حسد پاس کے بیٹھنے اور غرض کی باتیں کرنے سے پیدا ہوتا ہے اس لحاظ سے اگر ایک شخص کسی شہر میں رہتا ہو اور دوسرا کسی اور شہر میں ان میں حسد نہیں ہوتی بلکہ اگر دور دور محلوں میں رہتے ہوں تو بھی حسد نہیں ہوتی۔ البتہ جب ایک مجلس میں یا مدرسہ میں یا مسجد میں یا بازار میں جمع ہوں اور

ایک ہی مطلب کے مدعی ہوں تو حسد پیدا ہوتی ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اس واسطے عالم
شخص عالم کی حسد کرتا ہے۔ عابد کی نہیں کرتا سوداگر دوسرے سوداگر سے حسد کرتا ہے۔
موچی موچی سے حسد رکھتا ہے بزاز سے نہیں رکھتا وجہ یہی ہے کہ دونو ہم پیشہ ہیں اور اسی
وجہ سے برادری میں بہ نسبت غیروں کے آپسمیں زیادہ حسد ہوتا ہے۔ دونو سوکنیں آپسمیں
بہ نسبت ساس نندوں کے زیادہ آپسمیں حاسد ہوتی ہیں۔ غرض جہاں کہیں دو شخصوں
کا مطلوب واحد ہوگا اور اُن میں اجتماع و نشست و برخاست باہم گرو اقع ہوگی وہاں حسد
زیادہ ہوگی مثلاً فرض کرو کہ ایک بزاز کپڑے کی دکان کرتا ہے تو خریداروں کی کثرت
چاہے گا جسمیں کچھ فائدہ ہو تو جو شخص اس مطلب میں حریف ہوگا اُسی کے ساتھ حسد
کریگا دوسرے سے کیا مطلب ہے۔ اب اگر حریف کی دکان پاس ہے تو دور کے بزازوں
کی نسبت وہ اس سے زیادہ حسد کریگا۔ اسی طرح ایک بہادر آدمی دوسرے بہادر سے
حسد کرتا ہے عالم سے نہیں کرتا کیونکہ پہلوان اور بہادر کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جراءت
و شجاعت میں یکتا و زمان مشہور ہو اور یہ صفت دوسرے میں نہ پائی جائے پس اس صفت
میں جو اس کا سہیم و مزاحم ہوگا اس کی حسد کرے گا۔ عالم شخص عالم کی حسد کرتا ہے
اور اُن میں بھی واعظ آدمی واعظ کی حسد زیادہ کرتا ہے فقیہ اور طبیب کی اتنی نہیں کرتا
بہرحال بنا ء حسد دشمنی ہوتی ہے اور دشمنی کی اصل ایک مقصود میں شریک ہوتا ہے اور
شرکت مقصود دور کے شخصوں میں معلوم نہیں ہوتی پاس والوں میں پھوٹ ڈالتی ہے
اسی واسطے پاس والوں میں حسد زیادہ ہوتی ہے لیکن اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ جسکو
تمام جہان میں شہرت اور آوازہ منظور ہو وہ البتہ دنیا میں جہاں کہیں بنا مقصود سنیگا
اس کی حسد کرے گا۔ غرض کہ جتنے اسباب حسد ہیں سب کا منشا اگر بہ نظر غور دیکھا جائے
تو محبت دنیا ہے اسلئے کہ دنیا ہی کی چیزیں ایسی ہیں کہ سہیموں اور شریکوں کو وافی
نہیں ہوتیں اگر ایک کے پاس گئیں تو دوسرا ہاتھ خالی رہ جاتا ہے مگر آخرت کی چیزوں

میں تنگی نہیں ان میں بہت گنجائش ہے +

(۱۴۱) حسد کے مرض کی دوا

جاننا چاہیے کہ حسد دل کے بڑے مرضوں میں سے ہے اور امراض دلی کا علاج علم و عمل سے ہوا کرتا ہے حسد کی بیمار کو جو علم مفید ہے وہ یہ ہے کہ اس بات کو یقیناً آدمی جان لے کہ دنیا اور آخرت میں حسد سراسر اس کو مضر ہے اور جس سے حسد کرتا ہے اس کا دین اور دنیا میں کچھ بھی ضرر نہیں بلکہ فائدہ ہی فائدہ ہے جب یہ بات اچھی طرح جان لے گا اور اپنے نفس کا دشمن اور دشمن کا خیر خواہ نہ ہوگا تو بالضرور حسد چھوڑ دے گا حسد کے باعث جو حاسد کو دین میں ضرر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حسد کے سبب وہ حکم خدا سے راضی نہیں ہوتا اور جس نعمت کو اس نے اپنے بندوں پر تقسیم فرمایا ہے اور اپنے عدل و حکمت سے کارخانے جاری کیے ہیں۔ اُن کو بُرا جانتا ہے پس اس سے بڑھ کر دین میں کونسا گناہ ہوگا کہ خدا کی تقدیر پر راضی نہ ہو۔ یہ خباثت حسد آدمیوں کی نیکیوں کو ایسا کھا جاتی ہیں جیسے آگ لکڑیوں کو اور ایسا نشان ان کا مٹا دیتی ہے جیسے کہ رات دن کا۔ اور دنیا میں حاسد کا ضرر یہ ہے کہ ہمیشہ رنج و عذاب و غم و الم میں مبتلا رہتا ہے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دشمنوں کو نعمتیں دیتا رہتا ہے اور وہ جلتا رہتا ہے۔ حاسد کی تمنا تو یہ ہوتی ہے کہ دشمنوں کو رنج پہونچے مگر خود دم نقد وہ خود رنج و غم میں پھنس جاتا ہے۔ آدمی جس شخص کی حسد کرتا ہے اس کو دین و دنیا میں حسد کے باعث ضرر نہ پہنچنا صاف ظاہر ہے اس لئے کہ حسد کے باعث اس کی نعمت دور نہیں ہوتی بلکہ جو کچھ خدا تعالیٰ نے کسی کے لئے اقبال و نعمت مقدر کیا ہے وہ وقت مقررہ تک بیشک رہے گا پس حاسد ناحق اپنے تئیں رنج دیتا ہے اور حاصل حصول کچھ بھی نہیں۔ اگر حاسد کو یہ یقین ہو کہ میرے حسد کے سبب سے محسود کا زوال نعمت ہوگیا تو اس کو خود اندیشہ کرنا چاہیے کہ اس طرح اس کے حاسدین حسد کے سبب سے اس کا بھی زوال نعمت ہو جائیگا۔ اگر یہ سلسلہ جاری رہے تو تمام دنیا

سوا زوال نعمت کچھ اور نہ رہے گا۔ کوئی رنج و دکھ حسد کے رنج سے بڑھ کر نہیں دشمنوں کی
غایت تمنا یہ ہوتی ہے کہ اپنے آپ چین کریں اور اُن کے حاسد حسرت و غم میں مبتلا رہیں پس
حاسدوں کی یہ تمنا پوری کرتا ہے کہ وہ عیش کرتے ہیں اور یہ رنج کرتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ
دشمن اپنے حاسد کی موت نہیں چاہتا۔ بلکہ یہ چاہتا ہے کہ حاسد کی عمر زیادہ ہو تا کہ حسد کی
آگ میں وہ مدام جلتا رہے۔ وہ اپنی نعمت کی خوشی اتنی نہیں کرتا جتنی حاسد کے رنج کی خوشی
اگر حاسد اس بات پر غور کرے تو جان لے کہ میں قطعی اپنے نفس کا دشمن ہوں اور دشمن کا
خیر خواہ۔ اب عملی علاج یہ ہے کہ جس کام کو حسد مقتضی ہو اس کے خلاف عمل کرے خواہ قول
ہو یا فعل مثلاً اگر حسد اس بات کو چاہے کہ محسود کی برائی بیان کی جائے تو اپنی زبان سے
بزور اس کی مدح و ثنا کرے۔ اور اگر حسد کے مارے تکبر کو جی چاہے تو بہ تکلف اس سے بہ تواضع
اور عذر پیش آوے اور حسد مقتضی اس کی نہ دینے کی ہو تو جتنا پہلے دیتا تھا اس سے زیادہ
دینے کی عادت کرے۔ جب یہ باتیں کوشش اور اجتہاد سے کرے گا اور محسود کو معلوم ہو جاویگا
تو وہ راضی ہو جاوے گا اور محبت کرنے لگے گا اور جب اس کی طرف سے محبت ہوگی تو حاسد
کو بھی خواہ نخواہ محبت پیدا ہوگی اور آپس کے اتفاق سے مادہ حسد کا منقطع ہو جائے گا
اس لئے کہ مدح و ثنا اور نعمت پر اظہار سرور سے ہی نعمت والے کا دل کھنچ آتا ہے اور غلام
بن جاتا ہے۔ اور یہ مہربانی پیش آتا ہے اور اس کے عوض میں سلوک کرنا چاہتا ہے۔ اور
جب اس کی طرف سے سلوک ہوتا ہے تو دوسری طرف سے بھی الانسان بندہ احسان کا مضمون
پیش ہو کر جو باتیں بہ تکلف سرزد ہوتی تھیں اب طبعاً ہونے لگتی ہیں۔ خوش معاملگی ایسی چیز ہے
کہ خواہ وہ طبعاً ہو یا تکلفاً طرفین کی عداوت کو فرد کر دیتی ہے اور حسد کے دانت کھٹے ہو جاتے
ہیں دل محبت و الفت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ یہ حسد کا علاج ہے مگر نہایت تلخ۔ ؎
دارو ہے تلخ است دفع مرض خود مشہور ہے۔ پس جو شخص تلخی دوا پر صبر نہ کرے گا وہ شیرینی شفا
بھی نہیں چکھے گا۔ حسد تھوڑا بہت سب آدمیوں میں ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جو شخص ہم کو ایذا

اور تکلیف پہنچاتا ہے طبعاً اُس پر غصہ آتا ہے اور ہم اُس کو بُرا جانتے ہیں اور یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم اُس کی نیک حالی بدحالی کو یکساں جانیں اور اُس کو جب کوئی نعمت ملے تو ہم کو بُرا نہ معلوم ہو۔ مگر دل میں بُرا معلوم ہونا ایک اور بات ہے اور اُس کا اظہار اختیاری قول و فعل میں اور بات ہے۔ حسد وہی بری ہے کہ ہم کسی کے ساتھ اپنے اختیاری قول و فعل ظاہر کریں۔ فقط دل میں بُرا جاننا جو طبعاً ہے وہ ایک امر مجبوری ہے اور وہ مذموم بھی نہیں۔ مذموم بات تو یہ ہے کہ ہم اپنے اختیاری قول اور فعل سے محسود کی بُرائی کرنے لگیں۔

(۱۵) حاسد کی حالت

جو حسد کسی کو تجھ پر ہو تو ہے یہ تیری خوبی کہ جو تو نہ خوب ہوتا تو وہ کیوں حسود ہوتا

حاسد بدبخت بے مرض کے ہمیشہ رنجور رہتا ہے اور بغیر مصیبت کے سدا ماتم میں شور کرتا ہے جب کوئی دوستوں کا حلقہ جمعیت دیکھتا ہے اُس کو اژدہا جانتا ہے کہ وہ دل کو کھائے جاتا ہے۔ جب وہ دوستوں میں محبت دیکھتا ہے تو اُس کو اپنے رشتہ زندگانی کی مقراض سمجھتا ہے وہ اپنے اندیشہائے دوربیں موج سراب کی طرح خشک لب رہتا ہے اور اس خوئے زشت کا شعلہ اُس کو شمع کی طرح شب بھر جلاتا ہے۔ حاسد کو دنیا کی نعمتوں کی لذت اوروں سے کم ملتی ہے کیونکہ اُس کی طبع زشت کا مذاق زہر حسد سے ہمیشہ متغیر ہوتا رہتا ہے۔ ارسطو سے پوچھا کہ حاسد کا کیا حال ہے تو اُس نے کہا کہ سب سے زیادہ غم اُس کو اس سبب سے ہوتا ہے کہ جیسے اور خلائق غم کھاتی ہے وہ بھی غم کھاتا ہے اور جسقدر اور آدمیوں کو شادمانی ہوتی ہے اُتنا ہی اُس کو رنج اور زیادہ ہوتا ہے۔ غرض اپنے رنج و الم کے سوا اوروں کی شادی کا غم اُس کے پیچھے اور زیادہ ہوتا ہے۔ خدا سے یہ دعا مانگنا کہ ہمارے حاسد بہت سے ہوں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ خدا ہم میں بہت سی خوبیاں پیدا کرے۔

۱۶ کبر کا بیان

کبر دو قسم کا ہوتا ہے ایک ظاہری ایک باطنی۔ کبر باطن تو نفس کی عادت کا نام ہے

اور کبر ظاہر اعمال ہیں جو اعضا سے سرزد ہوں۔ واقع میں عادت باطنی ہی کا نام کبر ہے اور
ہے اعمال تو اس عادت کے ثمرات ہیں اور وہ عادت موجب اعمال کی ہوتی ہے اسی واسطے
جب اعضا پر اُس کے آثار ظاہر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں تکبر کیا اور جب تک ظاہر نہیں ہوتے
تب تک کہا جاتا ہے کہ اُس کے نفس میں کبر ہے غرض اصل کبر نفس اخلاق میں سے ایک
خلق کا نام ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ نفس اپنے آپ کو دوسرے پر فائق دیکھ کر راحت پائے۔
کبر کے لئے کئی چیزیں چاہئیں اول تکبر کرنے والا دوم جس پر تکبر کرتا ہے سوم جس چیز سے
تکبر کرتا ہے۔ تکبر میں یہ ضرور ہے کہ اپنے نفس کا مرتبہ سمجھے اور ایک غیر کے نفس کا پھر اپنے مرتبہ
کو غیر کے مرتبہ سے بہتر جانے جب یہ تین باتیں اعتقاد میں ہونگی تب کبر پیدا ہوگا۔ صرف اپنے
مرتبہ سمجھنے کا نام کبر نہیں۔ بلکہ اس سمجھنے اور عقیدہ سے دل میں سامان اور حرکت اور خوشی اور
میل اپنے عقیدہ کی طرف پیدا ہوتا ہے اور اس سبب سے نفس میں ایک عزت اور عظمت آتی ہے
اس عزت اور عظمت و حرکت و میلان کو خلق کبر کہتے ہیں۔ پھر یہ عظمت اعمال ظاہری اور باطنی
کا سبب ہوتی ہے۔ جو اُس کے ثمرات کہلاتے ہیں۔ اور اُن کو تکبر کہتے ہیں۔ جب آدمی کے نزدیک
اپنا رتبہ دوسرے کی نسبت بڑا ٹھیرا تو اپنے سے کمتر کو حقیر جانے گا۔ اُس کا ساتھ کھانا پینا
برابر بیٹھنا ناگوار گذرے گا۔ یہ چاہے گا کہ وہ مجھے سلام کرے۔ مجھ سے آگے نہ چلے۔ اگر
کچھ بحث و مناظرہ کرے تو میں جواب دوں غرض سارے کاموں میں اُس کی برابری نہیں
چاہے گا۔ اپنی برتری چاہے گا۔ کبر والے کو اگر کوئی نصیحت کرتا ہے وہ نہیں سنتا ہے
اور اگر خود نصیحت دوسروں کو کرے تو نہایت تند مزاجی سے۔ اگر کوئی اُس کی بات کا انکار
کرے تو غصہ ہو جائے۔ اور کسی کو تعلیم کرے تو سیکھنے والے پر نرمی نہ برتے بلکہ شاگرد کو
ذلیل و خوار سمجھے۔ اُس پر احسان جتا دے۔ اور اُس سے کام خدمت لے۔ اور عوام کو جاہل اور
حقیر تصور کرے۔ اور گدھا سمجھے غرض جو کبر سے افعال سرزد ہوتے ہیں وہ روزمرہ دیکھنے میں
آتے ہیں خواص و عوام سب اُن کو جانتے ہیں کہ متکبر آدمی میں تواضع نہیں ہوتی۔ وہ کینہ و

حسد ترک نہیں کرسکتا۔ صدق و راستی پر اُس کو مداومت نہیں ہوسکتی غضب و غصہ کے پینے
پر قادر نہیں ہوسکتا۔ خلاصہ یہ ہو کہ کوئی بُری عادت نہیں جو کبر و عزت والا اپنی عزت کے
بچاؤ کے لئے اُس کی طرف مضطر نہ ہو اور کوئی عمدہ عادت ایسی نہیں جس کو متکبر بخوف اپنی
عزت جانے کے چھوڑ نہ دے۔ تکبر کی سب سے بری قسم وہ ہے جو علم سے استفادہ نہ کرنے دے
اور امر حق کو نہ ماننے دے اور نہ اُس کا انقیاد ہونے دے متکبر امر حق سے غافل ہوتا ہے
اور لوگوں کے عیب بیان کرتا ہے تکبر وہ عیب انسان میں ہے کہ جس کے سبب اُس نے خدا کی
برابری کا دعویٰ کیا پیغمبروں اور ولیوں اور بادشاہوں سے اپنے تئیں برتر جانا
اس سے زیادہ کیا کوئی اور بُرائی ہوگی ؞

(۱۷) جن چیزوں کا تکبر ہوتا ہے

تکبر وہی شخص کیا کرتا ہے جو اپنے نفس کو بڑا سمجھے اور نفس کو بڑا وہ آدمی سمجھتا ہے جو یہ جانے
کہ اس میں کوئی صفت صفات کمال سے ہے اور کمال یا دینی ہوتا ہے یا دنیوی دینی
کی دو قسمیں علم اور عمل اور دنیاوی کمال پانچ ہیں۔ نسب۔ جمال۔ قوت۔ مال۔ کثرت
احباب تو یہ سب سات ہوئے۔ اب ہر ایک کا جدا حال بیان کیا جاتا ہے ؞

(۱۸) تکبر علم

علما کو بہت جلد تکبر ہو جاتا ہے۔ عالم علم کی جہت سے متعزز رہتا ہے۔ اور اپنے جی میں
جمال و کمال علم سے واقف ہو کر اپنے تئیں بڑا فاضل اور لوگوں کو حقیر و جاہل جانتا ہے
اور اُن کی طرف ایسا دیکھتا ہے جیسا کہ چارپایوں کی طرف کوئی دیکھتا ہے۔ اور اُس بات کا
متوقع ہوتا ہے کہ مجھے پہلے سلام کریں۔ اور اگر اتفاقاً کسی کو آپ سلام کرلیا یا خوشی سے
کسی کے سلام کا جواب دیدیا یا تعظیم کو اٹھ کھڑا ہوا یا دعوت منظور کرلی تو اُس شخص پر
ان باتوں کا احسان چاہتا ہے اور اپنا شکر گزار ہونا اُس پر لازم سمجھتا ہے اور اعتقاد
کرتا ہے کہ میں نے اس کو سرافراز کیا اور ایسا کام کیا جس کا وہ مستحق نہ تھا مجھ جیسے شخص سے نہ تھا

اس احسان کے عوض میری توقیر و خدمت ضرور ہے۔ بلکہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ لوگ عالم کے ساتھ
سلوک کرتے ہیں اور وہ خود کسی کے ساتھ سلوک نہیں کرتا۔ اُس کے پاس سب آتے ہیں وہ
کسی کے پاس نہیں جاتا۔ اُس کی عیادت سب کرتے ہیں وہ کسی کی بیمار پرسی نہیں کرتا۔ اگر کوئی
اُس سے زیادہ خلا ملا رکھتا ہے تو اُس سے اپنا کاروبار کراتا ہے۔ اگر اُس سے خدمت میں قصور
ہو جاتا ہے تو بُرا جانتا ہے۔ گویا سب اُس کے مزدور اور غلام ہیں اور لوگوں کو سکھانا پڑھانا ایک
احسان و سلوک ہے جس سے اُس کا حق اُنپر ہو گیا۔ یہ حال تو دنیا کے کاروبار میں ہے۔ اور
دین کے باب میں اُس کو یہ تکبر ہوتا ہے کہ وہ اپنے نفس کو خدا کے نزدیک جانتا ہے اور
لوگوں کی بہ نسبت اعلیٰ اور افضل سمجھتا ہے اور اپنے واسطے نجات کی توقع بہ نسبت اور
لوگوں کے زیادہ کرتا ہے۔ ایسے عالم کو جاہل گننا چاہئے اسلئے کہ وہ علم جس سے آدمی خدا کو اور
اپنے نفس کو پہچانے وہ نہیں جانتا علم کا نتیجہ تو یہ ہے کہ آدمی میں تواضع ہو اور
اور سب آدمیوں کو اپنے سے بہتر جانے۔ علم وہی ہے جس سے بندگی اور ربوبیت اور
عبادت کا طریق معلوم ہو اور اُس سے تواضع اکثر پیدا ہو جس شخص کا اخلاق علم سے اچھا نہ ہو اُسے یہہ
جاننا چاہئے کہ جب اُس نے علم شروع کیا اُس کا باطن اچھا نہ تھا۔ نفس نکما اور اخلاق بد
اُس کے ساتھ تھے تہذیب و تزکیہ اور تنزیہ نفس کی طرف وہ متوجہ نہیں ہوا اسلئے اُس کے
دل میں علم کو اچھی جگہہ نہیں ملی خبیث جگہہ میں علم رہا اسلئے اُس کا ثمرہ بھی اچھا نہ ہوا۔ نہ خیر میں
کچھ اثر اُس کا ظاہر ہوا۔ علم کا حال ایسا ہے جیسا کہ آسمان کے پانی کا کہ صاف اور
شیریں ہوتا ہے مگر درخت اُس کو اپنی رگوں اور نسوں میں جذب کر کے اپنا سا ذائقہ
اُس میں پیدا کر دیتے ہیں اُس سے تلخ درخت کی تلخی زیادہ ہو جاتی ہے اور شیریں درخت
کی شیرینی۔ یہی حال علم کا ہے کہ لوگ جو پڑھتے ہیں جیسی اُن کی ہمت اور خواہش ہوتی
ویسا ہی یہ علم اُن کے حق میں ہو جاتا ہے متکبر کا کبر بڑھ جاتا ہے اور متواضع کی تواضع
زیادہ ہوتی ہے۔ عالم اپنے علم کا تفاخر یوں ظاہر کیا کرتے ہیں کہ۔ میں ہر فن میں

ایک فنی ہوں حقائق سے آگاہ ہوں بڑے بڑے استادوں کو دیکھا ہے اور اُن کی تصنیفات
کو پڑھا ہے جس سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ اُن کو آتا کیا تھا۔ اگر کہیں مناظرہ ہوتا ہے
تو اُس میں بھی اپنی مباہات کی طرف خیال رکھتا ہے۔ اُس میں اپنی خوبیوں اور اوروں
کے عیوب ظاہر کرنے کا بڑا خیال ہوتا ہے +

(۱۹) اکثر جو نقود علم میں تو دولت ہوتے ہیں اُن میں یہ عجب و غرور کی عجیب خبیثہ صفت
پیدا ہو جاتی ہے جس سے وہ پختہ کاروں کی نظر میں خام اور کامل عیاروں کی نگاہ میں ناتمام معلوم ہوتے
ہیں آدمی سیرت اُن کو ابلیس سیرت جانتے ہیں اگرچہ علم و دانش کا گوہر نظر بینش میں نہایت قیمتی اور گرانبہا
ہے اور اپنے مالک کا شرافت بخش و کرامت افزا ہے لیکن اس گوہر علم کی قیمت وہ جب ہے کہ وہ عمل کے ساتھ ہو
اور اسکی فروتنی سے تزئین ہو اور الائش بےدینی سے پاک ہو۔ خودستائی خودفروشی کی دکان میں قفل خاموشی کا
خودبینی و خودپسندی کے آئینہ کو نفس کی سخت گیری کے سنگ نے توڑا ہو۔ تونگری کے ساتھ
درویش نہادی اور فقیر منشی ہو۔ باوجود مسند صدر نشینی کے قابلیت کے خاکساری کی تلاش ہو۔ آفتاب
کی طرح سب سروں کا تاج ہو اور سب کا پاے بوس بھی ہو۔ کبر و غرور کی خصلت اہل علم کے شعور اور
فہمید سے بعید ہے۔ خودپسندی کی صفت ناپسند ہے۔ غرض کمالات معنوی اور ملکات و اخلاق زکیہ و فنون
علوم عقلیہ اُس وقت سرمایۂ سعادت و اقبال ہوتے ہیں کہ عجب و غرور سے فاسد نہوں اور گندہ
دماغی کی آفت سے محفوظ ہوں

(۲۰) تکبر عبادت

زاہد عابد کبر اور نخوت اور لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے سے خالی نہیں ہوتے
ان سے دنیا و دین دونو میں کبر مترشح ہوتا ہے۔ دنیا میں تو اس طرح کہ دوسروں کا آنا اپنے
پاس ان کو اچھا معلوم ہوتا ہے بہ نسبت اپنے جانے کے غیروں کے پاس اور لوگوں سے
متوقع رہتے ہیں کہ ہماری حاجتیں پوری کریں اور توقیر کریں مجالس میں صدر جگہہ میں بٹھلائیں
اور ورع اور تقوی سے یاد کریں اور سب امور میں ہمکو مقدم جانیں گویا عبادت کیا کرتے ہیں خلق پر احسان کرتے ہیں

دین میں کبر انکا یہ ہے کہ اپنے نفس کو ناجی خیال کرتے ہیں اور لوگوں کو تباہ کار اور ہلاک شدہ۔ مگر ایسے
متکبر عابد سے جاہل متواضع اچھا ہے خدا تعالیٰ تو اپنے بندوں کے دل کے قصد کو دیکھتا ہے جو
گنہگار جاہل خدا سے ڈر کر تواضع کرتا ہے وہ خدا کا زیادہ مطیع ہے بہ نسبت عابد کے جو
متکبر ہے۔ بہت کم عابد ہیں جو تکبر سے خالی ہوتے ہیں۔ کمبل پوش فقیر بہ نسبت حریر پوش
امیر کے زیادہ غرور رکھتے ہیں گلیم پوش کے آگے حریر پوش فروتنی کرتا ہے اور افضل اُس کو
جانتا ہے اور گلیم پوش اپنے تئیں افضل سمجھتا ہے۔ عالموں اور عابدوں میں کبر کے
تین مراتب ہیں اوّل درجہ تو یہ ہے کہ دل میں کبر موجود ہے کہ اپنے نفس کو دوسرے سے
بہتر سمجھتا ہے مگر کوشش کر کے تواضع کرتا ہے اور ایسے افعال کرتا ہے جیسے وہ لوگ
کرتے ہیں جو دوسروں کو اپنی نسبت بہتر سمجھتے ہیں تو ایسے شخص کے دل میں کبر کا درخت تو
جما ہوا ہے مگر اُس نے اُس کی شاخیں بالکل کاٹ ڈالی ہیں۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ
افعال میں کبر کو ظاہر کرے مثلاً اونچا بیٹھے۔ ہمسروں سے آگے بڑھے۔ جو کوئی اُس کے
حق میں قصور کرے اُس کو بُرا جانے۔ کسی سے رُخ پھیرے۔ کسی سے ترش روئی کرے
کسی سے چین بجبیں ہو۔ مگر یہ نہیں سمجھے کہ علم و تقویٰ ترش رو سے پر چین بجبیں پر ہو وہ تو
دل میں ہے۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ دل کبر سے ایسا بھرا ہو کہ مفاخرت و مباہات تزکیہ نفس
اور اپنے احوال و مقامات کی بزرگی کا دعویٰ اور دوسروں پر علم و عمل میں غالب ہونے کا
بیان ہر وقت زبان پر ہو۔ اوروں کے بہت عیب بیان کر کے پھر اپنی تعریف
بیان کرے۔ عابد ہوتا ہے تو اور عابدوں کی عبادت کے عیوب بتاتا ہے اور اپنی عبادت کا
افضل ہونا ظاہر کرتا ہے۔ غرض اپنی بڑائی اور اوروں کی بُرائی سے کام ہے*

(۲) حسب و نسب کا تکبر

جس کسی شخص کا نسب شریف ہوتا ہے وہ ایسے شخص کو حقیر جانتا ہے جس کا نسب ویسا
نہ ہو اور شرافت علم و عمل کی وہ زیادہ اُس سے رکھتا ہو۔ بعض آدمی نسب کا وہ تکبر کرتے ہیں

گویا دوسروں کو اپنا غلام تصور کرتے ہیں اُن کے ملنے جُلنے پاس بیٹھنے سے نفرت کرتے ہیں اور اپنے نسب کا تفاخر اُن کی زبان پر ہوتا ہے۔ دوسروں سے کہتے ہیں کہ تو کیا اصل رکھتا ہے تیرا باپ کون تھا میں فلانے کا بیٹا فلانے کا پوتا ہوں تجھ جیسے کی کیا طاقت ہے کہ میرے سامنے بولے یا میری طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھے اور تو ہم جیسوں سے بولتا ہے یہ ایک ایسی چھپی آگ نفس میں ہے کہ نسب والے اُس سے خالی نہیں ہوتے۔ اگرچہ نیک بخت و عاقل لوگ اعتدال حال کے وقت تو وہ یہ امر ظاہر نہیں کرتے لیکن غلبۂ غضب میں نور عقل تاریک پڑ جاتا ہے۔ اُس وقت وہ بھی کچھ فرماتے ہیں ناقص آدمیوں کا قاعدہ ہے کہ وہ اپنے باپ دادا کی شرافت سے فضیلت اپنے فضلا پر جتلاتے ہیں جو تھوڑی فضیلت کہ کسی شخص کی ذات میں ہو وہ اُس بہت سی فضیلت سے اچھی ہوتی ہے جو غیر میں ہو۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ بنی نوع انسان کا باپ آدم اور ماں حوا ہے اس لحاظ سے ہم سب برابر اور سب ایک دوسرے کے برادر ہیں پس اصل و نسب پر افتخار کرنا اور اوروں کو دنائت نسب کے ساتھ منسوب کرنا اور زبان طعن و تعرض کی دراز کرنے کی کوئی وجہ نہیں ؎

نسب چہ سود دہد چون تو بے ہنر باشی ٭ نہ آب جوجہ برش تشنہائے چوبین را
چو فضلہ الیست کہ میر اندازِ غذائے لطیف ٭ کسے کہ فخر کند بر نسب بے ہنری

اپنے سینہ میں ہنر دکھا نسب و سرمایہ کو چھوڑ۔ پُرانے موتیوں میں آب و تاب تلاش کر۔ موتی جب پُرانا ہو جاتا ہے تو زرد ہو جاتا ہے۔ زندہ ہو کر مُردہ کو اپنے کمال کے لئے تلاش کر بلکہ خود مُردوں کا نام روشن کر۔ جو مُردہ کو زندہ کرتا ہے وہ سچا فخر ہے اور جو مُردہ کا دم بھرتا ہے وہ خر ہے۔ اے جان پدر مُردہ پر نہ لاف کر۔ تو کُتا نہیں ہے جو استخوان سے خوش ہو گا۔ گوہر دانش سے تاج بنا نہ استخوان بوسیدہ سے۔ عاج سے بہتر گوہر ہوتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نسب کی مذمت میں فرماتے ہیں کہ آدمی اپنے اعمال نیک کی اولاد ہیں اور ہر ایک انسان کی قیمت وہی چیز ہے جو اُس کو اچھا کر دے۔ بعض اکابر کا قول ہے کہ آدمی اپنی ذات سے

ہے نہ باپ سے ؎ دی شنیدم کہ احمقے می گفت پدر من وزیر خاں بودہ است
گرچہ معلوم من نبود ایں امر فرض کردم کہ ہمچناں بودہ است
ہیچ ذاتے کسے کہ گر خوردہ است بخیال اینکہ پشیناں بودہ است

(۲۲) تکبر جمال و مال

مال وجمال پر تکبر اکثر عورتوں کو ہوتا ہے جسکا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ دوسرے کے نقصان وعیب و غیبت زبان پر آتی ہے۔ **مال کا تکبر** بادشاہ اپنے خزانوں پر اور تاجر اپنے مال تجارت پر اور گاؤں والے اراضی پر۔ اور ارباب آرائش اپنے اسباب آسائش ولباس و سواری پر کیا کرتے ہیں جو غنی ہوتا ہے وہ فقیر پر تکبر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تو بھک منگا اور مسکین ہے میں چاہوں تو تجھ جیسے کو خرید لوں اور تجھ سے اچھوں اچھوں سے خدمت لوں اور تیری اصل کیا ہے میرے گھر کا سامان تیرے سارے مال سے بڑھ کر ہے۔ تو جتنا سال بھر میں کھاتا ہے اتنا میں ایک روز میں دے ڈالتا ہوں اس طرح باتیں اس سے کرتا ہے کہ تونگری کو بڑا اور مفلسی کو حقیر جانتا ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتا کہ تونگری میں کیا کیا آفتیں اور مفلسی میں کیا کیا فضیلتیں ہیں۔ یہ شعر یاد رکھو ؎

برمال وجمال خویش مغرور مشو کاں را بہ شبے برند وایں را بہ تبے

(۲۳) بعض خود فروشوں کا سرمایۂ فخر وناز حسن وجمال اور دلربائی خط وخال ہوتا ہے وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ چیز مستعار اور عارضی ہے اور نہایت بے اعتبار اور زود گسل گلشن جمال کی طراوت اور حسن صورت کی آب عہد شباب تک ہی۔ جہاں پیری کی خزاں آئی جوانی کی بہار گئی۔ تناسب اعضا کے ارکان کو رعشۂ پیری نے منہدم کیا اور صفائی بشرہ پر شکنجوں کا پردہ پڑا۔ رعونت قامت نخل خمیدہ ہوا۔ سفیدی مو نے جوش حسن کو خاک میں ملایا۔ اسوقت معلوم ہوتا ہے کہ سرخی چہرہ نقش برآب اور پیچش زلف و کاکل بے اصل تر موج سراب تھی۔ وہ اس قابل نہ تھی کہ اس پر اس قدر ناز و اعتبار اور افتخار

کوئی کرے۔ اب اس پر بھی زیادہ آفت جوانی کے لیے مرگ ہے کہ جو بدن کو خشک کرتا ہے اور قامت خراماں کو خاک کے حوالہ کرتا ہے۔ غرض معنی شناسوں کے بازاروں میں متاع حسن بہت کاسد و ناروا ہے۔ بلکہ سعادت دارین حسن صورت پر موقوف ہے وہ حسن سیرت ہے۔ خداوند تعالیٰ شکستگی دل پر نظر رکھتا ہے۔ درستی شکل و راستی قامت پر نہیں +

(۲۴) تکبر قوت و زور و کثرت تابعین و مددگاران

جو قوی بازو و تنومند توانائی اور زور کو سرمایہ مباہات جانتے ہیں وہ یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ یہ امر مستعار اور نہایت ناپائدار ہے۔ اُن کی بنا تندرستی اور جوانی پر ہے جو معرض زوال میں ہیں۔ ایک دو روز کی تپ میں زائل ہوتی ہے۔ اگر رستم بیمار ہو تو کروٹ بغیر دوسرے کی استعانت کے نہیں لے سکتا۔ پس زور و توانائی قابل فخر نہیں۔ بادشاہ کثرت لشکر پر۔ اور علما کثرت شاگردوں پر۔ پیر اپنے مریدوں کی کثرت پر غرض جب تابعین اور مددگار شاگرد غلام کنبے رشتے کے آدمی زیادہ ہو جاتے ہیں تو آدمی اُن پر بھی فخر کیا کرتا ہے۔ حاصل ان سب امور کا یہ ہے کہ جو نعمت کا کمال واقعی ہو یا تصور ہو سکے گو وہ واقع میں کمال نہ ہو اس سے تکبر کرنا ممکن ہے یہاں تک کہ مخنث بھی اپنے ہمسروں پر تکبر کرنے لگتا ہے کہ میں اس صنعت میں زیادہ ماہر ہوں۔ فاسق اپنے فسق و فجور ہی پر فخر کرتا ہے کیونکہ وہ اسی کو اپنا کمال جانتا ہے۔ گو یہ ان کی غلطی ہے +

(۲۵) تواضع و تکبر

تواضع و تکبر آپس میں متضاد ہیں جو حرکات و سکنات متکبر کرتے ہیں اُن کے خلاف متواضع کرتے ہیں متکبر چہرہ پھلاتے ہیں ناک بھوں چڑھاتے ہیں گفتگو میں آواز کو بناتے ہیں بعض کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ لوگ ہمارے سامنے کھڑے رہیں اگر بیٹھیں تو برابر نہ بیٹھیں جو کوئی ہمارے ساتھ چلے تو پیچھے چلے۔ کوئی بیمار ہو تو اس کی عیادت کو نہ جائیں اُس کو پاس نہ بٹھائیں اس کو ہاتھ نہ لگائیں اُس سے گھن کھائیں اپنے گھر کی کوئی چیز ہاتھ سے نہ اٹھائیں

باہر سے کوئی چیز خود اٹھا کر گھر میں لائیں۔ اصل ہیئت ظاہری کے بناؤ سنگار کا بڑا خیال رکھیں
متواضع ان سب کاموں کے برعکس خوگر ہوتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں اگر وہ ان کاموں کو کریں
اور خوش نہ ہوں تو متکلف کہلائینگے متواضع نہیں۔ اُن کو ساری حرکات و سکنات سے فروتنی
ظاہر ہوتی ہے۔ جو انسان اپنی ہستی اور خدا کو پہچانتا ہے وہ یہ خوب سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ
کی ذات کی ساتھ کبر مخصوص ہے مجھ مشت خاک ناپاک کو کبر زیبا نہیں۔ میر اسود احاہ و دولت
کا بادۂ نخوت کی مستی اور خود بینی اور بالا نشینی اور خود ستائی و خود پرستی جناب مالک الملک
کے رتبے سے مخالفت کرنی ہے۔ میں نہایت عاجز و ناتوان ہوں کوئی قدرت حسن۔ مال
دولت اور کوئی چیز ایسی نہیں کہ جس پر مجھے تکبر ہو۔ جو چیز میرے پاس ہے وہ آج ہی کل نہیں ہیگی
بزرگی کا دعویٰ کرنا اور اپنی اندازہ سے باہر قدم رکھنا حضرت آفریدگار کے ساتھ منازعت
و ہم چشمی ہے۔ جو بندگان خدا ہیں وہ تواضع کرتے ہیں اور جو خدا سے دور ہیں وہ غرور کرتے ہیں
یہ صفت زشت ایسی ناپسندیدہ ہے کہ جو اس طائفہ کا مقصود ہوتا ہے کہ ہم لوگوں کی نظروں
میں معزز و مکرم و مخدوم و مطاع معلوم ہوں وہ بھی نہیں حاصل ہوتا۔ بلکہ جو وہ مقدمات ترتیب
دیتے ہیں اُن کے نتیجے نقیض مدعا پیدا ہوتے ہیں +

(۲۴۳) شیوہ خاکساری حسن افعال کا آب و رنگ ہے۔ اور صفات کمال کی معراج بلندی سر
کا درۃ التاج۔ آدمیت کے چہرہ کا گلگونہ اور انسانیت کے چہرہ کا مرغولہ۔ پاکی گوہر کی نشانی اور
اصالت جوہر کی برہان۔ آتش عناد کی مسکن۔ سلسلۂ وداد کی محرک۔ کینوں کے گرد کی
جاروب سینوں کے آئینہ کی صیقل۔ بادشاہ و گدا دونوں کی جامۂ زیبندہ۔ اور کوچک و بزرگ دونوں
پہ پھبتی ہے۔ خاکساری دیدۂ دشمن میں خاک ڈالتی ہے۔ اور عاقبت کا دروازہ کھولتی ہے
متکبر نادان یہ گمان کرتا ہے کہ فروتنی اور خاکساری کا شیوہ باعث ذلت و خواری ہوتا ہے
یہ خیال اس کا غلط ہے اسی سے سربلندی اور سرافرازی بڑھتی ہے و رفعت و عزت و ارجمندی
ہوتی ہے۔ تواضع افگندگی کی صفت موجب سعادت و فرخندگی ہوتی ہے یہی شیوہ خجستہ

مرد کی قدر گھٹا اور زندگی کو بڑھاتا ہے۔

خواہی کہ بود بر سر خلقت مسکنے — اول باید خاک قدمہا گشتن

تا آب بپائے سرو نگذارو سر — کے بر سر شاخ میتوا ند رفتن

جیسا پانی میں ستارہ کا عکس پڑنا اُس کی پستی کا سبب نہیں ہوتا ایسا ہی بزرگوں کی فروتنی باعثِ کسرِ شان نہیں ہوتی جیسے دھوئیں کو بلند ہونیسے منزلت نہیں ہوتی ایسے ہی سفلوں کو گردن کشی کے دعوی سے مرتبہ نہیں حاصل ہوتا۔

(۲۷) عُجب

عُجب کے معنی یہ ہیں کہ آدمی اپنے حق میں ایک ظن کاذب کسی منزلت کے استحقاق کا کرلے جسکا وہ فی الواقع مستحق نہیں ہے۔ معجب کو یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ میں سعید ہوں اور اپنے مطلب کو پہنچ چکا اور تحصیل حاصل اور امر محال کو کوئی طلب نہیں کرتا۔ معجب الا اپنے تئیں جانتا ہے کہ کچھ عیب حاصل ہو گیا مجھے کچھ پروا نہیں وہ اپنے نفس میں اعتقاد رکھتا ہے کہ میں نیکوکار ہوں وہ اپنے گناہوں کو بھول جاتا ہے کبھی اُنکو یاد اور تلاش نہیں کرتا۔ اگر کوئی گناہ یاد آگیا تو اُس کو صغیرہ جانتا ہے۔ اُس کے تدارک میں کوشش نہیں کرتا۔ وہ اپنے نیک عمل کرنے کو خدا پر احسان کرنا جانتا ہے اور خدا کی نعمتوں کو بھول جاتا ہے۔ وہ اعمال پر عجب کرنے سے اُن کی آفات میں اندھا ہو جاتا ہے۔ وہ عذاب الٰہی سے اپنے تئیں مامون جانتا ہے خدا کے نزدیک اپنے تئیں صاحب رتبہ جانتا ہے۔ گویا خدا پر اُس کا حق اور احسان ہے۔ جب اپنی رائے اور عمل و عقل پر عجب ہوتا ہے تو استفادہ اور مشورہ لینے اور پوچھنے سے محروم رہتا ہے اپنی ہی رائے پر اصرار کرتا ہے۔ اپنے سے زیادہ عالم سے سوال کرنے کو ننگ و عار جانتا ہے اکثر اپنی رائے خطا ہی پر عجب کر کے اسوجہ خوش ہوتا ہے کہ یہ بات مجھ کو سوجھی اگر دوسرے کو سوجھتی تو خوش نہ ہوتا۔ اسی وجہ سے اس پر اصرار کرتا ہے اور کسی ناصح اور واعظ کی بات نہیں سنتا بلکہ اوروں کو جاہل کی طرح دیکھتا ہے اور اپنی خطاؤں پر مصر ہوتا ہے۔ اگر یہ آمر

باہر سے کوئی چیز خود اٹھا کر گھر میں لائیں۔ صل ہیئت ظاہری کے بناؤ سنگار کا بڑا خیال رکھیں
متواضع ان سب کاموں کے برعکس خوگر ہوتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں اگر وہ ان کاموں کو کریں
اور خوش نہ ہوں تو متکلف کہلائیں گے متواضع نہیں۔ اُن کو ساری حرکات و سکنات سے فروتنی
ظاہر ہوتی ہے۔ جو انسان اپنی ہستی اور خدا کو پہچانتا ہے وہ یہ خوب سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ
کی ذات کی ساتھ کبر مخصوص ہے مجھ مشت خاک ناپاک کو کبر زیبا نہیں۔ سیر اسود احاہ و دولت
کا بادہ نخوت کی مستی اور خود بینی اور بالانشینی اور خودستائی و خود پرستی جناب مالک الملک
کے رتبے سے مخالفت کرنی ہے۔ میں نہایت عاجز و ناتوان ہوں کوئی قدرت حُسن۔ مال
دولت اور کوئی چیز ایسی نہیں کہ جس پر مجھے تکبر ہو۔ جو چیز میرے پاس ہے وہ آج ہی کل نہیں۔ اپنی
بزرگی کا دعویٰ کرنا اور اپنی اندازہ سے باہر قدم رکھنا حضرت آفریدگار کے ساتھ منازعت
و ہمچشمی ہے۔ جو بندگان خدا ہیں وہ تواضع کرتے ہیں اور جو خدا سے دور ہیں وہ غرور کرتے ہیں
یہ صفت زشت ایسی ناپسندیدہ ہے کہ جو اس طائفہ کا مقصود ہوتا ہے کہ ہم لوگوں کی نظروں
میں معزز و مکرم و مخدوم و مطاع معلوم ہوں وہ بھی نہیں حاصل ہوتا۔ بلکہ جو وہ مقدمات ترتیب
دیتے ہیں اُن کے نتیجے نقیض مدعا پیدا ہوتے ہیں +

(۳۶) شیوہ خاکساری حسن افعال کا آب و رنگ ہے۔ اور صفات کمال کی معراج سر بلندی
کا درۃ التاج۔ آدمیت کے چہرہ کا گلگونہ اور انسانیت کے چہرہ کا مرغولہ۔ پاکی گوہر کی نشانی اور
اصالت جوہر کی بُرہان۔ آتش عناد کی مسکن۔ سلسلۂ وداد کی محرک۔ کینوں کے گرد کی
جاروب۔ سینوں کے آئینہ کی صیقل۔ بادشاہ و گدا دونوں کی جامۂ زیبندہ۔ اور کوچک و بزرگ دولت
پر بھبتی ہے۔ خاکساری دیدۂ دشمن میں خاک ڈالتی ہے۔ اور عاقبت کا دروازہ کھولتی ہے
متکبر نادان یہ گمان کرتا ہے کہ فروتنی اور خاکساری کا شیوہ باعث ذلت و خواری ہوتا ہے
یہ خیال اس کا غلط ہے اسی سے سربلندی اور سرافرازی ہوتی ہے وہاں رفعت و عزت و ارجمندی
ہوتی ہے۔ تواضع افگندگی کی صفت موروث سعادت و فرخندگی ہوتی ہے یہی شیوہ خجستہ

مردکی قدر کو اور زندگی کو بڑھاتا ہے۔

خواہی کہ بود بر سر خلقت مسکنے | اول باید خاک قدمہا گشتن
تا آب بپائے سرو نگذارو سر | کے بر سر شاخ میتواند رفتن

جیسا پانی میں ستارہ کا عکس پڑنا اُس کی پستی کا سبب نہیں ہوتا ایسا ہی بزرگوں کی فروتنی باعث کسر شان نہیں ہوتی جیسے دھوئیں کو بلند ہونیسے منزلت نہیں ہوتی ایسے ہی سفلوں کو گردن کشی کے دعوی سے مرتبہ نہیں حاصل ہوتا۔

(۲۷) عُجب

عُجب کے معنی یہ ہیں کہ آدمی اپنے حق میں ایک ظن کاذب کسی منزلت کے استحقاق کا کرے جسکا وہ فی الواقع مستحق نہیں ہے۔ معجب کو یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ میں سعید ہوں اور اپنے مطلب کو پہنچ چکا اور تحصیل حاصل اور امر محال کو کوئی طلب نہیں کرتا۔ معجب الا اپنے تئیں جانتا ہے کہ کچھ حاصل ہو گیا مجھے کچھ پروا نہیں وہ اپنے نفس میں اعتقاد رکھتا ہے کہ میں نیکوکار ہوں وہ اپنے گناہوں کو بھول جاتا ہے کبھی اُنکو یاد اور تلاش نہیں کرتا۔ اگر کوئی گناہ یاد آگیا تو اُس کو صغیرہ جانتا ہے۔ اُس کے تدارک میں کوشش نہیں کرتا۔ وہ اپنے نیک عمل کرنے کو خدا پر احسان کرنا جانتا ہے اور خدا کی نعمتوں کو بھول جاتا ہے۔ وہ اعمال پر عجب کرنے سے اُن کی آفات میں اندھا ہو جاتا ہے۔ وہ عذاب الہی سے اپنے تئیں مامون جانتا ہے خدا کے نزدیک اپنے تئیں صاحب رتبہ جانتا ہے۔ گویا خدا پر اُس کا حق اور احسان ہے جب اپنی رائے اور عمل و عقل پر عجب ہوتا ہے تو استفادہ اور مشورہ لینے اور پوچھنے سے محروم رہتا ہے اپنی ہی رائے پر اصرار کرتا ہے۔ اپنے سے زیادہ عالم سے سوال کرنے کو ننگ و عار جانتا ہے اکثر اپنی رائے خطاہی پر عجب کر کے اس وجہ سے خوش ہوتا ہے کہ یہ بات مجھکو سوجھی اگر دوسرے کو سوجھتی تو خوش نہ ہوتا۔ اسی وجہ سے اس پر اصرار کرتا ہے اور کسی ناصح اور واعظ کی بات نہیں سنتا بلکہ اوروں کو جاہل کی طرح دیکھتا ہے اور اپنی خطاؤں پر مصر ہوتا ہے۔ اگر یہ امر

دنیاوی میں ہوئی تو نیل مرام سے محروم رہتا ہے اور اگر امر دینی میں تو گمراہ ہوتا ہے سب سے
بڑی آفت عجب میں یہ ہے کہ آدمی اس گمان سے کہ میں مطلب کو پہنچ گیا اور بے پروا ہو گیا
کوشش و سعی میں سستی کرتا ہے اور اُس سے بربادی ہو جاتی ہے۔ عجب ہمیشہ ایسی وصف پر
ہوا کرتا ہے جو حقیقت میں کمال ہو معجب وہ شخص کہلاتا ہے جو نہ اس کمال کے زوال سے
خوف کرے اور نہ خوش اس سبب سے ہو کہ یہ نعمت خدا تعالی کی نعمت و عطا ہے بلکہ اس وجہ سے
اطمینان و فرحت ہو کہ یہ کمال میری طرف منسوب ہے اور میرا ہی وصف ہے اور میں نے اس کو
پیدا کیا ہے۔ یہ عجب محض جہالت ہے وہ معرفت سے دور ہو سکتی ہے ؎

ترک عجب و کبر کن تا قبلۂ عالم شوی
سیرت ابلیس را بگذار تا آدم شوی

ز خاک آفریدت خداوند پاک
پس ای بندہ اُفتادگی کن چو خاک

حریص و جہاں سوز و سرکش مباش
ز خاک آفریدت چو آتش مباش

(۲۸) غرور

غرور ایک قسم کی جہالت کا نام ہے کیونکہ جہالت اُسے کہتے ہیں کہ کسی چیز کو جیسی وہ ہے ویسی
نہ جانے۔ غرور بھی ایک جہل ہے مگر ہر جہل غرور نہیں بلکہ غرور کے لئے مغرور فیہ اور مغرور بہ
بھی ضرور ہے۔ غرور کی تعریف یہ ہے کہ شبہ و مکر کے باعث نفس ایسی چیز پر جم جائے جو ہوائے نفسانی
اور خواہش طبع کے موافق ہو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جو شخص کسی نکمے شبہ سے حال یا آل میں
چیز کا معتقد ہو وہ مغرور ہے۔ اکثر آدمیوں کا یہی حال ہے کہ اپنے نفسوں کے لئے ایک چیز کو بہتر گمان
کرتے ہیں حالانکہ ان کا یہ گمان بہت ہی غلط ہوتا ہے۔ اکثر لوگ مغرور ہوتے ہیں گو اُن کے اقسام
غرور جدا جدا اور درجات بھی مختلف بعض کا غرور بعض کی نسبت ظاہر تر اور شدید تر ہوتا ہے
سب سے زیادہ غرور بدکاروں اور گناہ گاروں کا ہوتا ہے۔ وہ ایسی دلیلیں کیا کرتے ہیں کہ دنیا
نقد اور آخرت اُدھار ہے اور نقد بہ نسبت اُدھار کے اچھا ہوتا ہے۔ اسلئے دُنیا بہ نسبت آخرت کے
اچھی ہے۔ اب اس جملہ میں کہ نقد بہ نسبت اُدھار کے اچھا ہے مغالطہ ہے۔ یہ جملہ تو اس صورت میں

ہوسکتا ہی کہ نقد اور ادہار مقصود میں برابر ہوں اگر نقد بہ نسبت ادہار کے کم ہے تو ادہار بہتر ہے جو
اگر طبیب بعض کو لذیذ کہانوں سے منع کرے تو گو لذت اُن کی نقد ہی اور حرص کی سختی آیندہ ہوگی
مگر وہ اس سختی کے خوف سے اس لذت نقد کو چھوڑ دیتا ہی۔ سوداگر خشکی و تری میں مصیبتیں دست
اُٹھاتے ہیں تاکہ آیندہ راحت اور نفع ملے اور کسی کو یہ خیال نہیں آتا کہ نقد بہ نسبت اُدہار کے
بہتر ہے۔ پس یہی حال دنیا اور آخرت کے نقد اور ادہار کا انسان کی سمجھ کے لئے ہے۔ دُنیا کی
لذت میں سب طرح کی کدورت اور رنج و مصیبت ہیں اور آخرت کی لذت پاک صاف حلوا ہے دوٗ
ہے مغرور یہ بھی کہتے ہیں کہ یقین شک سے بہتر ہے اور آخرت مشکوک اور دُنیا یقینی ہے پس یہ
مغالطہ ہے یقین بہتر ہے شک سے یہ جب ہی جب وہ تو مساوی ہوں ورنہ ظاہر ہے کہ سوداگر مشقت
تو یقیناً کرتے ہیں اور نفع مشکوک ہوتا ہی۔ اور طالب علم تحصیل علم میں محنت یقیناً کرتے ہیں فضل و
علم کے مرتبہ پر پہنچنا مشکوک ہی۔ شکاری شکار کی تلاش میں گشت یقینی کرتا ہے مگر شکار کا ملنا
مشکوک ہی۔ بیمار بدمزہ و تلخ دوا کا ذائقہ یقینی چکھتا ہی مگر شفا میں شک ہوتا ہی۔ غرض جتنے امور عقلا
کے نزدیک احتیاط میں داخل ہیں وہ سب اسی طرح کے ہیں کہ امر مشکوک کے لئے یقین کو چھوڑنا پڑتا ہے
تاجر کہتا ہی کہ اگر میں تجارت نہ کروں اور مصیبت نہ اُٹھاؤں تو بڑا نقصان ہوا اور بھوکا مروں سوداگری
میں محنت تھوڑی ہوتی ہی اور فائدہ بہت اسی طرح مریض کہتا ہی کہ دوا کی بدمزگی کا ضرر تھوڑا ہے
بہ نسبت خوف مرض کے جسکا انجام موت ہی۔ پس اس بنا پر جو شخص آخرت میں شک کرکے کہتا ہے
اُس پر بحکم احتیاط واجب ہی کہ یوں کہے کہ زندگی کے چند روز کا صبر کر لینا میرے حق میں اچھا
ہے اِن امور کی نسبت جو آخرت میں لوگ کہتے ہیں کیونکہ بالفرض آخرت کے معاملات جھوٹ
ہوئے تو مجھے کیا نقصان ہوا ایک چند روز زندگی کے لئے عیش جاتے رہینگے۔ ازل سے
ابد تک بھی تو میں ایسا ہی تھا کہ عیش نہ کرتا تھا میں جانوں گا معدوم ہی رہا اگر معاملات اُخروی
سچ ہوئے تو ابد الآباد تک آگ میں جلوں گا جسکی برداشت نہیں ہو سکے گی *

(۲۹) آدمی کو چاہیئے کہ کبر و غرور کی صفت سے جو اکثر عیوب اور صفات ذمیمہ کا سرچشمہ ہے

اگر اپنے میں اثر دیکھے تو اُس کے دفع کرنے میں سعی کرے۔ اور تواضع کے اوصاف میں تفکر و غور و تامل کرے۔ سخنان حق کے تریاق سے غرور کے زنبور کے زہر کا علاج کرے۔ اور خود پسندی کے مواد کو دور کرے۔ تواضع و فروتنی شیرہ پینے کی عادت ڈالے۔ اور خلق میں سوا اپنے کسی کو کمتر نہ جانے اور مجالس و محافل میں اپنے مرتبہ سے کمتر جگہہ میں بیٹھے۔ اور سب وضیع و شریف سے بیش ملائمی کی تلاش کرے۔ دوست دشمن کو اپنے اوپر تقدیم دے جس کو عمر میں بڑا دیکھے اُسے یہ سمجھے کہ اُس نے عبادت و نیک کام مجھسے زیادہ کئے ہیں اسلئے قابل تعظیم ہے۔ اور جب کسی چھوٹے سے ملے تو جانے کہ اِس نے مجھسے گناہ کم کئے ہیں تو اُس کی تکریم کرے اور جو برابر والے سے ملاقات ہو تو جانے کہ مجھے اپنے اطوار کی زشتی خوب معلوم ہے اور اُس کا حال مجھ پر پوشیدہ و مشتبہ ہے۔ اُسکی منزلت خدا کے آگے زیادہ ہے اسلئے اُسکو اپنے سے بہتر جانے۔ جب کوئی جماعت اُس کے ساتھ بہ تواضع و تعظیم پیش آئے تو جانے کہ یہ اُنکا غایت اشفاق اور حسن اخلاق ہے میری لیاقت و استحقاق نہیں۔ اور جب وہ اپنے ساتھ بے التفاتی کریں اور خواری کی نظر سے مجھے دیکھے تو جان لے کہ یہ میری زشتی اور ناقابلی کے سبب سے ہے نہ اُس کی نافہمی اور جاہلی کے سبب سے۔ جب کسی غنی کو دیکھے تو جانے کہ خدا نے اُسے لائق دیکھا۔ اور جب کسی مفلس کو دیکھے تو جان لے کہ اس کا تعیش اولیا کا سا ہے۔ جامہ و پوشش میں بہت کوشش نہیں چاہیے۔ لوگوں کی طرح طاؤس وش لباس منقش نہیں کرنا چاہیے۔

لباس کا تکلف تواضع کی نظر سے چھوڑنا عزت زیادہ کرتا ہے۔ اپنے خدمتگار و غلام و کنیزکوں کے ساتھ مشفقانہ و پدرانہ سلوک کرنا چاہیئے۔ اپنے آقا ہونے اور اُن کی خدمت گزاری پر فخر نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ اپنے تئیں اور اُن سب کو برابر خدا کا بندہ سمجھنا چاہیئے۔ اور اپنی فرمانروائی اور اُن کی خدمتگاری کو اپنے حق میں فضل الہی جاننا چاہیئے۔ اُن سے زیادہ تعظیم و ادب کرا کے اپنی سرافگندگی کے تحمل پر آمادہ نہ لگانا چاہیئے۔ ایک شخص خدا کی بندگی کی

رسوم کے آشنا تھا۔ وہ غلام کو اپنے ساتھ ہمیشہ کھلاتا تھا۔ ایک شخص جو رسوم و تعارف کا پابند تھا اُس نے ملامت کی کہ تو غلام کے ساتھ ہم کاسہ ہوتا ہے جس سے وہ بے ادب ہو جائیگا۔ اس دانشمند نے جواب دیا کہ غلام میرا میرے خدمت میں بے ادب بلا سے ہو جائے مگر میں خدا کی بندگی میں بے ادب نہ ہوں۔ نفس مغرور کی تادیب کے قصد سے آدمی اگر اپنی گھر کی حوائج کی چیزوں کو خود اُٹھا کر لے جائے۔ تو شیوہ پسندیدہ اور صفت حمیدہ ہے۔ گو وضع زمانہ کا تقاضا اس کام پر اقارب کے سبب ملامت ہو۔ کوچہ و بازار میں وقت رفتار آدمی آنے جانے والوں کی گندہ بوئی سے نہ بھاگے۔ اور اپنے نفس بد طینت کی نخوت سے آمد و رفت آدمیوں پر تنگ کرے۔ آگے سے آدمیوں کو نہ ہٹائے۔

جب لوگوں سے ملے تو خواہ ادنےٰ ہوں یا اعلیٰ تو اُن سے سلام کرنے میں پیش دستی کرے۔ تواضع کے معنی یہی ہیں کہ آدمی جس سے ملے پہلے سلام کرے اگر اہل علم میں سے ہو اور کوئی مسئلہ اس سے پوچھا جائے اگر اُس پر علم نہ ہو تو اپنے جہل کا اقرار کرے۔ علماء گردن کش کی طرح اپنی نخوت کے سبب سے بے تامل جواب نہ دینے لگے۔ اور نہ یہ ہو کہ مسئلہ کے جاننے کی صورت میں مغرور ہو اور اپنے تئیں ناوانوں میں شمار کرے۔ یہ جان لے کہ اگر بے تحقیق لاعلمی کی حالت میں کوئی مسئلہ بتاؤنگا تو خدا کا عتاب ہوگا اس سے آدمیوں کی ملامت اُٹھانا آسان ہے۔ آدمی خود حق نہ جانے اور جو حق کو جانیں اُن پر طعن کرے اور قول اُن کا سمع قبول میں نہ لائے یہ مناسب نہیں۔ جو صاحب حشمت ہو وہ اپنی خود نمائی کی دلق کو دوش پر سے ڈال دے اور مرآت خاطر کو عجب و غرور کے زنگ سے صاف کرکے اہل حق کا تمام امور میں تابع ہو۔ جو غریب مسکین عارضہ بیماری میں یا مصیبت و بلا میں مبتلا ہو تو اُس کی پرسش میں اپنی کسر شان نہ جانے۔ خود اُس سے پرہیز کرے کہ مرض انانیت میں گرفتار ہو۔ صائب

زکاۃ صحت جسم است خستہ پرسیدن — نگہبانی عمر است پشت پا دیدن +

غرض اسی طرح کی باتوں ہیں جن سے کہ طبع مغرور کی اصلاح ہو آدمی کو کوشش کرنی چاہیے

تاکہ نفس میں سرکشی نہ پیدا ہو جب تک آدمی تواضع اور انکساری کی عادت نہیں اختیار کرتا عافیت نہیں حاصل ہوتی۔ ذائقہ عقل کی اصلاح نہیں ہوتی اور اس کی لذت نہیں آتی مگر یاد رکھو کہ شیوہ تواضع ہر شخص کے ساتھ نیک اور مستحسن ہے مگر متکبروں کے ساتھ نہیں۔ اُن کے ساتھ جواب عربی بہ عربی اور سزا ہے بے ادبی بے ادبی شاید اس سے اُن کی طبیعت نخوت سرشت کو سزا ہو اور وہ تمردی سے باز آئیں ✤

(۳۰) حرص و طمع کی مذمت و قناعت اور لوگوں سے توقع نہ رکھنے کی عادت

اگر جمعیت دل ہی تجھے منظور قانع ہو
کہ اہل حرص کے کام خاطر خواہ ہوتے ہیں
جو گنج قناعت میں ہے تقدیر پہ شاکر
ہے ذوق برابر انھیں کم اور زیادہ

حرص نفس کا حال یہ ہے کہ سب چیزوں کی طرف نیت دوڑتی ہے یہ چاہتا ہے کہ ساری چیزیں میرے پاس آجائیں اسی غرض سے کبھی کسی کے پاس حاجت لے جاتا ہے کبھی کسی کے پاس۔ جب وہ شخص حاجت پوری کر دیتا ہے تو گویا اب اُس کی نکیل اُس کے ہاتھ میں ہوتی ہے جہاں چاہتا ہے وہ پھراتا ہے اور جو کام چاہتا ہے وہ لیتا ہے ھر انانی وہ کفش بر سر بزن ✤ کا قصہ ہوتا ہے۔ یہ شخص جہاں اُس کو دیکھتا ہے خوشامد کے مارے سلام کرتا ہے اور وہ بیمار پڑتا ہے تو اُس کی عیادت کرتا ہے بس اگر حاجت نہ ہوتی اس کے لئے اچھا ہوتا۔ حکماء کا قول ہے کہ انسان میں بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ اگر بالفرض اُس کو سُنا دیا جائے کہ تو ہمیشہ دنیا میں رہے گا تو اس قدر عمر کی درازی میں جتنی حرص اُس کو ہوگی اُس سے زیادہ اب وہ کرتا ہے حالانکہ اب تھوڑے ہی دنوں کی زندگی ہے اور آخر کو فنا کی توقع ہے۔ انسان کو طمع و حرص سے نجات اور قناعت یوں حاصل ہو سکتی ہے کہ آدمی معیشت میں میانہ روی اور خرچ میں کفایت کرے جتنی الوسع خرچ کے دروازے اپنے نفس پر بند کرے اور صرف ضروری خرچوں پر اکتفا کرے

اس لئے کہ جس کا خرچ اور روش زیادہ ہوگی وہ قناعت نہیں کر سکتا ہر دست بقدر کفاف آدمی کے پاس موجود ہو تو آیندہ کے لئے زیادہ اضطراب کرے۔ آدمی کو چاہیے کہ وہ قناعت کے فایدہ سے آگاہ ہو کہ اس کے باعث استغنا اور بے پروائی کی عزت حاصل ہوتی ہے اور حرص و طمع کی جہت سے رسوائی اور ذلت ہوتی ہے حرص میں مشقت سے طمع میں ذلت سے نہیں بچتا۔ قناعت میں صرف شہوات فضول سے صبر کرنے کی مشقت ہے یہ مشقت و تکلیف ایسی ہے کہ اس کو سوا خدا کے کوئی اور نہیں جانتا۔ حرص و طمع ایسی چیزیں ہیں جن کو لوگ دیکھ سکتے ہیں کثرت طمع و حرص میں نفس کی بزرگی اور حق بات کی متابعت میں قدرت مفقود ہوتی ہے کیونکہ کثرت حرص و طمع مقتضی اس بات کی ہے کہ لوگوں سے بہت کام نکلیں پھر ایسی صورت میں ان کو حق بات کا مائل کرنا کہاں بن سکتا ہے بلکہ ان کی برائیاں دیکھ کر مداہنت اور اغماض کرنا پڑے گا جس سے کہ خرابیاں پیدا ہوتی ہیں جو شخص بقدر کفایت پر تابع ہوتا ہے وہ اغنیا کے گروہ میں داخل ہوتا ہے۔ کسی بزرگ کا قول ہے کہ جس سے چاہو بے پروا ہو جاؤ اس کی نظر اور اسی کی مانند ہو جاؤ گے اور جس کی طرف دل چاہے حاجت لے جاؤ اسی کے پابند ہو جاؤ گے۔ اور جس پر چاہو احسان کرو اس کے امیر بن جاؤ گے۔ اگر عقل کی شمع کو روشن رکھنا چاہو تو پردہ طمع کو اٹھا دو۔ یہ پردہ چشم دل کو کبھی روشن نہیں ہونے دیگا۔ خیال جاہ و زر اس کی آنکھ کے آگے ایسا ہوتا ہے جیسا آنکھ میں بال +

(۳۱) طمع کی مصیبت مخدوم کو خادم بناتی ہے

طمع کی مصیبت مخدوم کو خادم بناتی ہے اور آزاد کو بندگی میں ڈالتی ہے۔ ہمیشہ اہل طمع کو دیکھو کہ وہ ارباب جاہ کی رکاب کے ساتھ پڑے پھرتے ہیں اور ادب کے ساتھ ان کی خدمت میں دست بستہ پھرتے رہتے ہیں۔ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ غلام تین ہوتے ہیں ایک وہ غلام جنکی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ دوم بندۂ شہوت۔ سوم بندۂ طمع کہ سب سے بدتر ہے۔ [illegible]

طمع کے سبب سے خط غلامی لوگوں کو لکھ دیتے ہیں اور ناکسوں کی فرمانبرداری قبول کر لیتے ہیں بعض کو یہانتک طمع ہوتی ہے کہ حکام و سلاطین کی استرضاء میں خدا کے احکام کا بھی خیال نہیں کرتے۔ ایسے آدمی چھوٹے بڑوں کی نظروں میں خفیف و بے اعتبار ہو جاتے ہیں۔ اپنے حوائج کے رفع کی طلب نشان بیقدری اور موجب بے حیائی اور بے شرمی ہے جو لوگ توقع احسان خلق کی نہیں رکھتے اور استغنا مزاج میں رکھتے ہیں اگرچہ وہ مفلس اور تنگ دست ہوں مگر وہ اغنیا اور تونگروں میں شمار ہونگے — استغنا کچھ کثرت مال کا نام نہیں ہے بلکہ نفس کی بے نیازی کا نام ہے۔ وہی غنی ہیں جو کچھ پاس رکھتے ہیں اسپر قناعت کرتے ہیں۔ حضرت لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہیں کہ تو دل میں غنی ہو اور امید بخشش اور طمع نوازش کسی سے نہ رکھ جب محتاج و تنگ دست ہو جائیگا تو اُس کا اعتبار کسی طرح کیونکہ اس سے تو بے مقدار ہو جائیگا۔ لیکن اپنی حاجت فضل الٰہی سے اور نقد مدعا اس کے خزانہ نامتناہی سے چاہ۔ طمع سے زیادہ ذلیل کوئی چیز نہیں۔ لوگ جامہ و دستار کی درندگی کو پردہ دری عزت جانتے ہیں اور اس سبب سے تھوڑی عسرت میں لوگوں کے گھروں پڑے پھرتے ہیں۔ مالداری میں شرف و سلامتی جانتے ہیں

(۳۲) صبر

صبر کے معنی ہیں طبیعت کا روکنا خواہ وہ غضب سے ہو یا ہوئے (ہوا) یعنے شہوت سے۔ صبر کی دو قسمیں ہیں اوّل صبر بدن سے کرنا مثلاً بدن پر مشقت کا متحمل ہونا۔ اور اُس پر مستقل رہنا پھر اُس کی بھی دو صورتیں ہیں یا تو خود کوئی فعل کرنا یا دوسرے کے فعل کی برداشت کرنی اول کی مثال جیسے کسی مشکل کام کا یا عبادت کا بجالانا۔ اور دوسرے کی مثال جیسے سخت مار کو پی جانا۔ یا بڑے مرض کو اور زخم مہلک کو سہنا پہلی قسم کبھی عمدہ ہوتی ہے مگر دوسری قسم کے صبر میں کمال عمدگی پائی جاتی ہے کیونکہ اس میں نفس کو طبیعت کے مقتضیات اور باعث ہونے سے روکنا ہوتا ہے۔ اب اس صبر کے نام مختلف طرح سے

لیے جاتے ہیں شہوت شکم وغیرہ سے صبر کرنے کا نام عفت ہے۔ اگر کسی مصیبت میں ہو تو اس کو
صبر ہی کہتے ہیں اور اس کی ضد وہ حالت ہے جس سے جزع و فزع کہتے ہیں یعنی بہ تقاضائے شکایت
ہونے کو مطلق العنان کر دینا کہ خوب چیخے اور پیٹے اور گریبان پھاڑے۔ اگر تونگری برداشت
کرنے میں صبر ہو تو اسے ضبط نفس کہتے ہیں اور اس کے مقابل اترانا ہے اور اگر صبر مقام
جنگ اور صف قتال میں ہو تو اسے شجاعت کہتے ہیں جس کا مقابل نامردی و بزدلی ہے اگر
غصے کے پینے میں ہو تو اس کا نام حلم ہے جس کی ضد غضبناکی ہے۔ اگر زمانے کی کسی
آفت پر صبر ہو تو اس کا نام فراخی حوصلہ ہے اور اس کی ضد کم حوصلگی اگر کلام کے
خفیہ رکھنے میں ہو تو اس کو رازداری اور جس شخص میں یہ صفت ہو اس کو رازدار کہتے
ہیں اگر عیش زائد از حاجت سے ہو تو اس کا نام زہد ہے جس کی ضد حرص ہے۔ اگر یہ
ہر ایک حظ نفسانی سے قدر قلیل پر صبر ہو تو اس کو قناعت کہتے ہیں اس کا مقابل شرہ
الغرض نیک اخلاق صبر میں داخل ہیں انسان کو صبر کی طرف بڑی حاجت ہے اس سے گریز
نہیں ہو سکتی۔ جو حالات اس زندگی میں انسان کو پیش آتے ہیں وہ دو حال سے خالی نہیں
ہوتے یا تو اس کی خواہش کے موافق ہوتے ہیں یا ناموافق۔ صبر کی حاجت دونو حالو
میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کو ہر حال میں صبر کی حاجت ہے۔ اس کی تفصیل یہ
ہے کہ قسم اول یعنی وہ احوال جو ہماری خواہش کے موافق ہوں وہ صحت اور تندرستی
اور مال و جاہ کا ہونا اور بہت سا جتھا ہونا اور کثرت اسباب کا ہونا یار اور مددگار
و خدمت گزار بہت ہونے اور تمام لذائذ کا موجود ہونا۔ ان احوال میں بندہ کو صبر
کی بڑی خواہش ہے اس واسطے کہ آدمی اگر لذات دنیاوی میں پڑ کر اپنے نفس کو نہ
روکے گا اور ان میں مطلق العنان و رتّو بار ہے گا تو گو وہ لذائذ مباح ہی ہوں مگر
آخر کو سرکشی اور اترانے پر پہنچا دیں گے۔ اس واسطے کہ انسان کا قاعدہ ہے کہ جب
اپنے آپ کو غنی جانتا ہے تو طغیانی کرتا ہے سچ ہے کہ بلا و مصیبت میں صبر کرنا ایسا

سخت نہیں ہوتا جیسا کہ عافیت اور تونگری پر۔ بڑا مرد وہ ہے جو عافیت پر صبر کرے اور
اور عافیت پر صبر کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اُس کی طرف رغبت نہ کرے اور جانے کہ یہ
چند روزہ ودیعت ہے جلد مجھ سے جاتی رہے گی اور اُس سے زیادہ خوش نہ ہو اور نعم
اور لذت اور لہو و لعب میں فریفتہ نہ رہے بلکہ جو جو انعام اللہ کے اُس پر ہیں اُن سے
حقوق اللہ تعالیٰ کے ادا کرے۔ مثلاً مال کو خدا کی راہ میں دینے سے اور بدن سے
دوسروں کی اعانت کرکے اور زبان سے سچ بول کر خدا کا حق ادا کرے۔ اس طرح کا صبر
شکر کے متصل ہے جب تک آدمی شکر پر قائم نہ ہوگا تب تک یہ صبر کامل نہ ہوگا۔ عافیت پر صبر
کرنا اس لئے سخت تر ہے کہ اُس میں قدرت موجود ہے ورنہ عصمت بی بی از بے چادری مشہور
ہے جس کو قدرت ہی نہ ہو وہ اگر صبر نہ کرے تو کیا کرے اس کی مثال یوں سمجھنی چاہئے کہ
بھوکا آدمی اگر کھانا اُس کے سامنے نہ ہو تو صبر آسانی سے کرسکتا ہے بہ نسبت اس صورت کے کہ
عمدہ کھانا لذیذ اُس کے سامنے ہو اور اُس کو قدرت بھی کھانے کی ہو اس لحاظ سے عافیت میں
صبر سخت تر ہے دوسری قسم جو خواہش طبیعت کے ناموافق ہونے کی ہے اُس کی تین صورتیں ہیں
اول تو وہ جو بندے کے اختیار سے مربوط ہو جیسے طاعات اور معاصی دوم وہ جو اُس کے
اختیار میں نہ ہوں جیسے کہ مصائب و حوادث سوم شروع میں تو اختیار کو کچھ دخل نہ ہو مگر اُس کا دور کرنا
اختیار میں ہو جیسے موذی سے بدلا لینا۔ صورت اول یعنی وہ افعال کہ بندہ کے اختیار سے
وابستہ ہوں اور اُس میں بندہ کے تمام افعال جو طاعت اور معصیت ہوسکتے ہیں داخل ہیں اُن کی
دو نوع ہیں۔ نوع اول طاعت اور دوسری نوع معصیت اور ہر ایک میں صبر کی حاجت ہے طاعت
پر صبر کرنا دشوار ہے اس واسطے کہ نفس کو طبعاً عبودیت سے نفرت ہے یہ ربوبیت کو چاہتا ہے نفس
انسانی میں انا ربکم الاعلیٰ مخفی ہے اسے دیکھو کہ آدمی اپنے غلام و نوکر اور محکوم اور
زیر دست اور مطیع سے اُن کے قصور کے وقت کیسا نیلا پیلا ہوتا ہے اور قصور خدمت کو ان سے
بعید جانتا ہے اُس کی وجہ اگر کبر باطنی اور دعوی ربوبیت نہیں تو اور کیا ہے اس سے معلوم ہوا

عبودیت نفس پر شاق ہے بعض عبادتیں کسل کے سبب سے بعض بخل کے سبب سے بعض دونوں کسل و بخل کے سبب سے ناگوار ہوتی ہیں پس طاعت پر صبر کرنا بہت سے شدائد پر صبر کرنا ہے۔ نوع دوم معصیت پر بھی صبر کرنا بڑا ضروری ہے۔ صبر کے اقسام میں زیادہ شدید ان معاصی پر صبر کرنا ہے جو عادت کے باعث مالوف ہو گئے ہوں اس لئے کہ عادت بھی ایک دوسری طبیعت ہوتی ہے جب خواہش نفس پر عادت زیادہ ہو جاتی ہے تو آدمی اُس کے قلع و قمع پر قادر نہیں ہوتا۔ پھر اگر وہ گناہ ان افعال میں سے ہوں جن کے کرنے میں کچھ دقت نہیں ہوتی با آسانی ہو سکتے ہیں تو اُس سے صبر کرنا نہایت دشوار ہے۔ مثلاً زبان کو گناہوں مثل غیبت اور جھوٹ و خصومت اور اشارۃً یا صراحۃً اپنے نفس کی تعریف کرنے سے صبر کرنا یا اقسام مزاح سے جو دلوں کو ایذا دیں اور اُن کلمات سے جو بقصد تحقیر و تذلیل بولے جائیں اور مُردوں کا ذکر کرنا اور اُن پر خواہ اُن کے علوم اور سیرت و منصب پر اعتراض کرنا ان سب سے صبر کرنا نہایت دشوار ہے۔ اس لئے کہ ظاہر میں تو یہ غیبت ہے مگر باطن میں اپنے نفس کی ثنا پائی جاتی ہے۔ غرض جب معصیت کا سبب قوی یا ضعیف ہوگا ویسا ہی صبر کرنا بھی سخت یا آسان ہوگا۔ صورت دوم وہ افعال جن کا کرنا اختیار سے نہ ہو مگر ان کے دفع کرنے کا اختیار ہو مثلاً کسی نے اپنے قول و فعل سے کسی کو ایذا دی یا اُس کے نفس یا مال میں کوئی قصور کیا تو اُس پر صبر کرنا اور مکافات کا چھوڑنا کبھی تو واجب ہوتا ہے اور کبھی صرف فضیلت کا سبب کیونکہ ایذا پر صبر کرنا انسان کے مراتب اعلیٰ میں داخل ہے۔ صورت سوم ایسے امور جن کی ابتدا و انتہا کچھ بھی بندے کے اختیار میں نہیں جیسے عزیزوں کا مرنا اور مال تلف ہونا اور مرض سے تندرستی کا جاتا رہنا اور اعضاء کا بگڑ جانا اور تمام اقسام کے مصائب کہ اُن پر صبر کرنا مقامات صبر میں اعلیٰ مقام ہے کیونکہ ایسے مقام پر صبر کرنا نہایت سخت ہوتا ہے۔ صبر کرنے کے معنی یہی ہیں کہ خدا کی مرضی پر آدمی راضی ہے صبر کا کمال یہی ہے کہ مرض اور افلاس اور تمام مصیبتوں کو چھپائے۔

خلاصہ اس تمام بیان کا یہ ہے کہ سب احوال اور افعال میں صبر واجب ہے۔ گو صبر کرنا

بہت دشوار ہے مگر وہ علم و عمل سے حاصل ہو سکتا ہے۔

(۳۲) شکر

شکر کے واسطے تین باتیں ضرور ہیں اول علم دوم حال سوم عمل۔ اصل اصول علم ہے۔ اس سے حال پیدا ہوتا ہے اور حال سے عمل علم سے غرض یہ ہے کہ نعمت کو منعم کے طرف سے جانے حال سے مراد یہ ہے کہ منعم کے انعام سے خوش ہو عمل سے مراد یہ ہے کہ جو منعم کا مقصود انعام سے ہو اُس پر قائم رہے۔ علم میں تین باتوں کو جاننا چاہیئے ایک تو خود نعمت کا۔ دوم اُس نعمت کا اپنے حق میں نعمت ہونا۔ سوم منعم کا اور اُس کی صفات کا جن کے سبب سے کہ صدور اس انعام کا اُس پر ہوا انعام کے جاننے کے لیئے یہ چیزیں ضروری ہیں ایک نعمت ایک نعمت کا دینے والا اور ایک وہ جس پر منعم کے قصد اور ارادہ سے نعمت پہونچتی ہے۔ انسان کو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ ساری نعمتیں خدا کی طرف سے پہونچتی ہیں اصل منعم وہی ہے اور باقی اور جو نعمت پہونچاتے ہیں وہ پہنچانے کا واسطہ خدا کے حکم کے سبب سے ہوتے ہیں۔ جیسے بادشاہ کوئی انعام دے تو بادشاہ کے اہلکار اس پاس پہونچانے کے بیچ میں واسطہ ہوں گے۔ مگر انعام دینے والا بادشاہ ہے۔ اگر وہ حکم نہ دیتا تو یہ اہلکار انعام کبھی نہ دیتے۔ ہم کو شمس و قمر و آسمان و زمین سے جو نعمتیں مل رہی ہیں اُن کا دینے والا خدا تعالیٰ ہی ہے اسلئے کہ جو ظاہر میں ہم کو چیزیں دے رہے ہیں وہ سب اُسی کے مسخر و تابع ہیں اُس کے حکم سے دیتے ہیں۔ غرض خدا کے انعام دینے میں جو کسی دوسرے کو شریک کریگا تو اُس کی توحید میں شرک کرے گا۔ حال کی کیفیت یہ ہے کہ آدمی کو جب کوئی نعمت ملتی ہے تو وہ تین وجہ سے خوش ہوتا ہے۔ اول جو فقط نعمت ہی سے خوش ہو مثلاً ایک شخص کو گھوڑے کی ضرورت سفر کے لیئے تھی بادشاہ نے اُس کو گھوڑا دیدیا اب یہ شخص صرف گھوڑا ملنے سے خوش ہوتا ہے اگر وہ اُس کو جنگل میں سے مل جاتا تو بھی اتنا ہی خوش ہوتا دوم منعم سے خوش ہونا جس کا انعام دینا اُس کی عنایت اور الفت پر دلالت کرتا ہے۔ اوپر کی مثال میں گھوڑا ملنے سے اس لئے خوش ہوتا کہ بادشاہ کی عنایت پر وہ دلالت کرتا ہے

وہ بادشاہ کی شفقت و التفات کا خواستگار تھا کچھ گھوڑے کا طالب تھا تیسری خوشی اس سبب سے ہو کہ نعمت کے ذریعہ سے میں منعم کی زیادہ خدمت کرونگا مثلاً گھوڑا ملا تو اس سبب خوش ہوا کہ میں اُس کے سبب سے اور زیادہ بادشاہ کی خدمت خوش اسلوبی سے بجا لاؤں گا۔ اور اس سبب سے مجھے بادشاہ سے اور تقرب حاصل کرنے کا موقع ملے گا۔ اول صورت میں تو معنی شکر پائے نہیں جاتے کہ اس نعمت پانے والی کی غرض صرف گھوڑے ہی کی تھی دینے والے سے کچھ غرض نہ تھی۔ یہ حال ایسے لوگوں کا ہے جو نعمت پر اس وجہ سے خوش ہوتے ہیں کہ وہ لذائذ اور غرض کے موافق ہے ایسے لوگ شکر سے مراحل دور ہیں۔ دوسری صورت اگرچہ معنی شکر میں داخل ہے اور اس میں خوشی منعم کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ مگر منعم کی ذات کے اعتبار سے یہ خوشی نہیں بلکہ اس جہت سے ہے کہ عنایت سلطانی کا یقین ہوا جو آگے کو انعام کا باعث ہوگی۔ یہ حال اُن صلحا کا ہے جو خدا تعالیٰ کی شکر و عبادت بجا لاتے ہیں اس وجہ سے کہ اُس کے عقاب عذاب سے خائف ہیں اور ثواب کے متوقع ہیں ان دونو صورتوں میں شکر ناقص رہتا ہے۔ مگر تیسری صورت میں شکر کامل پایا جاتا ہے کہ بندہ کو خوشی نعمت الٰہی پر اس نظر سے ہو کہ اس نعمت کے سبب سے خدا کا قرب حاصل کر سکتا ہے غرض عوام تو ادائے شکر کھانے پینے پوشاک وغیرہ پر کرتے ہیں اور خواص اپنے دلوں کے احوال پر۔ اب تیسری بات یہ ہے کہ جو خوشی معرفت منعم سے حاصل ہوتی ہے اُس کے موافق عمل کرنا۔ یہ عمل قلب اور زبان اور اعضا سب سے متعلق ہے۔ دل سے تو یہ چاہیے کہ خیر کا قصد کرے اور تمام خلق کے حق میں نیت خیر اور سلوک کرنے کا ارادہ خفیہ رکھے اور زبان سے اظہار شکر خدا ایسے الفاظ حمد سے جو شکر پر دال ہوں چاہیے کہے اور دوسرے اعضا سے اس طرح کہ ان کو نعمت الٰہی جان کر اُس کی طاعت میں لگائے اور اُن سے اُس کی نافرمانی پر مدد نہ لے مثلاً آنکھوں کے ادائے شکر یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کا عیب دیکھے تو اُس کو چھپا دے۔ اور کانوں کا شکر یہ ہے کہ اگر کسی بھائی کا عیب سنے اس کو افشا نہ کرے

اکابر سلف جو آپس میں مزاج پرسی کرنے میں کہا کرتے تھے کہ خدا کا شکر ہے تو اُن کا مدعا اس سے یہ ہوتا تھا کہ کسی طرح زبان سے شکر الٰہی نکلے۔ کیونکہ شکایت الٰہی یا اس کے شکر سے سکوت کسی طرح روا نہیں خدا کی شکر گزاری اس قسم کی نہیں ہوتی جیسے اور ظاہری منعموں کی۔ کیونکہ اور منعم اپنے انعام سے کچھ نہ کچھ غرض رکھتے ہیں۔ مثلاً بادشاہوں کی غرض شکر گزاری سے یہ نکلتی ہے کہ اُن کی جگہہ اور آدمیوں کے دلوں میں ہوتی ہے اور خلق میں اُن کا کرم مشہور ہوتا ہے۔ اس شہرت سے آوازہ اور جاہ بڑہتا ہے۔ دوم بجا آوری خدمت سے شکر کرتے ہیں تو اس میں اُن کی بعض غرضوں پر اعانت ہو جاتی ہے غرض کہ شکر کے سبب کوئی نہ کوئی بات اس قسم کی منعم کے لئے ہوتی ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کی ذات تو سب غرضوں اور طلبوں سے پاک ہے اس کو حاجت کسی خدمت اور اعانت کی نہیں ہم خدا کا شکر کسی طرح نہیں ادا کر سکتے ؎

از دست و زبان کہ بر آید — کز عہدۂ شکرش بدر آید

خدا کی نعمتیں بے شمار ہیں اُن کا شکر کیسے ہو سکتا ہے۔ اب ہم نعمت کی تعریف لکھتے ہیں جس پر شکر واجب ہوتا ہے۔

(۳۳) نعمت جس پر شکر واجب ہے

ہر ایک چیز اور لذت و سعادت خواہ دنیاوی ہو یا اخروی بلکہ ہر ایک مطلوب موثر کا نام نعمت کہہ سکتے ہیں جتنے امور دنیا میں ہیں وہ چار حال سے خالی نہیں ہوتے۔ اول وہ جو دنیا و آخرت دونوں میں نافع ہوں جیسے علم و حسن خلق دوم وہ کہ دونوں میں مضر ہوں جیسے جہل و بدخلقی۔ سوم وہ کہ دنیا میں مفید ہوں اور آخرت میں مضر ہوں جیسے اتباع شہوت سے لذت پانا۔ چہارم وہ کہ دنیا میں مضر ہوں اور آخرت میں مفید جیسے شہوات کا استیصال اور نفس کی مخالفت اُن میں سے جو حال و مآل میں نافع ہیں وہ نعمت حقیقی ہے مثلاً علم اور حسن خلق اور جو دونوں میں مضر ہے وہ اس کی ضد ہے اور مصیبت حقیقی ہے اور جو حال کے نافع اور مآل کے مضر ہے وہ ارباب بصیرت اور ذکا کے نزدیک مصیبت ہے۔ مگر جہال اُس کو نعمت گمان

کرتے ہیں۔ اُس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بھوکا شخص شہد خالص پائے جس میں زہر ملا ہو تو وہ اگر زہر سے ناواقف ہوگا تو اس شہد کو نعمت جانے گا اور جب واقف ہوجائیگا تو جانے گا کہ یہ میرے حق میں بلا ہے اور جو چیز حال میں مضر اور مآل میں مفید ہے وہ ارباب عقل کے نزدیک نعمت ہے اور جہال کے نزدیک بلا ہے۔ اِس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کڑوی دوا کہ حال میں اُس کا ذائقہ بُرا ہے مگر انجام کو ؏ کہ داروے تلخ است دفع مرض
ناواقف لڑکے کو جب ایسی دوا پلائی جاتی ہے تو اُس کو وبال جانتا ہے اور عاقل اُس کو نعمت تصور کرتا ہے اور جو شخص اُس کو دوا پلاتا ہے یا اُس کا سامان مہیا کرتا ہے اُس کا ممنون و مشکور ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی نعمتیں بہت مسلسل و بے شمار ہیں ہر ایک نعمت کا حال لکھنے کے لئے ایک کتاب چاہیئے۔ نعمتوں میں سے ایک تندرستی بھی ہے۔ اُس کے اسباب میں سے ایک غذا ہے۔ اُس کے حال لکھنے کو ایک دفتر چاہیئے۔ پھر لذت ایک نعمت ہے جس میں سے کچھ ہم نیچے بیان کرتے ہیں

(۳۴) لذات علم و حکمت و معرفت

لذتیں اس اعتبار سے کہ انسان سے مخصوص ہیں یا غیر میں بھی شریک ہیں تین طرح کی ہیں اول عقلی دوم بدنی کہ بعض حیوانات کے ساتھ مشترک ہیں سوم بدنی کہ سب حیوانات اُن میں مشترک ہیں عقلی لذتوں کی مثال جیسے علم اور حکمت کی لذت کہ صرف قلب کو اس سے لذت ہوتی ہے جو اس حسنہ اور اعضا کو اس سے بہرہ نہیں اس لذت کا وجود باوجودیکہ سب میں اشرف ہے اُس کے کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ علم و حکمت کی لذت سوا عالم و حکیم کے اور کوئی لذت نہیں پاتا۔ اہل علم اور ارباب حکمت بہت ہی کم ہیں۔ گو نام کو بہتیرے ہوں۔ اکثر اُن میں لذت علم سے قاصر ہیں ان کا قصور کیا تو اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اُن کو ذوق نہیں جس کو ذوق علم نہیں اُس کو شوق علم نہیں شوق پر ذوق کو تقدیم ہے۔ یا اس وجہ سے کہ لوگوں کے مزاج خراب ہوتے ہیں اور دل بباعث اتباع شہوات کے روگی ہو جاتے ہیں تو جیسے بیمار کو شہد کا مزہ نہیں معلوم ہوتا اور اُس کو کڑوا جانتا ہے ایسے ہی یہ لوگ علم کو اچھا

نہیں سمجھتے یعنی اُن کی طبیعت و دانائی میں ابھی تک قصور ہے کہ ابھی تک وہ صفت جس سے
علم کی لذت معلوم ہوتی ہے اُن میں پیدا نہیں ہوئی جیسے شیر خوار لڑکا شہد اور پیڑوں کا
مزہ نہیں جانتا اُس کو سوا دودھ اور کوئی چیز اچھی نہیں معلوم ہوتی سب چیزوں پر منہ بناتا ہے
اُس کو اچھا نہ معلوم ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ چیزیں مزہ دار نہیں۔ اور نہ اُس کے
لذیذ جاننے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ لذیذ تر وہی ہے۔ غرض کہ جو لوگ لذت
علم کے ادراک سے قاصر ہیں وہ تین طرح کے ہیں ایک وہ ابھی تک اُن کا باطن زندہ نہیں ہوا
جیسے کہ لڑکے کا باطن ہوتا ہے۔ دوم وہ کہ اتباع شہوات کے باعث اُن کا دل مُردہ
ہو گیا ہے۔ سوم وہ کہ اتباع شہوات کے سبب دل مریض ہو رہا ہو۔

دوسری لذت جس میں انسان بعض حیوانات کے شریک ہیں جیسے کہ ریاست و غلبہ کی لذت
کہ شیر و چیتہ اور بعض اور حیوانات میں بھی پائی جاتی ہے۔

تیسری لذت جس میں انسان سب حیوانات شریک ہیں جیسے پیٹ وغیرہ کی لذت۔ یہ لذت
سب لذتوں سے ادنیٰ اور خسیس ہے۔ مگر کثرت سے ہے اور اسی وجہ سے جتنے حیوانات
زمین پر ہیں سب اس میں شریک ہیں اس لذت کے توڑنے والے تو بہت سے صلحا موجود
ہوتے ہیں مگر لذت ریاست کو دور کرنے والے بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ لذت ریاست
اُن لوگوں میں بھی پائی جاتی ہے جو خدا کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں پس اس اعتبار
سے دل کی چار قسمیں ہیں ایک دل وہ جو سوائے خدا تعالیٰ کے کسی اور سے محبت نہیں کرتا۔
دوسرا وہ دل کہ جس کو خبر ہی نہیں کہ لذت معرفت الٰہی کسے کہتے ہیں۔ اُس کی لذت صرف
جاہ و ریاست اور مال و تمامی شہوات بدنیہ سے ہیں تیسرا وہ دل کہ اکثر تو خدا تعالیٰ سے
مانوس رہتا ہے اور اُس کی معرفت اور فکر سے لذت پاتا ہے مگر بعض اوقات اُس کو اوصاف
بشری پیش ہو جاتے ہیں جن کے سبب سے وہ لذت سے محروم ہوتا ہے۔ چوتھا وہ دل کہ اکثر حالات میں
تو اوصاف بشری سے لذت پاتا رہتا ہے الا کبھی کبھی علم اور معرفت سے بھی لذت پاتا ہے

ان میں اول قسم کا دل تو غیر ممکن سا ہے بشر کی طاقت سے باہر ہے کہ اس صفت سے متصف ہو دوسری قسم کے دلوں سے دُنیا پر ہے تیسری اور چوتھی قسم کے دل بھی موجود ہیں مگر کم ہیں اور یہ ہمیشہ شاذ و نادر ہی رہینگے۔ بس اس صورت میں خدا کی شکرگزار بہت کم ہیں اس کا حال آگے پڑھو۔

(۴۳) خلق شکر نہیں کرتی

خلق اپنی جہالت اور غفلت کے سبب سے شکر نہیں کرتی۔ خدا تعالیٰ کی نعمتیں ایک عام ہیں دوسری خاص جو عام ہیں اُن کو خلقت نعمت نہیں سمجھتی کہ اس کا شکر ادا کرے۔ مثلاً آدمی اپنی جہالت کے باعث جو بات کہ سب لوگوں میں پائی جاتی ہے اور ہر حال میں اُن کے پاس موجود ہے اُس کو نعمت ہی نہیں جانتا اسلیے کوئی اُس کا شکرگزار نہیں ہوتا۔ ہوا۔ کوئی اُس کا شکر ادا نہیں کرتا۔ اگر ایک لحظہ گلا پکڑ لیا جائے کہ ہوا باہر کی اندر نہ جا سکے تو آدمی مر جائے گا۔ اگر کسی کنوے میں جسکی ہوا پانی کی تری سے بھاری ہوگئی ہو یا حمام میں جسکی ہوا گرم ہو آدمی بند کیا جائے تو گھٹ کر مر جائے گا۔ ہاں اگر کوئی اس طرح بند کر کے پھر نکالا جائے تو البتہ ہوا کو بڑی نعمت سمجھے گا مثل مشہور ہے ؏ قدر نعمت ہست بعد از زوال۔ یہ بڑی جہالت ہے کیونکہ اس صورت میں شکر اس بات پر موقوف ہوا۔ کہ نعمت ان سے چھن جائے اور پھر کسی وقت دی جائے جب اُس کی قدر جان کر شکرگزاری کریں حالانکہ ہر وقت نعمت کی شکرگزاری لازم ہے۔ رحمت الٰہی سب پر عام ہے اور ہر حال میں ہر ایک پر مبذول ہے تو اُس کو جاہل آدمی نعمت نہیں جانتا۔ غرض انسان کا یہ حال ہو رہا ہے کہ وہ اس نعمت پر شکرگزار ہوتا ہے جس میں کوئی اختصاص پایا جائے۔ مثلاً مال ملجائے تو بہت شکرگزار ہوگا۔ مگر بدن میں جو ہزاروں نعمتیں خدا نے پیدا کی ہیں اُن کا شکر نہیں کرتا۔ روایت ہے کہ بعض فقرا نے کسی اہل دل سے شکایت اپنی مفلسی کی کی اور اُس کے باعث اپنا شدت سے غمگین رہنا بیان کیا۔ حضرت اہل دل نے فرمایا کہ تمھیں یہ منظور ہے کہ اندھے ہو جاؤ اور دس ہزار درہم لو

اُنھوں نے انکار کیا۔ ان حضرت نے فرمایا کہ دس ہزار درہم لو گونگے ہو جاؤ اُنھوں نے انکار کیا۔ پھر اُن حضرت نے فرمایا کہ دس ہزار درہم کی عوض تم کو لنجا لولا ہونا منظور ہے اُنھوں نے کہا کہ نہیں پھر اُن حضرت نے کہا کہ دس ہزار درہم کے عوض میں دیوانہ بننا منظور ہے اُنھوں نے کہا کہ نہیں پھر اُن حضرت نے فرمایا کہ تمکو اپنے آقا کی شکایت کرنے سے شرم نہیں آتی کہ باوجودیکہ پچاس ہزار درہم کی مالیت اُس نے تم کو دی پھر شکایت کرتے ہو۔ غرض انسان کی طبیعتیں اسی طرف مائل ہیں کہ نعمت خاص ہی کو نعمت جانتے ہیں نہ عام کو۔ لیکن اگر بشر اپنے حال پر غور کرے تو وہ اپنے میں ایک نعمت یا چند نعمتیں ایسی ضرور پائے گا جو اُس کی ذات کے ساتھ مخصوص ہونگی اور اُن میں کوئی دوسرا شریک ہوگا۔ تین باتوں میں ہر کوئی اُس کا مُقر ہے اوّل عقل دوم خلق سوم علم عقل کے باب میں تو یہ مثل مشہور ہے۔ کہ ہر کس عقل خود را بکمال نماید۔ کوئی خدا کا بندہ ایسا نہیں جو اپنی عقل سے خوش نہ ہو۔ اور اپنے تئیں عقیل تر نہ سمجھتا ہو۔ یہ عقل ہی کو شرف ہے کہ جو اُس سے خالی ہے وہ بھی اُس سے خوش ہے۔ اور جو اُس سے متصف ہے وہ بھی۔ پس جب ہر کوئی اپنے اعتقاد کے موافق سب لوگوں سے زیادہ عقل رکھتا ہے تو واقع میں اگر ایسا ہے تو اُس پر شکر اس نعمت کا واجب ہے۔ خلق کا حال یہ ہے کہ کوئی بشر ایسا نہیں جو دوسرے شخص میں کچھ عیب ناپسند نہ کرتا ہو۔ اور بعض اخلاق دوسرے کی بُرے نہ جانتا ہو۔ دوسرے کی مذمت اس لئے کرتا ہے کہ اپنے تئیں اُن اخلاق سے بری جانتا ہے جب اپنے میں دوسرے کی برائی نہ جانتا ہو تو چاہیئے کہ خدا کا شکر بجا لائے کہ میری عادت اچھی بنائی ہے اور بری عادتیں میں دوسروں کو مبتلا کیا۔ علم کا حال یہ ہے کہ کوئی بشر ایسا نہیں جو اپنے نفس کے امور باطن اور افکار خفیہ ایسے نہ رکھتا ہو جو خاص اُس میں ہوں اور اگر اُن پر ایک شخص بھی مطلع ہو جائے تو یہ فضیحت ہو جائے۔ اور اگر سب لوگ اُس کی اُن باتوں پر واقف ہو جائیں تو معلوم نہیں کہ کیا صورت بنے غرض کہ ہر ایک بشر کو علم ایک امر خاص کا ہوتا ہے کہ اُس میں کوئی بندۂ خدا شریک نہیں ہوتا ایسی صورت میں وہ شخص حق تعالیٰ کی

پردہ پوشی کا شکر گزار کیوں نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ نے اُس کے عیوب پوشیدہ رکھے اور لوگوں کی نظر سے غائب رکھا اور اچھی بات کو ظاہر کیا۔ اور بُری بات کا علم سوا اُس کے کسی اور کو نہ ہونے دیا۔ یہ نعمتیں خاص ایسی ہیں جن کا اقرار ہر ایک شخص کرتا ہے۔ افسوس ہے کہ زن و مرد و جوان و پیر عالمِ ہوس میں کور چشم ہو کر ہوروگمس بن رہے ہیں۔ قضائے الٰہی پر صابر ہو کر شاکر نہیں بنتے۔ یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ خدا نے ہم کو ایسی نعمتیں دی ہیں کہ اگر ہمارا ہر بال زبان بن جائے اور وہ ہزار جان بن کر شکر ادا کرے تو بھی نہ ادا ہو۔

(۳۵) خوف و رجا

اگر دل میں کسی چیز کے وجود کا خطرہ زمانۂ آیندہ میں ہو اور یہی خطرہ دل پر چھا گیا ہو تو اُس کا نام انتظار اور توقع ہے جس چیز کا انتظار ہے اگر وہ بری ہو کہ اس سے دل پر صدمہ ہو تو اُس کے انتظار کو خوف کہتے ہیں غرض خوف درد دل اور سوزش درونی کا نام ہے جو زمانہ آیندہ کے لیے بُری توقع کے سبب پیدا ہوتا ہے۔ اگر وہ شئ محبوب ہو تو اُس کے ساتھ لگاؤ رہنے سے اور اُس کے سوچنے سے دل کو راحت اور لذت معلوم ہوتی ہو تو اس راحت حاصل کرنے کا نام رجا ہے اِس سے معلوم ہوا کہ رجا کی تعریف یہ ہے کہ جو چیز دل کو محبوب ہو اُس کے انتظار میں دل کا خوش ہونا۔ ظاہر ہے کہ جو چیز محبوب ہوگی اُس کی توقع کرنے کا کوئی سبب بھی ہوگا۔ پس اگر اِس جہت سے اِس کا متوقع ہے کہ اُس کا اکثر سامان اپنے پاس موجود ہے تو ایسی توقع پر رجا کا کہنا درست ہے اگر اسباب بالکل نہ ہوں یا ابتر اور بے کینڈے ہوں تو اُس صورت کی توقع کا نام غرور اور بے وقوفی رکھنا چاہیئے۔ اِس پر رجا کا نام نہیں پھبتا۔ بہر حال رجا اور خوف ایسی اشیا پر بولتے ہیں جنکے ہونے میں تردد ہو اور جن کا وجود یقینی ہو وہاں رجا نہیں بولتے مثلاً صبح میں آفتاب کے نکلنے کو رجا نہیں کہیں گے اور آفتاب کے شام کے غروب ہونے کو خوف نہیں کہیں گے۔ کیونکہ طلوع و غروب یقینی ہیں مگر یہ کہیں گے کہ مینہ برسنے کی رجا ہے اور خشکی کا خوف ہے۔ اگر کسی کسان نے زمین اچھی تلاش کر لی

اُس میں بیج بھی اچھی قسم کا بویا۔ گھاس اور کانٹوں سے بھی کھیت کو نلایا۔ پانی بھی وقت پر دیا۔ اور جو باتیں اُس کے اختیار میں کھیت کی حفاظت کی تھیں وہ کیں اور پھر اللہ کے فضل کا متوقع ہوا۔ کہ کھیتی کے تیار ہونے تک وہ ارضی و سماوی آفات سے محفوظ رکھ کر غلہ عنایت فرمائیگا تو اُس کی توقع کو رجا کہتے ہیں اگر تخم کسی اونچی زمین میں ڈالا کہ جہاں پانی نہیں پہنچ سکتا۔ اور بیج کی خبر نہ لی پھر منتظر کھیت کاٹنے کا ہوا تو اُس کے انتظار کو رجا نہ کہیں گے بلکہ بیوقوفی اور حمق بولیں گے۔ اگر تخم اچھی زمین میں بویا لیکن اُس میں پانی نہ تھا اور منتظر مینہ کا ایسے وقت میں کہ جس میں اکثر پانی نہیں برستا تو ایسے انتظار کا نام بھی رجا نہیں اُس کو تمنا کہتے ہیں انتظار بے سبب کا نام تمنا ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رجا صرف اُس صورت میں ہوتی ہے کہ محبوب چیز کا انتظار ہو اور جتنے اسباب کہ بندہ کے اختیار میں ہوں وہ سب ہو چکیں فقط وہی سبب باقی رہ جائے جو اُس کے اختیار میں نہ ہو۔ اور وہ فضل الٰہی کا شامل حال ہونا ہے جس کے سبب سے موانع اور آفات دور رہیں اسی طرح اگر تخم ایمان مزرعہ دل میں بو دے اور اُس کو طاعات کے پانی سے سینچے اور اخلاق بد کے کانٹوں سے زمین دل کو صاف کرے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے منتظر ثبوت ایمان کا موت کے وقت تک اور متوقع حسن خاتمہ کا جو موجب مغفرت ہی ہے تو اُس کا انتظار رجاء حقیقی اور بذات خود عمدہ کہلائے گا اور یہ رجا اس بات کی باعث ہوگی کہ جن اسباب ایمان سے لوازم مغفرت کامل ہوتے ہیں ان کی مرتے دم تک مواظبت کرے اور اگر تخم ایمان کی تو خبر نہ لی اور طاعات کا پانی بھی نہ دیا یا دل کو اخلاق رذیلہ سے بھر رکھا اور لذات دُنیا کی طلب میں ڈوبا رہا اور پھر مغفرت کا منتظر ہوا تو یہ انتظار حمق اور غرور ہے۔ غرض بڑی غلطی ہے کہ گناہ سے نادم نہ ہو اور معافی کی توقع رکھے عمل نیک نہ کرے ثواب آرزو رکھے ؎

ہر آنکہ تخم بدی کشت و چشم نیکی داشت — دماغ بیہودہ پخت و خیال باطل بست

خوف کی حالت بھی تین چیزوں سے مرکب ہے۔ اول علم۔ دوم حال۔ سوم عمل علم سے وہ علم مقصود ہے

جس سے ادراک اس سبب کا ہو جو برائی پہنچاوے۔ مثلاً کسی شخص نے کسی بادشاہ کا قصور کیا اور پھر اُسکے ہاتھ میں اسیر ہوا تو اُس کو اپنے مارے جانے کا ڈر ہوگا ہرچند معاف ہو جانا اور بھاگ جانا بھی ممکن ہے الا اُس کے دل کو خوف کا صدمہ اُسی قدر ہوگا جس قدر قتل کے اسباب قوی ہونگے۔ اور وہ اسباب یہ ہیں کہ اپنے قصور کا بڑا ہونا۔ بادشاہ کا بذات خاص کینہ ور اور غضبناک اور انتقام کش ہونا اور اُسپر ایسے لوگوں کا محیط ہونا جو انتقام پر آمادہ کریں اور کسی سفارش کا اُس کے باب میں مانع ہونا اور خود خائف کا تمام وسائل اور حسنات سے عاری ہونا جن سے اپنے قصور کا نشان صفحہ خاطر بادشاہ سے مٹا سکے پس ان اسباب کا جمع ہونا اور ان کا علم مجرم کو ہونا سبب قوت خوف اور شدت صدمہ دل کا ہے اور جتنے یہ اسباب ضعیف ہونگے اُتنا ہی خوف بھی کم ہوگا اور کبھی خوف ایک چیز کی خاصیت جاننے سے پیدا ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص درندے کے پنجے میں گرفتار ہو تو اُس کو درندے کا خوف اس جہت سے ہے کہ اُس کو درندگی کا وصف معلوم ہے گویہ وصف درندے کا اختیاری ہے۔ کبھی خوف اس سبب سے ہوتا ہے کہ ڈر کی چیز سرشت میں داخل ہوتی ہے۔ مثلاً آگ اور پانی کا خوف جن کی سرشت میں جلانا اور ڈبونا داخل ہے۔ غرض بُرے اسباب کا علم اس بات کا سبب ہوتا ہے کہ اس سے سوزش دل اور درد درونی اُٹھے اسی سوزش کا نام خوف ہے۔ پس اسی طرح خدا کی صفات جاننے سے خوف الٰہی دل میں پیدا ہوتا ہے۔ جتنا آدمی کو اپنے گناہوں کا اور خدا کی بزرگی کا علم ہوگا اُتنا ہی خوف پیدا ہوگا جب یہ علم ہوتا ہے تو خوف کی حالت طاری ہوتی ہے کبھی بدن لاغر ہو جاتا ہے۔ کبھی رنگ زرد ہو جاتا ہے۔ کبھی بیہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ کبھی رونا چیخنا۔ کبھی خوف کا صدمہ ایسا ہوتا ہے کہ پتا پھٹ جاتا ہے اور آدمی مر جاتا ہے ایسا خوف نہایت مفید ہوتا ہے۔ اور طبیعت کو گناہوں سے روکتا ہے۔ اور طاعات کے لئے مفید ہوتا ہے جس سے تلافی تقصیر گذشتہ اور استعداد آئندہ حاصل ہو۔ جو خائف یہ عمل نہیں کرتا اسے خائف نہیں کہتے وہ خائف نہیں جو رو کر اپنی آنکھیں پونچھ ڈالے بلکہ خائف وہ ہے

کہ جس چیز میں خوفِ سزا جانے اُس کو چھوڑ دے +

(۳۶۶) حکیم ابو القاسم رح کا قول ہے کہ جو شخص کسی چیز سے ڈرتا ہے اُس سے دور بھاگتا ہے مگر جو خدا سے ڈرتا ہے وہ اُسی کی طرف بھاگتا ہے۔ ذوالنون مصری رح سے کسی نے پوچھا کہ بندہ خائف کیسا ہوتا ہے انھوں نے فرمایا کہ جیسا کہ کوئی اپنے تئیں مریض کی طرح بنا لے کہ زیادتی مرض کے خوف سے پرہیز کرتا ہے خوف کے اثر سے صفات میں شہوات کی بیخ کنی ہو جاتی ہے۔ لذت کی تلخ معلوم ہوتی ہے یہاں تک کہ جو گناہ محبوب تھے وہ بُرے معلوم ہوتے ہیں۔ اعضا میں ادب آجاتا ہے اور دل میں انکسار و تشویش و مسکنت آتی ہے۔ کبر۔ حسد۔ اور حقد دور ہو جاتی ہے۔ بلکہ تمام ہمت اپنی ہی خوف میں صرف کرتا ہے اور اپنے انجام کار کا خطرہ مد نظر رکھتا ہے +

(۳۷) ریا

ریا مشتق رویت سے ہے جس کے معنی دیکھنے کے ہیں۔ ریا کے اصلی معنی یہ ہیں کہ لوگوں کو اچھی خصلتیں دکھا کر اُن کے دلوں میں قدر و منزلت حاصل کرنی لیکن جاہ و منزلت کا دلوں میں حاصل ہونا سوائے عبادات کے اور اعمال سے بھی ہو سکتا ہے اور عبادات سے بھی لیکن بحکم عادت ریا خاص اسی صورت کا نام ہو گیا ہے جس میں لوگوں کے اندر منزلت کی طلب عبادات کی جہت سے مقصود ہو۔ پس ریا کی تعریف یہ ہوئی کہ خدا کی طاعت سے مخلوق کے دلوں میں اپنی قدر و منزلت کے پیدا کرنے کا ارادہ کرنا۔ اب یہاں چار چیزیں ہیں ایک ریا کرنے والا وہ تو عابد ہے ایک جس کے لئے ریا کیا جائے۔ وہ آدمی ہیں کہ اُن کو دکھلانا منظور ہے۔ اور اُن کے دلوں میں منزلت مطلوب اور ایک جس چیز کو دکھلانا منظور ہے وہ خصلتیں ہیں جو ریا کار ظاہر کرنا چاہتا ہے اور ایک خود ریا ہے یعنی اُن خصائل کے اظہار کا قصد۔ جن چیزوں میں کہ ریا کو دخل ہے وہ پانچ قسم ہیں۔ یعنی آدمی لوگوں میں نمود پانچ چیزوں میں کر سکتا ہے بدن۔ ہیئت۔ قول۔ عمل۔ ساتھ کے لوگ اور اشیاء خارجی۔ دنیا دار بھی انھیں پانچ قسموں میں نمود کرتے ہیں۔ مگر اُن کا ریا خفیف ہے۔ دین میں ریا کاری کی برابر کوئی بُرائی نہیں + ریا کی دو قسمیں ہیں

ایک جلی ایک خفی۔ جلی وہ ہے کہ جو آدمی کو باعث عمل کا ہو گو قصد ثواب نہ ہو۔ ریاکار خود جانتا
ہے کہ میں نے ریا کیا۔ ریا خفی یہ ہے کہ اپنے عمل پر آدمیوں کے مطلع ہونے سے خوش ہو مثلاً
بہت سے عابد ایسے ہیں کہ عمل میں اخلاص کرتے ہیں۔ لیکن جب اس عمل پر لوگ مطلع
ہوتے ہیں تو اُن کو سرور اور راحت معلوم ہوتی ہے۔ اور دل پر سے عبادت کا بوجھ فی الجملہ اُتر جاتا ہے
تو یہ سرور ریاء خفی پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ اگر دل کا التفات لوگوں کی طرف نہ ہوتا
تو اُن کے مطلع ہونے پر سرور ہرگز نہ آتا۔ تو معلوم ہوا کہ جیسے آگ پتھر میں پوشیدہ رہتی ہے
اسی طرح یہ ریا بھی دل میں پوشیدہ تھا کہ لوگوں کی اطلاع بمنزلہ چقماق ہو گئی کہ اُس میں سے
فرحت و سرور کا اثر ظاہر کر دیا۔ انسان کا ریا سے خالی ہونا بڑا دشوار ہے۔ کچھ نہ کچھ اس کی
عادت بچپنے سے پڑتی ہے۔ بڑی مشکل سے وہ دور ہو سکتا ہے۔ ریا کی اصل تین چیزیں
ہیں اوّل تعریف کی لذت سے محبت۔ دوم مذمت کی رنج سے نفرت۔ سوم طمع لوگوں کے
قبضہ کی عبادت کا اظہار ان چیزوں کے لئے تو معیوب ہے۔ مگر ہاں اس نظر سے ہو کہ لوگ
پیروی کریں تو برا نہیں آدمی کو چاہئے کہ ظاہر و باطن کو یکساں رکھے۔ ایک ریا تو اپنی
خوبیوں کے اظہار میں ہوتا ہے۔ دوسرا ریا اپنے گناہوں کے چھپانے میں ہوتا ہے۔
یوں تو ہر انسان اپنے دل و اعضاء ظاہری سے گناہ کر کے چھپاتا ہے اور لوگوں کا
اُن پر مطلع ہونا برا جانتا ہے۔ یہ کچھ برا بھی نہیں کہ آدمی اپنے ہم جنس سے اپنے گناہ کو
چھپائے۔ کیونکہ جب آدمی سخت بے حیا ہو جاتا ہے تو اس کو اپنے گناہوں کے ظاہر ہونے
کی پروا نہیں رہتی۔ مگر ریاکار اپنے عیبوں کو اس لئے چھپاتا ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ متقی
اور پرہیزگار ہے۔ وہ اپنے تقوے کی تعریف چاہتا ہے اور اس کا غم کرتا ہے کہ لوگ میرے
متقی ہونے کی تعریف کیوں نہیں کرتے یہ امر نہایت مذموم ہے۔

(۳۸) جیسا ریا ہے ویسا ہی سمعت ہی یعنی بندہ اس سبب سے طاعت خداوند کرے کہ
اس کا آوازہ لوگ سنیں اور تعریف کریں جس سے اُس کو دنیاوی فائدے حاصل ہوں

آدمی خوب سمجھ لے کہ آراستگی ظاہر کردار اور پاکیزگی جبہ و دستار روز شمار کو کچھ کام نہیں آئے گی جب تک کہ طاعت خالص نہ ہوگی۔ جو لوگ انواع طاعات میں سعی بہت کرتے ہیں اور رات دن کوئی دقیقہ قیام وصیام میں نہیں چھوڑتے ہیں اور کیسہ جان کو نقود طاعات سے پر کرتے ہیں اور اُس کو متاع نجات جانتے ہیں ناگاہ طرار دنیا و دین سمت دریا کی کمند اُن کے اعمال کے گھر میں ڈال کر ان کی حیات کے نقود کو چرا کر لے جائے گا۔ جو لوگ اعمال حسنہ سے تحصیل دنیا غرض رکھتے ہیں اُن کا صلہ فقط یہی ہے کہ دنیاوی مراد یں اُن کی حاصل ہوجائیں اور اُن کے کاموں کا ثواب دنیا میں مل جائے۔ خدا کی بندگی کا حال بیج کا سا ہے جب خاک کے اندر پنہاں ہوتا ہے تو اُگتا ہے اور جو خاک سے باہر ہوتا ہے وہ نہیں اُگتا یعنی جب بندگی مخفی ہوتی ہے وہ مثمر ثواب اور نتیجہ رستگاری ہوتی ہے اور جو ظاہر ہوتی ہے وہ ضائع اور باطل ہوتی ہے +

(۳۹) قلب و حفظ قلب

خانۂ دل کی کنجی ہنر میں نہیں ہے بلکہ جد و حقیقت بینی ہے اگر دل باطل خیالات سے نہ پاک ہو تو پھر اُس سے کوئی کام نہیں نکلتا۔ وہ دل کہ شراب و بیانہ و خواب کے اسباب میں مصروف رہتا ہے وہ غافل و بدرگ ہے اور جس کا دل ایسا ہو اُس میں ایک دیوانہ کتا بیٹھا ہے۔ اُسکی طبیعت و خوکھیتی کی سی ہے کہ استخوان اپنے آگے رکھتا ہے۔ ایسے کُتے کو بڑے عذاب دے کر مارنا چاہیئے۔ دل میں نور پیدا کرنا چاہیئے کہ نار سے بچاؤ ہو اور خدا کے آگے خوار نہ ہو منزل دل میں رنج و رتج کام نہیں آتا۔ اس سے سوا درد دل کچھ اور نہیں حاصل ہوتا۔ باطن کا نام دل ہے۔ وہ ظاہر سے باہر ہے جیسے دماغ میں مغز اور تخم کتان اور فتیلہ میں نور چراغ رہتا ہے اسی طرح دل میں دین رہتا ہے۔ جو دل نفس امارہ پر غالب ہوا وہ سردار و سردار ہوا۔ وہ دل دل ہی نہیں ہے کہ عقبے کو تھوڑی دنیا کے لئے فروخت کرے اور حرص و آز میں گرفتار ہو۔ دل آب و گل سے نہیں بنتا جس دل میں حرص و ہوس بھری ہو

وہ علم ایزدی سے بے بہرہ ہو۔ بلکہ ایک پارہ گوشت گندہ ہو جب دل بد ہو جاتا ہے تو سلطنت بدن تباہ ہو جاتی ہے ضعیف شاہ سے لشکر ہمیشہ ضعیف ہو جاتا ہے۔ انسان کا جسم ستم نہیں کرتا بلکہ دل کا کینہ ظلم کرتا ہے۔ ایسا دل گرگ و سگ سے زیادہ سفلہ ہوتا ہے جیسا کُتّا لالچی و گرگ درندہ ہوتا ہے ایسا سفلہ مکر و خوشامد کا بندہ ہوتا ہے +

(۴۰) دل کو جھوٹی امیدوں کے الم میں نہ ڈال بلکہ ایسا تابع بنا جیسا کہ تیر سے ہاتھ میں قلم ہے اگر اُس کو راہِ خدا میں نہ چلائے گا تو وہ زنگی کی طرح سیاہ ہو جائے گا جس کو مغز دل نہیں حاصل وہ دل میں دین نہیں رکھتا۔ تو نے پارۂ گوشت کا نام دل رکھ چھوڑا ہے جس سے دل خجل ہوا جاتا ہے۔ تو دل سے غافل و بے خبر ہے۔ دل اور ہے تو اور ہو رہا ہے دل کے پر و بال خرد سے ہوتے ہیں۔ تن بے دل کے مٹی کا تودہ ہے جب درخت خرما کا دل کاٹ ڈالو تو وہ خشک بے برگ میں کھڑا رہتا ہے۔ ایسے ہی انسان کے دل کی حقیقت ہے۔ کہ وہ ہی انسان کا باطن ہے وہ باطل ہو جائے تو پھر کچھ باقی نہیں رہتا۔ دل میں دین اور دماغ میں عقل ہوتی ہے۔ دین روزن ہے عقل چراغ ہے۔ روزن کے لئے تو آفتاب انجم سوز چاہیئے وہ چراغ سے روشن نہیں ہو سکتا۔ دل منظر ربانی ہوتا ہے حجرہ دیواری نہیں ہوتا جو دل اس جہان کے ساتھ خوش بن رہا ہے وہ دل نہیں ہے بلکہ پارۂ پوست ہے۔ جاہلوں نے شکل صنوبری کا نام دل رکھ چھوڑا ہے۔ اس کا نام دل مجازاً ہے اس کو کتوں کے آگے ڈال دے۔ دل وہ ہے جس کو عقل پر بھی مہتری ہے۔ نہ اُس کی شکل صنوبری ہے +

(۴۱) دل ہمت ہیچ سے قوی نہیں ہوتا۔ بلکہ تسلیم کی معجون مفرح سے قوی ہوتا ہے اولیا ہی معجون مفرح شفاخانۂ رضا میں بناتے ہیں۔ یہاں دنیا میں آدمی مٹی کھاتے ہیں جس سے زرد روئی حاصل ہوتی ہے سرخ روئی نہیں ہوتی۔ اس دنیا کے نان و جامہ سپید سے سیاہی دل زیادہ ہوتی ہے۔ جامۂ نرم سے تیرہ دل سخت ہوتا ہے۔

خورشِ خویش تیری شرم کھوتی ہے۔ پوست کی خوبی پر مغرور نہ ہو۔ بہت سے دلق پوش تجھسے زیادہ خوش ہیں۔ خوش خوئی کچھ کلاہ و دیبا پر موقوف نہیں ہے جس دل میں غم کا گھر ہے وہ دل نہیں خانہ خون ہے۔ جس احمق کا دل حرص زیادہ کرتا ہے وہ زیادہ ڈھونڈتا ہے اور کم پاتا ہے۔ تجھکو اپنے دل کی تقویت خدا کی راہ سے کرنی چاہیئے۔

(۴۲) طہارت

طہارت کے معنی ستھرائی کے ہیں۔ اب ستھرائی دو طرح کی ہے ایک یہ کہ ظاہر بدن کو نجاست و فضلول و غلاظت سے پانی بہا کر صاف و شستہ کریں جس سے ظاہری ستھرائی ہو جائے۔ اس ستھرائی سے یہ فائدے ہیں کہ صورت پاکیزہ ہو جاتی ہے۔ اور وہ صحت کی بھی معاون ہوتی ہے۔ دوسری ستھرائی یہ ہے کہ باطن کو ظاہر کرے۔ پلیدیوں اور نجاستوں سے یعنی اخلاق بد اور خصائل ناپسندیدہ سے باطن بھر رہا ہے اگر پاک کرے۔ جب تک دل اخلاق بد اور عقائد فاسد سے بھرا رہے گا پاک نہ ہو گا۔ اس میں اخلاق حمیدہ کو جگہ نہیں ملے گی۔ اس لئے ہر مذہب میں طہارت باطنی عبادت کے لئے ایک امر اہم قرار پایا ہے۔ اور ظاہری طہارت کو باطنی طہارت کی تمہید بنایا ہے۔ اس ظاہری طہارت کو عبادت سمجھنا جیسا کہ عوام سمجھتے ہیں غلط ہے۔ وہ طہارت کا ادنیٰ درجہ ہے اوپر کے درجہ کو آدمی جبتک نہیں پہونچتا جب تک کہ ادنیٰ درجہ کو نہیں پہونچے۔ جو شخص ہاتھ منہ کی میل کچیل کو دھو کر صاف نہیں رکھ سکتا وہ کیسے باطن کو اخلاق ذمیمہ سے پاک کر کے صفات محمودہ سے معمور کرے گا۔ یہ ظاہری اعضا کی طہارت باطن کی طہارت کے سکھانے کی ابتدا ہے۔ جو کوئی اس ابتدا ہی میں رہ گیا وہ انتہا پر نہیں پہونچا۔ جس قدر مقصود عزیز و شریف ہوتا ہے اسی قدر اس کا طریق اور مسلک مشکل اور طویل ہوتا ہے اور اس میں گھاٹیاں بہت ہوتی ہیں یہ خیال کرنا نہیں چاہیئے کہ یہ باتیں آرزو سے حاصل ہو جاتی ہیں اور بدون کوشش سہل الوصول ہوتی ہیں ہاں جب شخص کی چشم دل

اندھی ہوتی ہے وہ طہارت صرف ظاہر کی طہارت کو سمجھتا ہے جس کو طہارت باطنی سے وہ نسبت ہے جو پوست کو مغز سے۔ غرض آدمی کو چاہئے کہ اپنی تمام ہمت اور فکر دل کے پاک کرنے میں مشغول کرے۔ اور ظاہری طہارت بقدر حاجت کرے۔ زائد از حاجت سے کچھ فائدہ نہیں بلکہ جوہر نفیس اپنی عمر کا جس سے اور عمدہ فوائد لے سکتے ہیں رائگاں کرتا ہے۔ نجاست ظاہری کے دور کرنے میں تین باتیں ہوتی ہیں۔ ایک جس چیز کو دور کریں اور ایک جس چیز سے دور کریں۔ اور ایک جس طریق سے دور کریں اس پر تو ساری دنیا کا اتفاق ہے کہ پانی سے نجاست کو دور کرتے ہیں مگر اس میں اختلاف ہے کہ کون کونسی چیزیں نجس ہیں جنہیں پاک کرتے ہیں اور کن طریقوں سے وہ دور ہو سکتی ہیں ؞

(۴۳) تقلید

تقلید میں اپنے حال سے بے خبری اور اوروں کے حال پر توجہ کرنی ہوتی ہے۔ دل پر اوروں کے پرتو پڑنے سے تقلید پیدا ہوتی ہے جب وہ پرتو پیاپے پڑتا ہے تو مقلد اسکو تحقیق جاننے لگتا ہے جب دل پر نقش تقلید جم جاتا ہے تو ہر نیکی پر آفت آجاتی ہے۔ تقلید خواہ کوہ کی طرح قوی ہو تو بھی کاہ کی طرح بے حقیقت ہے۔ اندھا خواہ کیسا ہی فربہ اور تیز خشم ہو مگر بغیر آنکھوں کے وہ گوشت کا لوتھڑا ہی ہوتا ہے۔ یہی حال عقلا کا ہے خواہ بال سے زیادہ باریک باتیں وہ کہیں مگر اس کے دماغ کو ان سے خبر نہیں ہوتی۔ مگر ہاں وہ اپنی باتوں سے آپ ہی مست ہوتا ہے اس کا حال ندی کا سا ہوتا ہے کہ خود تو پانی نہیں پیتی مگر اوروں کو پلاتی ہے اس میں جو پانی جاری رہتا ہے اور قرار نہیں پکڑتا تو اس کا سبب یہی ہے کہ وہ پیاسی اور آب جو نہیں ہے۔ نے کی طرح وہ نالہ زار کرتا ہے مگر سب بیکار۔ مقلد و محقق میں بڑا فرق ہے۔ ایک لحن داؤدی ہے دوسری صدا ہے۔ مقلد کینہ آموزی کرتا ہے محقق کی گفتار دل میں سوز پیدا کرتی ہے مقلد کا حال ایسا ہے جیسے کہ ٹہلی یا چھکڑے پر بوجھ کا۔ مقلد کو بھی اپنی نوحہ گری کی مزد ملجاتی ہے۔ وہ حدیث کو خوش گر ہوتا ہے مگر سوا طمع کے اس خبیث کی

کچھ اور غرض نہیں ہوتی۔ مومن و کافر خدا کہتے ہیں مگر اُن میں فرق بہت ہوتا ہے۔ گدا
جو خدا خدا کرتا ہے صرف نان کے لئے ہے۔ مُتّقی جو خدا کہتا ہے وہ جان کے واسطے۔ یہ
نان خواہ برسوں خدا خدا کرتا ہے جیسا گدھا گھاس کے لئے مُصحف کا بوجھ اُٹھاتا ہے
ایک حکایت تہدید کے لئے لکھتے ہیں جس سے تقلید کی آفت معلوم ہو۔ ایک صُوفی خانقاہ
میں اُترا اُس نے اپنے گدھے کو خوب دانہ گھاس کھلا کے احتیاط سے باندھ دیا۔ وہاں
خانقاہ میں ایک صوفیوں کا گروہ اُترا ہوا تھا۔ انھوں نے اُس گدھے کو لے جا کر بیچ ڈالا
اور اُس کی قیمت سے کھانا خرید کے لائے اور شمع روشن کی۔ اور مجلس سماع خوب جمائی۔
پھر اُس صوفی کو بلایا۔ کوئی اُس کے پاؤں پر گرتا تھا۔ کوئی ہاتھ چومتا تھا۔ کوئی اس کے
چہرہ پر سے گرد جھاڑتا تھا۔ کوئی اُس کو صدر مقام پر بٹھاتا تھا۔ پھر سب نے کھانا کھایا۔
پھر بعد سماع شروع ہوا۔ مطرب نے آخر میں یہ گانا شروع کیا۔ خر برفت و خر برفت و خر برفت
تقلید کر کے اُس صُوفی نے بھی یہ کہنا شروع کیا کہ خر برفت و خر برفت و خر برفت
پس جب مجلس ختم ہوئی۔ خانقاہ خالی ہوئی۔ صوفی اپنا اسباب حجرہ سے نکال کر آمادہ سفر
ہوا۔ آخر خر کے پاس گیا تو وہاں اُس کو نہ پایا۔ آدمی کو تلاش کیا تو لوگوں نے کہا کہ
وہ گدھے کو پانی پلانے گیا ہے۔ کل گدھے نے کم پانی پیا تھا۔ جب نوکر آیا تو صوفی نے
پوچھا کہ گدھا کہاں ہے۔ اُس نے کہا کہ میں کیا جانوں۔ غرض لڑائی شروع ہوئی۔ صوفی
نے کہا کہ گدھا میں نے تیرے سپرد کیا تھا۔ جو چیز میں نے تجھ کو دی تھی وہ میں تجھ سے
لوں گا۔ نہیں قاضی پاس پکڑ لے جاؤنگا۔ اُس نے کہا کہ صوفیوں نے مجھ پر حملہ کیا
وہ قوی تھے مجھے جان کا خوف ہوا۔ کہ صوفی مجھ سے زبردستی چھین کر لے گئے صوفی
نے کہا کہ مجھے تم نے اس کی خبر کیوں نہیں کی میں اپنا گدھا اُس سے واپس لیتا جو لے گیا تھا
اب سب چلے گئے تو یہ کہتا ہے۔ پہلے تو علاج تھے اب کوئی نہیں معلوم نہیں لوگ کدھر گئے
اُس نوکر نے کہا کہ واللہ میں بار بار اس بات کے کہنے کے لئے آیا۔ مگر آپ کی زبان سے جب سنا تو یہ

سُنا کہ خر برفت و خر برفت۔ تو میرا لٹّا یہ جان کر چلا گیا کہ آپ کو معلوم ہے۔ تو صوفی نے کہا کہ سب وہ اِن الفاظ کو خوب طرح سے کہتے تھے۔ مجھے بھی اِس میں لذّت آئی میں بھی تقلیداً کہنے لگا۔ ایسی تقلید پر دو سو لعنت ہے کہ

(۴۴) انسان کی سیرت ستودہ

جس انسان کی نیک سیرت نہیں وہ انسان نہیں جس کا مزاج سرتا پا زور ہے وہ آدمیت سے دور ہے۔ آدمی کا نیک رُو ہونا نیکی نہیں ہے بلکہ خوب نیکو اُس کی نکوئی ہے جس آدمی کا باطن تیرہ اور ظاہر اچھا ہو وہ ایسا ہے جیسے کہ دیبا کا استر کنبل ہو۔ جیسے کہ زنگی کا روے سیاہ کوڑھی کے روے سفید سے اچھا ہوتا ہے ایسا ہی وہ شخص اچھا ہوتا ہے جو ظاہر میں عیب رکھتا ہے اور باطن میں خوبی نکو۔ بعض آدمی شراب کی طرح تلخ ہوتے ہیں مگر اُن میں صفائی اپنا مُنہ دکھاتی ہے۔ بعض آدمی بدخو نیک رو ہوتے ہیں اُن کا حال ایسا ہوتا ہے جیسے کہ بدخط کا کاغذ منقش سے لکھا ہوا۔ نیک خوئی سے ہلیلہ با وجود سخت و ترش ہونے کے روشنی چشم کا باعث ہوتی ہے۔ بدخو میں خشم و جفا جو خانہ خیز ہوتے ہیں کرم و لطف کا نام نہیں ہوتا۔ اس کا حال ایسا ہوتا ہے جیسے کہ پُرانی قبر کا کہ اس کے دیکھنے سے آدمی کا دل گھبراتا ہے اور اُس پر جو پھول چڑھاتا ہے تو اُس سے کانٹا پیدا ہوتا ہے۔ جو بزرگی بزرگی رکھتے ہیں وہ چھوٹوں کی گرمی کو ہیچ پر رکھتے ہیں۔ اُن کا حال دریا کا سا ہوتا ہے کہ اُس کے سینہ پر غبار نہیں ہوتا خواہ باران اُسپر کیسی ہی سنگساری کرے وہ سمندر کی سی سمائی رکھتے ہیں۔ کوئی غلاظت اُن کو ناپاک نہیں کر سکتی خوب سے نیک خدا کا نور چمکتا ہے۔ وہ بالوں کی طرح اپنی خوشبو سے سپید ہوتی ہے۔ کمینوں کا بزرگوں کو آزار پہنچانا ایسا ہے جیسے کہ بھیڑ کا بھیڑیے کی دُم کا پکڑنا یا خس و خاشاک پر شمع و چراغ کا رکھنا۔ کمینے دفعتہً دولت پانے سے بزرگ نہیں ہو جاتے بلکہ اُن کا حال اُس شعلہ کا سا ہوتا ہے کہ دفعتہً اُٹھتا ہے اور جلد بجھ جاتا ہے۔ یا چیونٹیوں کا سا ہوتا ہے

کو پر نکلتے ہی عدم کی طرف پرواز کرتی ہیں۔ جو کج طبع ہیں اُن کا حال دائرہ کا سا ہے کہ وہ
بغیر کج روشی کے رہ نہیں سکتی جس کی خلقت میں سیہ روئی ہو وہ اُبٹنے اور غازہ سے
سُرخ نہیں ہوسکتا۔ زنگی کا چہرہ جو سیاہ ہوتا ہے وہ کیا شنگرف سے سُرخ ہوسکتا ہے
سانپ خواہ کنگرہ پر ہو یا چاہ میں وہی اُس کی صورت رسی کی سی ہے۔ اسی طرح کج خلق
خواہ کسی حال میں ہو بدکاری سے باز نہیں رہتا۔ شیر جو شکار کی آفت جان ہے اُس کے
دست و پا سے تیغ و خنجر ہیں۔ ایسے بدکار کے دست و پا لوگوں کے لئے ایک آفت ہیں۔
پس جب بدی دل کے اندر بیٹھ جاتی ہے تو وہ بدی ہی خود خیال میں نیک نظر آتی ہی
جو گرگ کہ میش کا خون پیتا ہے وہ میش کے دل کے رنج کو نہیں جانتا۔ نقب زن اپنی
کاوش پر فخر کرتا ہے جواری اپنے داؤ پر۔ جیسے کہ بوم سایہ مبارک نہیں رکھتا۔ ایسے ہی
شوم پیشہ مبارک نہیں کرتا۔ بدخو سیرت زیبا رکھ ہی نہیں سکتا۔ ملک الموت مسیحا بن ہی
نہیں سکتا۔ سیہ رو کبھی سرخ رو ہو ہی نہیں سکتا۔ مگر ہاں اُس کا پوست اُتارا جائے
تو وہ سرخ ہو جائے۔ جو ہنرور ہوتے ہیں وہ اپنے مقدور کے موافق دوسرے کا کام کرتے ہیں
استاد و پیر تپ زدوں کی نبض ہاتھ میں لیکر دستگیری کرتے ہیں۔ اِس دنیا میں تو
اوروں کے لئے نفع ڈھونڈ اگر تیرا نفس منع کرے تو اُس کو منع کر۔ ہر تن میں خلق نیک
کچھ ضرور ہوتا ہے لیکن نفس سرکش اسکا رہزن ہوتا ہے۔ اگر صندل کے درخت کو سانپ
نہ گھیرتا تو وہ ہر جگہہ پہنچتا اسی طرح انسان اپنے خوش خلقی سے فائدہ پہنچاتا اگر اس کا
نفس امّارہ نہ بہکاتا۔ سیر ہونے سے کتّے کا جوش جاتا رہتا ہے۔ مگر مرد آسودہ اور فتنہ
ہوجاتا ہے۔ زر کا محک پتھر ہے اور آدمی کا محک زر ہے۔ جو نیکو کرم ہیں وہ زمانہ کی آفات
خود اُٹھاتے ہیں مگر اوروں کو منفعت پہنچاتے ہیں اِن کا حال موتی کا سا ہوتا ہے کہ
گھُٹنے پِسنے پر بھی وہ بیکار نہیں ہوتا سرمہ چشم بنتا ہے۔ ناکس اگر باغ میں بھی ہو تو اُس کا
مال مردار بن کر دماغ کو پراگندہ کرتا ہے۔ جن آدمیوں میں ہنر سیکڑوں ہوا کرتے ہیں

اگر ان کو سرزنش کرو تو وہ شرمندہ ہوتے ہیں۔ مگر جو حرم زدگی سے موچھوں پر تاؤ دیتے
ہیں وہ کبھی شرم وحیا کے پاس نہیں آتے۔ مسخرے بنتے ہیں اور چھپتے کھاتے ہیں اس سے
وہ کبھی بلند مرتبہ نہیں ہو سکتے۔ سگ کوے نشین ہونے سے شیر نہیں بن سکتا۔ جیسے
چھلنی سیکڑوں چھیدوں کے ہونے سے بیکار نہیں ہوتی۔ اور لگن ایک چھید کے ہونے سے
بیکار ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی بدکار اپنے تئیں بیکار سیکڑوں عیبوں سے نہیں جانتے۔ اور
نیکوکار اپنے میں ایک عیب کو دیکھتے ہیں تو اپنے تئیں بیکار جانتے ہیں۔ اگر ہنرور کو بے ہنروں
سے پالا پڑتا ہے تو حسرت و افسوس نہیں کھاتا ہے کیونکہ وہ کھانے کی چیزیں نہیں ان کے
کھانے سے اور زیادہ گرسنگی ہوتی ہے۔ نیک آدمی حاسد کی سزا کے درپے نہیں ہوتا
کیونکہ وہ جانتا ہے کہ حسد ہی اس کی سزا ہے +

(۴۵) نصیحت فرزند

اے فرزند تو ابتداءِ عمر میں ہنر کو سیکھ وہ تجھے گنج و زر ہی نہیں دے گا بلکہ تیرے دل وجان سے
رنج لے جائے گا۔ یہ خوب جان لو کہ سب کے نصیب میں ہنر نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ خاص زندہ
دلوں کا حصہ ہے۔ جب ہنرآموزی شروع کرے تو سب سے پہلے ادب سیکھ۔ اول قرآن شریف
کسی ایسے اُستاد سے پڑھ کہ وہ ادیب بھی ہو۔ قرأت میں کامل ہو۔ الفاظ میں وہ حسنِ ادا
رکھتا ہو جس سے دل کو راحت ہو۔ قرآن شریف میں سے جو کچھ ہو سکے یاد کر۔ پھر تحصیل علوم
کی طرف متوجہ ہو۔ ہر فن میں سے کچھ مختصر یاد کر۔ ہر گلشن کے پھولوں کی خوشبو سونگھ۔ جو
سبق پیش نظر ہو جب تک وہ سمجھ میں نہ آئے نظر سے دور نہ ہو۔ علم کے ہزاروں طریقے
ہیں۔ کسی کے اندر حد سے پرے نہیں جانا چاہئے۔ عمر تھوڑی ہے فضل اور ادب بہت ہیں
ان میں سے جس کی تجھے ضرورت ہو وہ سیکھ۔ جہان کی کدورتوں سے آزاد ہو کر اُستاد
عاقل کے دروازہ کے سوا کہیں اور قدم نہ رکھ۔ اسی کی باتوں سے تجھے ادراک ہوگا
تیرا خلق اسی کی صحبت سے پاک ہوگا۔ اگر استاد سفیہ ہوگا تو اس کے طبع تیری خوئے تباہ

پیدا کرے گی۔ تجھے خط سے بھی حظ اٹھانا چاہیے۔ جو خط کہ حسن سے خالی ہے وہ کاغذ کی روسیاہی ہے حظ نہیں ہے۔ ایسا لکھو کہ لکھنے والے سے زیادہ آسانی سے پڑھنے والا اُسے پڑھے۔ قلم بھی انسان کے ہاتھ میں رزق کی عجیب کنجی ہے۔ مگر قلم کی طرح تم خط میں ایسے مصروف نہ ہو کہ سوا خط کے کوئی اور ہنر تم میں نہ ہو۔ شعر و سخن میں اگر زبان خاموش رکھو تو بہتر ہے۔ اگر وہ بحر بھی ہو تو اُس سے لب تر نہ کرو اگر وہ کان بھی ہو تو اُس سے گوہر نہ طلب کرو۔ وہ تمھارے ہنر کا کیسہ خالی کر دیں گے۔ جوانی میں ہمدردی سیکھو اور مردمی اور جوانمردی میں کوشش کرو۔ آدمی کا کام بجز بارکشی کے نہیں ہے۔ ان میں کوئی منزلِ پیری پر پہنچتا ہے۔ جب اِس منزل میں آؤ تو درویشوں کی خدمت میں دوڑنا چاہیے۔ کمالِ بینش ان سے تلاش کرنا چاہیے۔ صحبتِ ناخوش سے پرہیز چاہیے۔ بُری صحبت سے تنہائی بہتر ہے۔ خود ہی سامع اور سائل اپنا بن۔ خدا سے ہر حال میں ڈرتا رہ۔ واعظ و ناصح سے ایسی باتیں سیکھ کہ جو راہِ خدا میں تیرے قدموں میں قوت دے۔ اور کاہلی و غفلت تیرے عبادت سے دور ہو۔ نکاتِ حکمت تجھے معلوم ہوں

(۴۶) ادب

ادب کے معنی ہر ریاضتِ محمودہ کے اور ہر کوشش و سعی کے ہیں جس سے کسبِ فضیلت ہو۔ ہر چیز کی حد کی نگہداشت کو اور ہر فعلِ محمود کی تعظیم کو بھی ادب کہتے ہیں۔ تو اپنے نفس کو وہ ادب سکھا کہ بے ادب اُسے دیکھ کر با ادب ہو جائیں۔ جو ادب سکھانے کا ذوق رکھتا ہے وہ بے ادبوں کو اپنا ہی سا بنا لیتا ہے۔ جیسے آہوئے وحشی جو گھر میں دانہ کھاتا ہے وہ اور آہوؤں کو پکڑ لاتا ہے۔ جو اپنے اخلاق کی بنیاد ادب پر رکھتا ہے اُس کا فکر استاد ہو جاتا ہے۔ بزرگی کی جڑ ادب سے مستحکم ہوتی ہے۔ تو لالہ و گل کی طرح تھوڑا سا خندہ کر کہ سب کو مطبوع ہو نہ یہ کہ ایسے قہقہے لگائے کہ سب کو بیہودہ معلوم ہوں۔ بے خرد جسکو مزاح کہتے ہیں وہ خردمندوں کے نزدیک نبرد و سلاح ہے۔ اگر تمھاری ڈاڑھی

کوّوں کے پروں کی سیاہ ہو تو بگلوں کی موچھوں کی ہنسی نہ اُڑاو۔ اگر تم سمن عارض اور گلعذار ہو تو زنگی کے سامنے آئینہ رکھ کر نہ چھیڑو۔ کیونکہ کوئی زشت دنیا میں بے مصلحت نہیں ہوتا۔ ایک چینی جسکا رنگ سرخ و سفید تھا ایک زنگی پر ہنسا تو زنگی نے جواب دیا کہ میرا ایک نقطہ تیرے چہرہ کے لیے زیب ہے اور تیرا ایک نقطہ میرے لئے ایک عیب ہے۔ تجھے چاہئے کہ جو تیرا عیب بین ہو تو اُس کا ہنر دیکھ جو تجھے زہر دے اُس کو نبات دے جو تجھے مارے اُسے آب حیات پلا تاکہ تیری عقل سلامت پسند ہو اور تیرے نام کا خطبہ اخلاق میں بآواز بلند پڑھا جائے۔ خدا سے توفیق ادب کی دعا مانگ بغیر ادب کے لطف رب سے آدمی محروم رہتا ہے۔ بے ادب اپنے ہی لئے برا نہیں ہوتا۔ بلکہ اوروں کے لئے بھی۔ ادب انسان کو معصوم بناتا ہے۔ گستاخی اور بے باکی غموں کا ہجوم لاتی ہیں

(۴۷) آداب طعام

انسان کے لئے بدن کی سلامتی ضرور چاہیئے اور بدن کی سلامتی غذا پر موقوف ہے کہ بھوک کے وقت بقدر حاجت کھانا مل جائے۔ کھانے ہی سے آدمی سب کام دنیا و دین کے کر سکتا ہے اسی سے اس کی عقل ٹھکانے سے رہتی ہے۔ اب اس کھانے کی چار صورتیں ہیں۔ اول آدمی تنہا کھائے۔ دوم اپنے اہل و عیال کے ساتھ۔ سوم ملنے والے دوست آشناؤں کے ساتھ۔ چہارم تقریبوں کی دعوتیں ہیں سب صورتوں میں مقدم بات یہ ہے کہ حلال کمائی سے کھانا پیدا کیا ہو۔ اب کھانے کے مختلف طریقے ہیں۔ کوئی دسترخوان پر بیٹھ کر ہاتھ سے کھاتا ہے کوئی میز پر بیٹھ کر کانٹے چھری سے کھاتا ہے۔ کوئی کھانے کا طریقہ قابل اعتراض نہیں۔ وہ سب رسم و رواج پر موقوف ہے۔ آدمی کو چاہیئے کہ جو روکھی سوکھی بری بھلی غذا خدا دے اسے خوشی سے کھائے ناک بھوں نہ چڑھائے۔ اُس کی مذمت نہ کرے۔ اچھے کھانے والے کے معنی یہی ہیں کہ وہ سب چیزوں کو خوشی سے کھائے۔ آدمی کو اس میں کوشش کرنی چاہئے کہ میرے دسترخوان پر بہت سے ہاتھ ہوں۔ یعنے سب بیوی بال بچے ساتھ کھائیں۔ جب کھانا سامنے آئے تو جو شخص کہ بڑی عمر یا کسی کثرت فضیلت کے سبب تقدیم کا مستحق ہو پہلے بسم اللہ کہہ کر

کھانا شروع کرے۔ کھانے میں عمدہ عمدہ لطائف اور ظرائف کی باتیں ہوتی جائیں۔ کھانے میں دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح دینی چاہئے۔ مزہ دار کھانے کو یہ نہ چاہئے کہ میں ہی کھا جاؤں بلکہ یہ چاہئے کہ اوروں کو کھلاؤں۔ یہ اصرار نہ کرے کہ دوسرے کو قسمیں دے دے کر کھلائے جب مجمع کا کھانا ہو تو وہاں کوئی حرکت ایسی نہیں کرنی چاہئے جو دوسرے کو ناگوار ہو۔ مثلاً تھوکنا یا انگلیوں کو چاٹنا۔ جب تک آدمی کسی کے ساتھ کھانے کو نہ بیٹھے کہ اس کو یہ نہ معلوم ہو کہ وہ مجھے خوشی سے کھلاتا ہے۔ کسی کے ہاں اس کے کھانے کا وقت تاک کر جانا نزدیدہ پن ہے دستور کی بات ہے کہ کھانے کی صلاء آدمی دوسروں کی کرتا ہے۔ مگر اس سے غرض یہ نہیں ہوتی کہ لوگ اس کے ساتھ کھانے لگیں۔ جو لوگ اس صلاء پر چاہتے ہیں تو صلاء کرنے والے کو ان کا کھانا ناگوار ہوتا ہے۔ دعوت میں تکلف نہ کرے یہ بڑی حماقت ہے کہ لوگ قرض لے کر بڑی بڑی دعوتیں کرتے ہیں۔ ناحق تکلف کے تردد میں اپنے تئیں ڈالتے ہیں جب دوستوں کی دعوت میں تکلف ہوتا ہے تو ملاپ کم ہو جاتا ہے۔ دوستوں کے سامنے جو ماحضر ہے وہ رکھ دے۔ ان کے واسطے وہ چیز جو پاس نہ ہو منگانی نہ چاہئے۔ مہمان کو چاہئے کہ وہ میزبان پر کھانے کی فرمائش نہ کرے۔ کیونکہ اس کو بعض اوقات اس فرمائش سے دقت اٹھانی پڑتی ہے۔ مگر بعض میزبان ایسے ہوتے ہیں کہ وہ مہمانوں کی فرمائش سے خوش ہوتے ہیں۔ تو ان پر فرمائش کرنے کا مضائقہ نہیں +

مہمانوں کا بلانا اور بے تکلف ان کی دعوت کرنا نیک عادتوں میں افضل ہے۔ دعوت میں تونگر اور حقیر دونوں کو بلانا چاہئے۔ جو لوگ کہ دعوت قبول کرنے میں تکلف کریں ان کے بلانے کی ضرورت نہیں۔ بعض متکبر غریب آدمیوں کی دعوت قبول کرنے کو اپنی ذلت جانتے ہیں اس صورت میں دعوت کا منظور کرنا ذلت ہے کہ داعی مدعو کا منت کش نہ ہو بلکہ اپنا دعوت کرنا اس پر احسان جانے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ دعوت ایسے شخص کے ہاں کھاؤ کہ وہ تمہارا ممنون ہو۔ کسی مسلمان کو حقیر جان کر دعوت نہ قبول کرنی بڑی بدخلقی و تکبر ہے۔ دعوت میں جا کر

صدر مقام کی تلاش نہ چاہیئے بلکہ فروتنی چاہیئے۔ جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جانا چاہیئے دعوت دینے والے کو اپنا انتظار نہ دکھانا چاہیئے۔ نہ جلدی قبل از وقت دعوت جانا چاہیئے۔ ایک دعوت میں کبھی کھانا سب طرح کا چن دیا جاتا ہے کہ جس کے دل میں جو آئے وہ کھائے۔ کبھی ایک ایک کھانا سامنے آتا ہے۔ غرض سب کھانے سب کے آگے آتے چاہئیں خواہ وہ کسی طرح آئیں + بازاروں میں کھانا بعض بے تکلفی جانتے ہیں بعض اس کو سفلہ و کمینہ پن۔ بعض کا قول ہے کہ جہاں بھوک لگے وہاں کھائے۔ وہ یہ نہیں کرتے کہ بھوک لگے بازار میں اور جا کر کھائیں گھر میں

(۴۸) شرب خمر

شراب کا پینا ایمان و تقوی کی بنیاد کے واسطے سیل ہے اور دین اور دنیا کے سعادت کے خرمن کے لئے آتش سوزاں ہے۔ اس کے ہر جرعہ میں بغض و عناد اور ہر قطرہ میں فتنہ و فساد ہر ساغر اس کا رستگاری کونین کی کشتی کے لئے گرداب۔ اور ہر رشحہ اس کا خجلت روز حساب کا عماں۔ اس کے پیمانہ کا لب فرزانگی کے خون کا تشنہ۔ اس کے شیشہ کا گلو محلہ دیوانگی کا سر کوچہ۔ اس کے پیمانہ کی آنکھ طریق فنا ہی ہے اور اس کی صراحی کی گردن گمراہی کی راہ۔ اس کے نوشا نوش کی آواز فتنے و شر کی منادی۔ اور اس کے سبو کی قلقل رحلت عقل و شعور کا نقارہ اس سے چہرہ روشن کرنا دونوں جہان کی روسیاہی۔ اس کی مستی باعث بے دماغی۔ یہ آتش آب دماغ کو ایسا جلا دیتا ہے کہ پھر اپنے مآل کی ایک دم فکر نہیں ہو سکتی +

شراب ایک زہر شہد نما ہے۔ اس کی شیرینی سے آدمی اپنی زندگی تلخ نہ کرے۔ اور اس کی قدح زنی سے اپنی حق پرستی کو نہ چھوڑے۔ وہ ایک برق خرد گداز ہے اس سے اپنے خرمن عمر کو نہ جلائے۔ حرکات بیہودہ کر کے اپنے چراغ ایمان کو نہ بجھائے۔ اور اپنے ہوش کی دستار سرافرازی کو پائے خم میں نہ گرائے۔ اور اپنے ناموس کی پردہ دری شراب کے ہاتھ سے نہ کرائے۔ اور اپنی آزادی کی برات کو آب انگور سے نہ دھوئے۔ اور اپنے اعتقاد کو شراب سے نہ سست کرے۔ اور اپنی عقل کے بے قیمت گوہر کو جس کو استاد ازل نے دماغ میں جگہ دی ہے

شراب کے سیلاب سے اُس کی جگہہ بدلے - اور آئینہ دل کو جس کی بنیاد صنع نے چار جنیا یان عناصر اربعہ میں رکھی ہے اُس کو عالم آب کی ہوا سے مکدّر نہ کرے - اور پیالہ کی عنعنب کے پکڑنے کی عادت ڈال کر اپنے حواس خمسہ کو معطل نہ کرے - احکام مذہبی سے قطع نظر جو ارباب عقل و خرد اور صاحب تشخیص نیک و بد ہیں وہ اس آتش عقل سوز کی ہوس سے پرہیز اور احتراز واجب جانتے ہیں اور اپنے خردمند سر کو دونوں ہاتھوں سے اس شعلہ خو برق نہاد سے بچاتے ہیں اے عزیز عقل جیسی چیز کو شراب کے سر پر رکھتا ہے اور جان شیریں کو تلخی کے حوالہ کرتا ہے - اور فرمان فرماے عقل کو شراب کے زور سے پیر پر و باغ سے اتارتا ہے - شراب پینا میخانوں میں پھرنا - کوچہ و بازار میں مست ہونا - آشنا و بیگانہ میں اُفتاں و خیزاں چلنا - رندی و بیباکی میں صلا مارنا اور اس شیوہ کا نام بے تکلفی اور وسعت مشرب نام رکھنا بے ہنروں کی قوم میں ہنر شمار ہوتا ہے - اور اُن کے کمالات کا ایک جزو گنا جاتا ہے معلوم نہیں کہ دیوانہ ہونا نعرہ زنی کرنا - ہرزہ و نامربوط بکنا - کج چلنا - اور ہر دم کسی کو گالی دینا - ہر قدم پر سر راہ گر پڑنا - ہر لحظہ کسی کے کندھے کی سہارے سے چلنا - اور ہر شب فرش پاکیزہ کو قے سے آلودہ کرنا - روز آپس میں کارد و خنجر کھینچنا - مستی میں سر کو بجاے پاؤں کے رکھنا - مست و لایعقل ہونا - صبح کو ہزار زحمت سے آنکھ کھولنا - اور شام تک مردہ مبہم بزندگی رہنا کیا کمال و ہنر ہے کہ جس کے سبب سے مدعی آتش و جہنم کے ہوتے ہیں +

(۴۹) سفر

اگرچہ سفر میں سفر کی سی مشقت و رنج و تعب ہیں - مگر آخر کو اس سے ظفر حاصل ہوتی ہے - اسلئے سفر کرنا آدمی کو چاہیئے - سفر ایک قسم کی حرکت اور اختلاط کا نام ہے اور اسی کے سبب سے اس میں فائدے اور آفتیں ہیں جو فوائد کہ آدمی کو سفر پر آمادہ کرتے ہیں وہ یا تو کسی چیز سے گریز کرنا ہوتا ہے یا کسی چیز کا طلب کرنا یعنی مسافر جو سفر کرتا ہے تو اُس کا سبب کیا یہ ہوتا ہے کوئی چیز اس کو بزور اپنے مقام سے نکالے دیتی ہے - بالفرض اگر وہ نہ ہوتی

تو یہ سفر بھی نہ کرتا مثلاً وبا ہیضہ۔ بخار۔کسی فتنہ وخصومت کا برپا ہونا۔ یا غلہ کا گراں ہونا۔ یا خاص شخص یا شہر کے لوگوں کا اس کی ایذا کے درپے ہونا۔ یا سفر کرنے کا سبب یہ ہوتا ہے کہ کسی مقصد ومطلب کو حاصل کرے۔ یہ مطلب ومقصد بہت قسم کے ہوتے ہیں۔ اول علم حاصل کرنا۔ دوم اخلاق وعادات کا درست کرنا۔ سوم زیارت کرنا۔ چہارم دولت ومال حاصل کرنا۔ پنجم تفریح طبع۔ ششم دُنیا میں عجائب وغرائب قدرت کا دیکھنا۔ علم کے واسطے سفر کرنا نہایت مفید فائدہ مند ہوتا ہے۔ جیسے تحصیل علم گھر سے باہر نکل کر ہو سکتی ہے ایسی گھر میں نہیں ہوتی۔ اخلاق وعادات کا اظہار سفر میں ہی ہوتا ہے اسی لئے اُس کو سفر کہتے ہیں۔ اصل معنی سفر کے ظہور کے ہیں۔ جب تک آدمی وطن میں رہتا ہے بُرے اخلاق ظاہر نہیں ہوتے۔ کیونکہ طبیعت کے خلاف کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ جب آدمی سفر کی سختی اُٹھاتا ہے اور امور معمولی میں ومعتاد میں فرق پاتا ہے تو اخلاق کی خفیہ آفات منکشف ہو جاتی ہیں اور اُن کے عیوب پر مطلع ہوتا ہے تو اب اُن کا علاج بھی کر سکتا ہے بقول شیخ سعدی علیہ الرحمۃ ؎

تا بدکان خانہ درگروی　　　　ہرگز اے خام آدمی نشوی

سفر میں اختلاط مختلف قسم کے آدمیوں سے ہوتا ہے کچھ مشکلیں اور مشقتیں بھی اُٹھانی پڑتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کی صنعتوں اور نشانیوں کے دیکھنے کے فائدے بھی حاصل ہوتے ہیں۔ مگر کوہ ودشت۔ بحر وبر۔ اقسام اقسام کے حیوانات۔ نباتات یہ سب کچھ دیکھنے میں آتے ہیں جن کی آنکھیں ظاہری چیزوں کو دیکھتی ہیں اُن کو بھی اس سے تفریح ہوتی ہے۔ اور جن کی آنکھوں میں باطن کی روشنی ہے وہ اِن میں خدا کی قدرت کا ملہ اور حکمت بالغہ کو دیکھتی ہیں جو شخص اس غرض سے سفر کرتا ہے کہ جو صفحات قدرت پر خطوط الٰہی سے شہادتیں خدا تعالیٰ کی توحید کی لکھی ہوئی ہیں وہ پڑھے تو اُس کو بہت سفر نہیں کرنا پڑے گا بلکہ ایک جگہ ٹھہر کر ایک گل کو دیکھ کر ہنر صنعت کردگار سمجھ لے گا۔ کبھی سفر عبادت کے لیے ہوتا ہے

جیسا کہ حج کا سفر۔ ایک سفر طلب مال کے لئے ہوتا ہے کہ جس کا مآل یہ ہوتا ہے کہ آدمی محتاج غیر نہ ہو۔ اہل و عیال کی پرورش کرے۔ دوست آشناؤں سے مروت کرے۔ عزت و جاہ حاصل کرے۔ محتاجوں کو خیرات دے۔ ایسے سفر سے جودت و تیزی طبع حاصل ہوتی ہے۔ سفر میں ایسی مشقتیں پیش آتی ہیں کہ اُن پر بجز قوی شخصوں کے اور کوئی قادر نہیں ہو سکتا کیونکہ سفر میں مسافر کو کبھی تو اپنے جاہ و مال کا خطر ہوتا ہے۔ کبھی اپنے مالوف و متعلق چیزوں کے جدا ہو جانے کا خیال ہوتا ہے کہ وہ سفر میں نصیب نہیں ہوتیں۔ روزمرہ کوچ و مقام کا تردد ایسا ہے کہ وہ خاطر کو ابتر کرتا ہے۔ مگر باوجود ان تکالیف کے فوائد دین و دنیا کے ایسے حاصل ہوتے ہیں کہ سفر کو اقامت پر ترجیح ہے سچ ہے السفر مفتاح الظفر۔

(۵۰) طلاقت وجہ و مزاح

طلاقت وجہ و مزاح مراد اس سے ہے کہ انقباض سے آدمی کبھی جبیں پر چین نہ ہو اور خوشی سے سخنان شیریں کہتا ہو۔ یہ خوئے ناخوب کی نشانی ہے کہ پیشانی میں چین ہو۔ شیریں باتوں سے خاموش ہونا ترش روئی ہے۔ نادانی سے آدمی کے دل میں گرہ پڑتی ہے تو وہ پیشانی پر نمودار ہوتی ہے جب پانی کی تہ ناہموار ہوتی ہے تو رخ آب پر گرہ نمودار ہوتی ہے۔ جب تک خاک میں تہ آب جڑ نہیں ہوتی شاخ نہیں نکلتی۔ تیرے سرکہ جبین ہونے سے سب آدمیوں کی طبع تجھ سے بھاگتی۔ سرکہ پر مکھی بھی نہیں بیٹھتی۔ تجھ کو چاہئے کہ کشادہ پیشانی رہ اور خستہ دلوں کو تنگ نہ کر۔ کسی کی صورت دیکھ کر شکر خندہ ہونا تو قند و شکر دینے سے بہتر ہے۔ قند و شکر سے تو دہن و لب میٹھے ہوتے ہیں مگر شکر خند سے جان کو آسائش ہوتی ہے۔ خنداں رہنا تو خردمندوں کا آئین ہے۔ باغ خنداں گل خنداں ہی سے ہوتا ہے۔ خندہ آدمی کو کسی کوشش سے نہیں آتا۔ جد سے تو دل کو رنج ہوتا ہے اُس کی اصلاح مزاح سے چاہئے۔ جد میں تو سفر میں پاؤں گھسنے ہوتے ہیں۔ ایک لحظہ ہزل

کرنے میں آرام ملتا ہے۔ اگر آسودگی رنج زدانہ ہو تو پھر پاؤں رنج وتکلیف سے چلنے سے رہ جائیں۔ لیکن ہزل وہ چاہئے کہ جس میں دروغ نہ ہو۔ ورنہ وہ تیرے چہرہ کو بے فروغ کر دیگا۔ اور اُس سے کینہ کا بیج دل میں آئے گا۔ اور شرمندگی کے مارے پسینا آئے گا۔ ہزل بھی عقل سے سیکھنا چاہیے۔ مغز بادام کے اگر ٹکڑے کرو تو اُس کو شکر سے آلودہ کرو ہزل میں جو بات کہو وہ سچ کہو مگر خوشی وشیرینی کے ساتھ +

(۵۱) جمال

اللہ جمیلٌ ویحب الجمال (اللہ تعالیٰ جمال والا ہے اور جمال کو دوست رکھتا ہے) ؎

گفت خاموش ہر آنکس کہ جمالے دارد ہر کجا پائے نہد دست بدارندش پیش

الصورت نصف الرزق۔ جمال بھی کمال اور جاہ کی مانند ایک آلہ اور ذریعہ مقصود تک پہنچنے کا ہے۔ اس میں ایک طرح کی قدرت ایسی پائی جاتی ہے کہ خوبصورت اپنی حاجت پورا کرنے میں بہ نسبت بدصورت کے زیادہ قادر ہے۔ خوب رویوں کی طرف آدمیوں کو توجہ ہوتی ہے وہ ان کی حاجتیں جلد روا کر دیتے ہیں۔ بدصورت کو مکروہ جانتے ہیں۔ اور اس سے نفرت کرتے ہیں۔ حسن صورت میں نفس کی فضیلت پائی جاتی ہے۔ کیونکہ جب نفس کا نور خوب چمکتا ہے تو اُس کا اثر بدن پر آجاتا ہے۔ اکثر ظاہر و باطن میں موافقت ہوتی ہے اس لئے اصحاب فراست نفس کی بزرگیوں کے مفہوم کرنے کے لیئے بدن کی ہیأت کو اعتبار کیا کرتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ چہرہ اور آنکھ آدمی کے باطن کا آئینہ ہے۔ چہرہ سے دل کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔ زر کی طرح مُنہ کا زرد ہونا دل کا درد بتلاتا ہے۔ آدمی کے حال کا بڑا غماز چہرہ کا رنگ ہی ہے جو جرس کی طرح آواز دیتا ہے۔ آواز ایسی چیز ہے کہ جس سے گھوڑا۔ گدھا معلوم ہو جاتا ہے۔ آدمی زبان سے پہچانا جاتا ہے۔ آدمی کی پیشانی سے دل کا حال عیاں ہوتا ہے۔ رنگ رو حال دل کا نشان۔ مثلاً غصہ۔ سرور۔ غم اگر جی میں ہوتا ہے تو اُس کا اثر آنکھ اور چہرہ پر معلوم ہوتا ہے۔ صبر و شکر دل میں ہو تو

زردروئی اور سرخ روئی اُن کو ایسا بتلاتی ہیں جیسے باغ کے پتّوں کے رنگ بہار و خزاں کشادہ پیشانی نفس کے اچھے ہونے کا عنوان ہوتی ہے۔ بعض کا قول ہے کہ جتنے بدصورت ہیں اُن کے لئے یہ کہنا کافی ہے کہ صورت بہ بین حالش مپرس +

(۵۲) خوبصورتی کے پیچھے آفتیں بھی لگی ہوئی ہیں۔ طاؤس کو اُس کے پروں کے لئے مارتے ہیں۔ لومڑی کا پوست پوستین کے لیئے اتارتے ہیں۔ آہو نافہ مشک کے لئے شکار کئے جاتے ہیں۔ ہاتھی دندان و استخوان کے سبب سے شکاریوں کے ہاتھ سے زخم کھاتے ہیں

(۵۳) نصائح

اِن دس خصلتوں کو اختیار کرو۔ دنیا و آخرت میں بنا کام بنا۔ حق کے ساتھ صدق۔ نفس کے ساتھ قہر۔ خلق کے ساتھ انصاف۔ بزرگوں کی خدمت۔ مزدوروں کے ساتھ شفقت۔ درویش کے ساتھ سخاوت۔ دوستوں کو نصیحت۔ دشمنوں کے ساتھ ملائمت۔ جاہلوں کے ساتھ خاموشی۔ عالموں کے ساتھ تواضع۔ اور سن لو کہ۔

کسی کی روٹی نہ کھا۔ اپنی روٹی کسی سے دریغ نہ کہہ۔

زاہد جاہل پر اعتماد نہ کر۔ خود شناسی کو سرمایہ بزرگی نہ جان۔ دشمن دوست سے حذر کر۔ نادان مغرور سے اجتناب۔ جو بات دیکھی یا سُنی نہ ہو اُسے نہ کہہ۔ اپنے عیب پر نظر رکھ اور دوسروں کے عیب کو تلاش نہ کر۔ دل کے بھید خدا جانتا ہے۔ تو اُس میں خلق کو دخل نہ دے۔

آدمیوں کو تین سبب سے رنج ہوتے ہیں اول آنکہ از وقت بیش می خواہند۔ دوم از قسمت بیش۔ سوم ہرچہ از آن دیگران است از خویش۔ جس طاعت سے عجب ہو اُسے وہ معصیت مبارک ہے کہ آدمی عذر کرے۔ نفس بت ہے اور قبول خلق زنار +

(۵۴) سیاست

سیاست کا لفظ ہم نے بہت جلد لکھا ہے اس لئے اُس کے معنی لکھتے ہیں وہ اصول جنسے کہ آپس میں ناموس رہنے اور اجتماع کے لئے اور اسباب معیشت میں۔ ایک دوسرے کی مدد

کرنے کے لئے اسباب مہیا کئے جاتے ہیں اُس کو سیاست کہتے ہیں۔ اب سیاست کے چار مرتبے ہیں جن سے کہ خلق کی درستی ہوتی ہے اور دنیا و آخرت کی راہ راست بتلائی جاتی ہے۔ اول سیاست جو سب میں برتر ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی ہے اُن کا حکم خاص اور عام سب پر ظاہر و باطن میں ہر حال میں ہے۔ دوم خلفاء ملوک و سلاطین کی ہے اُن کا حکم بھی خاص اور عام سب پر ہے مگر صرف ظاہر پر ہے باطن پر نہیں سوم سیاست علماء کی ہے اُن کا حکم صرف خاص لوگوں کے باطن پر ہے عوام کی سمجھ کا اتنا رتبہ نہیں کہ جو اُن سے مستفید ہوں۔ اور نہ اُن کو یہ قوت کہ لوگوں کے ظاہر پر کسی بات کے لازم کرنے یا خواہ روک دینے کا تصرف کریں۔ چہارم واعظوں کی سیاست ہے۔ اُن کا حکم صرف عوام کے باطنوں پر ہے فقط

باب دہم

عمر و وقت و موت

(۱) وقت کی قدر

اگر عاقل آدمی پاس کوئی عمدہ جوہر عمدہ بے فائدہ ضائع جائے تو اُس کو افسوس ہوتا ہے اور اگر اُس کے جانے کے ساتھ خود وہ بھی برباد ہو جائے تو اُس کو رونا آتا ہے اگر غور کرو تو عمر کی ہر ایک ساعت بلکہ ہر ایک سانس ایک جوہر نفیس ہے کہ اُس کا کچھ عوض اور بدل نہیں اسواسطے کہ اُس میں یہ صلاحیت ہے اور لیاقت ہے کہ آدمی کو سعادت ابدی میں لے جائے اور شقاوت دائمی سے بچائے۔ اس سے بڑھ کر اور کونسا جوہر نفیس ہوگا پھر جب آدمی ایسے جوہر نفیس کو غفلت میں کھووے یا بُرے کاموں میں ضائع کرے تو اس سے زیادہ اور کیا امر قابل افسوس ہو سکتا ہے ؎

(۲) عمر کی شرافت اور بے ثباتی بے اعتباری بے بقائی

گذرتی عمر ہے یوں دورِ آسمانی میں	کہ جیسے جائے کوئی کشتی دخانی میں
ذوق اس بحرِ جہاں میں کشتیِ عمرِ رواں	جس جگہہ پر جا لگی وہ ہی کنارہ ہوگیا

جو لوگ بادۂ جوانی میں مست ہو رہے ہیں اور دنیا سازی میں مشغول ہیں اور خیال بازی کے معرکوں کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔ گہری نیند میں سو رہے ہیں۔ طولِ امل عیش و طرب میں روز و شب مصروف ہیں۔ باطل پرستی و حق ناشناسی اُن کا کام ہے۔ وہ جواہر انفاس کی قدر نہیں کرتے! اور یہ نہیں جانتے کہ زندگی کا ہر دم ایسا گوہر ہے کہ اُس کو جہان کی سلطنت کے عوض نہیں خرید سکتے۔ اہلِ دل اور ہوشمند کامل جانتا ہے کہ یہ دنیا موجِ سراب اور نقش بر آب سے زیادہ بے اصل ہے۔ لڑکوں کے کھیل کی طرح بے حاصل اور باطل ہے۔ جب تک اِن غافلوں کے گریبان میں اجل ہاتھ نہیں ڈالتی وہ وقت کو جنسِ خطیر اور گوہرِ بے نظیر نہیں جانتے۔ جب زندگانی بے بہا کے خرمن کو افسوس کی بادِ صرصر برباد کرتی ہے اور مزرعۂ عمرِ بے بدل کو برقِ جانسوزِ اجل جلاتی ہے تو طبیبانِ حاذق علاج سے ہاتھ کھینچتے ہیں یارانِ موافق رشتۂ امید توڑتے ہیں تلپٹیں قبضِ روح کرتی ہے۔ یا شوید جان سے ہاتھ دھوتا ہے۔ نورِ نظر شمعِ سحر کی طرح مردہ ہوتا ہے رنگ چہرہ کا دھوپ میں رہے ہوئے گل کی طرح پژمردہ ہوتا ہے جوہری زبان دکانِ دہان کے دو نو ٹہوں کو قفلِ خموشی لگاتا ہے۔ دیگِ دماغ میں خیالِ خام کا جوش آتشِ زندگانی بجھنے سے سرد ہوتا ہے۔ بدن کے کارخانہ میں وزیِ خواروں کا راستہ بند ہوتا ہے مستوفی قضا نسخۂ بقا سفیدیِ کفن و کافور سے لکھ دیتا ہے۔ جان جسم سے رخصت ہوتی ہے جسم گور کے مار و مور کے حوالہ ہوتا ہے اُس وقت آدمی کو معلوم ہوتا ہے کہ میں نے گنج شائگاں اپنی عمر کا کیا مفت رائیگاں کھو دیا ہے۔

(۳۲) زندگی کا ہر دم کیوں نہ کل عالم سے بہتر ہو کہ سلطنت تمام عالم کی اس کے ساتھ منوط ہے اور تحصیل سعادتِ دین و دنیا اسی پر مشروط ہے۔ ہر دم اس کا دو جہان کی

کامرانی کا سرمایہ ہے اور ہر نفس اُس کا جسم و جان کی کتاب کا شیرازہ ہے۔ آدمی کی عمر چند سال کی ہوتی ہے اور ہر سال میں چند شبانہ روز ہوتے ہیں اور ہر شبانہ روز میں ساعتیں ہوتی ہیں اور ہر ساعت میں چند نفس ہوتے ہیں پس انھیں میں تمام وہ فضائل حاصل کرتے ہیں کہ کوئی بادشاہی اُن کی برابری نہیں کر سکتی۔ جتنی دنیا کی نعمتیں اور مایحتاج اور ضروریات ہیں اُن کا بدل اور عوض آدمی کو مل سکتا ہے کہ اس سے حاجت گذاری ہو سکتی ہے۔ مگر عمر کا بدل اور قائم مقام کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ اگر جامۂ اطلس ہو تو گدڑی سے کام چل سکتا ہے۔ اگر عنبر قند و مشک پڑا ہوا نہ ملے تو سوکھی روکھی روٹی اور چٹنی سے پیٹ بھر سکتا ہے۔ اگر پانی کا برتن سونے کا نہ ہو تو اوک سے پانی پیا جا سکتا ہے۔ اگر گھوڑا نہ ہو تو اپنے پاؤں سے چل سکتا ہے۔ اگر نوکر چاکروں کی دورباش نہ ہو تو نفرتِ خلق کی دورباش کافی ہے اگر قصرِ زرنگار نہ ہو تو کنجِ غار میں بسر ہو سکتی ہے۔ اگر فرشِ ابریشمی نہ ہو تو بوریا اپنے بچھونے سے کام نکل سکتا ہے۔ اگر بالوں میں کرنے کے لیے کنگھی نہ ہو تو انگلیوں سے کنگھی ہو سکتی ہے غرض دنیا میں جس چیز کو دیکھو اُس کا عوض ہے جس سے غرض نکل سکتی ہے مگر جہان میں جو چیز بے عوض ہے وہ عمر ہے سمجھے اُس کی قدردانی ضرور ہے۔ روزگار میری عمر خریدنے آیا میں نے اس سے کہا کہ میں عمر کو دنیا کے عوض نہیں بیچتا۔ مگر اُس نے وہ ڈھب لگایا کہ میری ساری عمر کو تھوڑا تھوڑا کر کے خرید لیا۔ ایسے سودے پہ تعجب ہے کہ فروشندہ سراسر نقصان میں رہا۔ اور خریدار کو وہ مفت ہاتھ لگ گیا۔ عمر جو گذر جاتی ہے اُس کا پتا نہیں لگتا ۔

سراغِ عمرِ گذشتہ کو ڈھونڈیے گر ذوق — تمام عمر گذر جائے جستجو کرتے
سراغِ عمرِ رفتہ ہو تو کیونکر — کہیں جس کا نشان پانہ پایا
جوئندہ ہر چیز ہے یابندہ جہاں میں — جز عمر گذشتہ کہ وہ ڈھونڈ ہو تو کہاں ہے

(۴) وہ مرد مردہ دل ہے جو ایک دیوار شکستہ کے سایہ میں خاطر جمعی سے بیٹھا دنیا پر

دل لگا رہا ہے۔ اور یہ نہیں جانتا کہ تارِ عمر بڑا زود گسل و بیوفا ہے۔ باوجود گران قیمتی کے بہت
ہے سبک خیز و بے بقا ہے شفق کی طرح ادہر رنگ پکڑا اور اُدہر اڑا۔ بجلی کی طرح ادہر چمکا اُدہر
فنا ہوا۔ اُس کی جوانی شعلۂ خس سے بھی زیادہ بے اعتبار اور امتداد زمان اُس کا شہاب
سے زیادہ ناپایدار ہے۔ اُس کی صحبت سپند کی سی ہے کہ ادہر بیٹھا اور اُدہر اُٹھا۔ اور تارِ عنکبوت
کی طرح ادہر بندھا اُدہر ٹوٹا۔ ایام جوانی شبہاء بہار کی طرح کم زندگانی رکھتے ہیں۔ موسم پیری
اُس کا آفتابِ مستانی سے زیادہ سرد رو ہو۔ زمان نوخطی اُس کا رنگ خضاب سے زیادہ
بیوفا و زود گسل اُس کی سفیدروئی کا دوران صبح کاذب کی طرح بے اصل و باطل۔ سدتِ شباب
اسکا شدتِ مرض کی طرح بالکل بے شعوری و نادانی۔ عہد پیری اُس کا بالکل ضعیفی و ناتوانی
طائر عمر کے دو پر روز و شب ایسے ہیں کہ اُس کو اُڑائے لئے جاتے ہیں۔ دنیاء فانی کی بے ثباتی
ایسی ہے جیسے کہ سبزہ کی کہ چند روز طراوت و خرمی رہتی ہے پھر اُس کے بعد خشکی و زردی
آتی ہے۔ زندگی کا اعتبار ایک دن کا نہیں صبح کو نہیں کہہ سکتے کہ رات کو ہم یہ کریں گے
اور رات کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ صبح کو یہ کام کریں گے۔ عمر خواہ کتنی دراز ہو وہ چھوٹی معلوم
ہوتی ہے۔ اگر کوئی آدمی ساٹھ ستر برس جئے تو آدھے دن یعنی راتیں خواب و آسائش بدن
میں تلف ہوتی ہیں جس کو زندگی میں شمار کرنا نہیں چاہیئے۔ نیند اور موت دو بہنیں ہیں
اُن میں کوئی کام اپنے اختیار سے نہیں کر سکتا۔ پندرہ سال ایام طفلی میں گذرتے ہیں
جو بے شعوری اور نادانی کا زمانہ ہے جنمیں پانچ سات برس بچپنے کے ایسے ہوتے ہیں
کہ وہ پرائے بس میں ہوتے ہیں پھر ایسی عمر میں معاش کے واسطے کوئی پیشہ و حرفہ
سیکھنا پڑتا ہے جس کی تحصیل و تکمیل کی محنت و مشقت میں لہو پانی ایک کرنا پڑتا ہے
اور دس سال جوانی کے ہیں کہ ان میں آمال و آمانی کا غلبہ ہوتا ہے۔ اور تحصیل یا یحتاج و
کسب مال و سامان و وجہ معیشت اہل و عیال میں صرف ہوتے ہیں۔ کبھی ان میں کامیابی کی
مسرت کبھی ناکامی کی کلفت۔ باقی پیری و رنجوری جن میں مردہ بدستِ زندہ ہوتا ہے۔ پھر

ارتحال و انتقال ساٹھ سال سے ستر سال تک جس کو عشرہ شومہ کہتے ہیں۔ آدمی کم جیتے ہیں
آدمی کی عمر جب پچاس سال کی ہو چکی تو روز بروز قویٰ اور حواس ضعیف و زبون اور مزاج کے
احوال درہم و برہم اور دگرگوں ہوتے ہیں۔ قوت سامعہ کا زاہد گوشہ گزین ہوتا ہے۔ نور بصر
کا شاہد مستور بپردہ نشین۔ ہاتھ میں جب تک عصا نہ ہو۔ پانوں رستہ چلنے میں کام نہیں
دیتا۔ معدہ کا ضعف غذا کو ہضم نہیں ہونے دیتا۔ دانت سستی کے سبب سے لقمہ کی گرہ کو نہیں
کھولتے۔ تن ناتوانی کے سبب ضرورت کے لئے بھی حرکت کرنے میں اپنا بوجھ عصا پر ڈالتا ہے

نشاط عمر باشد تا سی سال		چہل چون شد فرو ریزد پر و بال
پس از پنجہ نہ باشد تندرستی		قصر بین کند ہی پذیرد پائے سستی

چون شصت آمد نشست آمد پدیدار چو ہفتاد آمد افتاد دست از کار

یہ حال تو جب ہے کہ عمر ستر برس کی ہو۔ اور حوادث و امراض مہلکہ سے جان بچی رہے۔ ورنہ
ہر روز و ہر شب و ہر ساعت و ہر نفس ممکن ہے کہ امراض غارتگر تیغ جان ستاں لے کر سر پر
آن کھڑا ہو۔ اور جسم کی سرائے میں سے کل متاع جان کو لوٹ لے جائے۔ عمر تو ایسی لو بچی
پرانی رسی ہے کہ اس کے استحکام پر ایک لحظہ بھروسہ نہیں ہو سکتا۔ اور حیات ایسی دیوار
پے گستہ ہے کہ اس کے سایہ کے نیچے ایک لحظہ بھی بیٹھنے کا اعتبار نہیں ہو سکتا۔ الحاصل زندگانی
اس قدر عزیز و گرانبہا بہت ہی سبک خیز و کم بقا ہے۔ پس اس سے زیادہ کیا بلاہت و نادانی
و بے پروائی و سفاہت ہوگی کہ ایسی عزیز چیز کو رائگاں و رباطل کھو دیں۔ اور اس میں
کوئی کام دینی و عقبیٰ کا نہ کریں ایسی شراب غفلت پئیں اس کا خمار مرگ بصورت زندگی ہو۔ اور
دونو جہان میں شرمندگی ہو۔ عمر پیسال و ماہ غفلت میں گذرانتے ہیں حال اور مآل پر تامل
نہیں کرتے۔ نہ مرگ کو یاد کرتے ہیں نہ اس سفر کے لئے تہیے کا اندیشہ کرتے ہیں اس وقت
خبردار ہونگے کہ مرض گلا پکڑے گا۔ بڑے بڑے حاذق حکیم معالجہ سے جواب دیں گے۔
یاران مہربان کوئی تدبیر نہ کر سکیں گے۔ دعا و صدقہ کے توسل سے واقعہ عظمیٰ کو دفع نہ کر سکیں گے

موت ایسی نہیں کہ ایک ساعت کا اس میں توقف ہو سکے۔ اس کے آنے پر ایک ورق بھی حیات کو نہیں لکھ سکتے۔ اس واقعہ ناگزیر سے ہم کہیں بھاگ نہیں سکتے۔ اس کے پالہنگ کو کسی زور سے توڑ نہیں سکتے۔ ہرچند چشمِ امید کو ادھر اُدھر پھیرتے ہیں مگر کوئی حامی نظر نہیں آتا کہ اس سے بچائے۔ گوشِ ہوش طرف لگاتے ہیں کوئی شفاعت کی آواز نہیں آتی۔ ناچار جان کے دیتے ہیں تن دہی کرتے ہیں۔ اُس وقت جانتے ہیں کہ عمر کیا چیز تھی وہ کیا ہمارے ہاتھ سے گئی ہے۔ ہم اِس فرصتِ تنگ اور عمرِ سرِ شتاب میں خیر و صواب کے کاموں سے غافل رہے باطل کاموں میں پھنسے رہے۔ مگر اُس وقت جاننے سے کیا فائدہ ہوتا ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ جب آنکھیں کھولے تو خدا کی درگاہ میں شکر باری کرے اور جب زبان چلتی ہو تو اپنے خدا کے روبرو عذر کرے۔ جانے کہ نہ بدن میں ہمیشہ جان رہے گی نہ دہن میں زبان ہمیشہ چلے گی۔ حاصل اس کلام کے مضمون کا یہ ہے کہ انسان پہلے اس کے کہ موت کا پیغام آئے اپنے تمام حقوق واجب کو ادا کرے ؎

راست کن کارِ خود امروز کہ فردا چو تیر گر ہم رفتن چو شدی کار و بہ پس نتوان کرد

(۵) آدمی کو چاہیے کہ پانچ چیزیں پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانے۔ جوانی کو پیری سے پہلے۔ تندرستی کو بیماری سے پہلے۔ مالداری کو مفلسی سے پہلے۔ فراغت کو شغل سے پہلے۔ حیات کو موت سے پہلے۔ قوتِ جوانی۔ صحتِ جسمانی۔ ہمت مالداری فرصت و فراغت۔ بقاءِ زندگانی یہ پانچ نعمتیں بے بدل ہیں جب وہ موجود ہوتی ہیں تو ان کی اضداد مفقود ہوتے ہیں گمان بے عاقلی اور نہایت بے باکی و بے حاصلی ہے کہ کوئی شخص ان کی قدر جیسی کہ چاہیے نہ کرے۔ اور ان نعمتوں کا شکر بجا لائے۔ اور وہ جس صرف میں آ سکتی ہے اُن کو نہ لائے۔ عمر کی رات اور دن کو ہرزہ گوئی و بیہودگی میں ضائع نہ کرو اور خوب سمجھ لو ؎

کارِ امروز مینداز بہ فردا زنہار کہ بفردا چو رسی نوبت کارِ دگر است

(۶) پیری و جوانی

وقت پیری شباب کی باتیں | ایسی ہیں جیسی خواب کی باتیں
جنت ہے زندگی میں زمانہ شباب کا | پیری ہے پہلے مرگ سے ہونا عذاب کا

پیری میں بالوں کی سفیدی۔ چہرہ کی جھرّیاں۔ باصرہ و سامعہ کا ضعف۔ بشرہ کا تغیر۔ دانتوں کا گرنا۔ قد کا کُبڑا ہونا۔ یہ سب موت کے آنے کی خبر دیتے ہیں۔ بالوں کا پنبہ ہونا اور قد کا کمان ہونا بتلاتے ہیں کہ اجل کا دُھنیا دھننے کے لئے ٹھہرا ہے۔ پھر کبرسن میں بدن پر امراض غالب ہوتے ہیں جیسے تنگی نفس۔ درد کمر۔ سستی زانو۔ خارش بدن۔ اور اس کی مثل بڈھے یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ امراض بھی جوانی کے امراض کی طرح عارض ہوتے ہیں وہ علاج پذیر اور قابل تدبیر ہیں اور اس سبب سے وہ ہر روز مرہ نفس کسی حکیم و طبیب کی تلاش میں ہوتے ہیں۔ معجونوں کے بنانے کا خیالِ خام پکاتے ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ اِن مرضوں میں سے ہر ایک پلنگِ اجل کا پنجہ ہے اس سے رہائی ممکن نہیں۔ اگر بالفرض استعمال دوا سے کسی مرض میں دو تین روز تخفیف بھی ہو گئی پھر وہ عود کرے گا۔ جب آدمی کی عمر ساٹھ برس کی ہو جائے تو سوا مر جانے کے کوئی اس کا طبیب نہیں۔ جس شخص کی عمر ستر سے بڑھی وہ بے مرض و علت کے بیمار ہے۔ پیری وہ مصیبت و بیماری ہے جس کی عیادت و تعزیت کوئی نہیں کرتا۔ ایک بڈھے نے طبیب کے سامنے اپنا یہ حال بیان کیا کہ پیری کے سبب سے میرے دانت سست ہو گئے ہیں اس سبب سے کھانا چبایا نہیں جاتا جب لقمہ دہن میں نرم نہیں ہوتا تو وہ معدہ میں ہضم نہیں ہوتا۔ جب معدہ میں ہضم ناتمام ہوتا ہے تو اعضا میں طعام قوت نہیں بخشتا۔ حکیم صاحب آپ کا بڑا احسان میری جان پر ہوگا اگر میرے دندان سے مرض کو دور کر دیں۔ اِس حکیم دانشور نے بڈھے سے کہا کہ اگرچہ مرض سے تیرا دل دو نیم ہو رہا ہے۔ مگر تیرے مرض کا علاج اسّی برس عمر کے بعد سوا اس کے نہیں ہے کہ جوانی پھر تیری عود کرے۔ اور یہ محال ہے۔ اگر استاد

سے واپس چلا جائے تو دانت قوی ہو جائیں لیکن واپس جانا ممکن نہیں اس لئے کہ
دانتوں کی سستی کو غنیمت جان۔ پس جو دانشمند ہوتے ہیں وہ یہ آثار پیری جب نمایاں
دیکھتے ہیں تو وہ طبع کو دک خصلت کو سمجھا کے دنیا کی طفلانہ بازی چھوڑ دیتے ہیں جو
اُن کے زندگی کے دن باقی رہتے ہیں اُن کو عقبےٰ کے کام میں لگاتے ہیں بالوں کی
سفیدی سے کافور وکفن کی فکر میں بیٹھتے ہیں دانتوں کے گرنے سے دندان طمع زندگی
سے کند کرتے ہیں ضعف چشم سے مرگ کو بچشم خود دیکھتے ہیں گرانی گوش سے ندائے الرحیل
اپنے کانوں سے سنتے ہیں قد خمیدہ کے ناخن سے دنیا کی دل بستگی کی گرہ کھولتے ہیں علاوہ
اسکے اور کئی بیماریاں پیری کو لازم ہیں وہ بدن کی کہنہ سرائے کو شکستہ کرتی ہیں اور
اُس کے ڈھینے کے لیے دلیل نمایاں اُس کی تمثیل یہ خوب کسی نے دی ہے کہ ایک
شخص ہمیشہ اپنے گھر سے کہتا تھا کہ تو دفعتہً نہ گر پڑنا مجھے پہلے سے خبر کر دینا۔ لیکن
ایک رات کو ناگاہ مکان گر پڑا۔ اُس پر آدمی نے کہا کہ میں تجھے ہمیشہ نہ کہا کرتا تھا کہ
کہ تو اپنے گرنے کی خبر مجھے کرنا تاکہ میں اپنے اہل وعیال کے لے جانے کی تجویز کروں
مگر تو نے حق صحبت ادا نہ کیا اور گر کر مجھے اور زیادہ زار ونزار کیا۔ مگر گھر نے بھی کیا
فصیح جواب دیا ہے کہ میں نے رات دن میں کئی دفعہ تجھ کو خبر کی مگر تو خبردار نہ ہوا جس طرف
کہ میں اپنا دہن شگاف کی صورت میں کھولتا تھا تو میں پکار پکار کہتا تھا کہ اب میرے
گرنے کا وقت قریب ہے تو ہوشیار رہو۔ مگر تو اپنے حرص سے میرے منہ میں مٹی بھر کے
میرے شگافوں کو دیوار بنا دیتا تھا۔ جہاں میں دہن کھولتا ہوں تو اُس کو بند کر دیتا
اسلئے آخر کو تیری یہ نوبت پہنچی۔ پس یہ سمجھ لو کہ تن تو خانہ ہے اور رنج وبیماریاں اُس کے
شگاف ہیں۔ تو ان بیماریوں کے شگافوں کو دوا سے پر کرتا ہے اور اُن میں معجون اور
مقوی غذاؤں کی مٹی بھرتا ہے۔ تن تو اپنا منہ کھول کھول کر کہتا ہے کہ اب میں جاتا
ہوں۔ مگر طبیب اُس کی گفتار کو بند کر دیتا ہے پس عمر پر اعتماد کرنا کمال نادانی اور بے خبری ہے

(۷) پہلے اس سے کہ موت کے دردبے درماں میں مبتلا ہو اپنے دم واپسیں کی کارسازی
کے واسطے چارہ سازی کر۔ پس کہولت میں فسق وفجور کرنا بہت ہی زشت و زبون و
ناخوش ہے۔ اس وقت میں جوانی کا خاتمہ ناتوانی کرتی ہے۔ شہوتہائے نفسانی
کی آگ بجھ جاتی ہے * پس ازینچہ بناشد تندرستی * ایسے وقت میں تمام لہو و لعب
و تن پرستی کا چھوڑ دینا آسان ہے۔ جو ایسی حالت میں بھی گناہوں کا مرتکب ہوگا
اس سے سخت مواخذہ ہوگا۔ مگر انسان ایسا کمبخت ہے کہ وہ اپنے تئیں ایسی حالت
کو بھی آغاز جوانی سمجھتا ہے۔ اپنے عیش و کامرانی میں دل و جان سے کوشش کرتا ہے
پھر شیخوخت کا زمانہ آئے تو اُس میں اور بھی بد افعالی سے احتراز چاہیئے۔ انسان
جب کودکی کی حالت سے نکل کر خود شناس و جوان ہوتا ہے تو جہالت سے لہو و لعب
شہوات نفسانی سے اشتغال رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ پیرانہ سالی میں توبہ کر کے خدا سے
دل لگاؤنگا۔ جب بڑھاپا آتا ہے تو وہی جوانانہ مستی میں مصروف رہتا ہے۔ طفلی بستی
جوانی مستی۔ پیری سستی ہی خداپرستی کسے زمانہ میں نہیں ہے۔ جوان اس بات کو
اشنانہ جانتے ہیں اور کب سمجھتے ہیں کہ کل بڑھاپا آئے گا۔ نہ کان سنیں گے نہ آنکھیں
دیکھیں گی۔ نہ پاؤں چلینگے۔ نہ ہاتھ پکڑیں گے۔ تن جان سے سیر ہوگا۔ اور جان تن سے
دل گیر ہوگی۔ آشیانہ سر سے طائر ہوش اُڑ جائے گا۔ غنچہ دل کھلنے کی حسرت گور میں
لے جائے گا۔ پس اُس روز واپسیں کے لئے کام پہلے سے کر رکھنا چاہیئے * ؏

جوانی بر سر کوچ است دریاب ایں جوانی را ۔ کہ کس ہرگز نمے بیند دوبارہ زندگانی را
خمیدہ پشت ازاں گردید پیران جہاں دیدہ ۔ کہ اندر خاک مے جویند گم کردہ جوانی را

مغرور جوانان شوخ و شنگ جو در و دیوار سے جنگ کرتے ہیں۔ نقد جان کو بیہودہ
خرچ کرتے ہیں۔ فرصت زندگی کی قدر نہیں کرتے۔ ایام جوانی کو ہوسہائے
نفسانی میں صرف کرتے ہیں * اسپ و زین کی تقطیع میں دل لگاتے ہیں۔ سندیل و

قبا کی رنگ ریزی پر مرتے ہیں۔ تن آرائی اور خود سازی میں فرصت کارسازی کو صرف کرتے ہیں۔ پوشش سے جسبید کی رکھتے ہیں۔ جو جوان عاقل روزگار دیدہ ہیں وہ اپنی جوانی کو جانتے ہیں کہ جلد چلی جائیں گی۔ اس لئے وہ خدا کی بندگی کا اہتمام کرتے ہیں دنیا کے علاقے کی رسّی کو تقوی و دین کی قوت سے توڑتے ہیں۔ خدا کی عبادت میں شکستہ رنگ ہو کر خوش ہوتے ہیں۔ اپنے گناہوں سے شرمندہ ہو کر توبہ کرتے ہیں وہ نفس سرکش کو حرام سے منع کرتے ہیں اور دل بے غیرت کو غیرت دلا کے معصیت سے بچاتے ہیں اکثر جاہل جوانوں کی طرح وہ یہ نہیں کہتے ہیں کہ ہمارا عہد جوانی ہے کیوں اس میں بڈھوں کے سے کام کریں۔ چند روز عیش و عشرت کریں جب بڈھے ہونگے توبہ کریں گے۔ تلافی مافات آسان ہے۔ توبہ سے عصیان و طاعت یکساں ہو جائے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ عہد جوانی بہت شریف و عزیز ہوتا ہے۔ اُس کو لہو و لعب و نفس پرستی میں بسر کرنا نہایت عیب فاحش ہے۔ حدیث نبوی ہے کہ۔ الشباب شعبة من الجنون (جوانی ایک قسم کی دیوانگی ہے۔ خدا تعالی اپنے فضل سے تمام جوانوں کو ہوسہائے جوانی کی مستی سے بچائے۔ سعادات دوجہانی سے بہرہ مند کرے

(۸) عہد جوانی میں جو باتیں ہوتی ہیں

باغ میں موسم بہار میں جو باتیں ہوتی ہیں وہی آدمی کے اندر عہد جوانی میں ہوتی ہیں کہ رخسارے مثل گل اور تن مانند سمن قد مثل سرو۔ بناگوش مثل نسرین۔ گیسو کی خوشبو نسیم سحر۔ غنچہ لب خندہ زن۔ نرگس چشم مست۔ دل میں شوخی و چستی۔ جب پیری کی نوبت آتی ہے تو دل میں خوش دلی و عیش کا جوش فرو ہو جاتا ہے۔ رخسارہ کا رنگ زرد۔ آتش معدہ سرد۔ موسپید اجل کا پیغام لاتے ہیں اور پشت خم مرگ کا سلام پہنچاتی ہے۔ تمام اعضا میں شکست آجاتی ہے۔ ہاتھ پاؤں سستی سے لرزتے ہیں۔ دانتوں میں رخنے پڑجاتے ہیں آنکھیں اندر دھس جاتی ہیں۔ قدم چلنے سے جواب دیتے ہیں

کان سُننے سے۔ تن کا زور گھٹتا ہے۔ دل کی قوت ٹوٹ جاتی ہے۔ کھال ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے ڈھیلے کپڑے۔ بتوں کے عشق کا بار کندھے سے گر پڑتا ہے۔ ہوس کی دیگ میں جوش نہیں رہتا۔ آنکھوں کی روشنی کی مشعل بجھ جاتی ہے۔ کعبتین سے دل مصلے کی طرف کھنچ آتا ہے۔ پھر معشوقوں کی ہوس نہیں رہتی۔ میل طبیعت اس طرف کھینچ لیتا ہے۔ رعونت کم ندامت زیادہ ہوتی ہے۔ جب چالیس برس سے عمر آگے بڑھتی ہے جوانی ڈھلتی ہے۔ دس برس کی عمر تک بازی و نادانی ہوتی ہے۔ بیس سے پریشانی کا آغاز ہوتا ہے۔ بیس سے چالیس تک اگر کچھ ورع اور زہد کی عادت ڈال لی تو دل اُس کا خو پذیر ہو جاتا ہے۔ جب چالیس سے آگے عمر بڑھتی ہے تو محال ہے کہ آدمی اپنا سکہ بدل سکے۔ پچاس برس کی عمر میں سب چیزوں کی شکست آجاتی ہے۔ پھر ساٹھ پر تو حال اور ہی بدتر ہو جاتا ہے۔ ستر برس کے بعد تو جینا مشکل ہوتا ہے۔ اسی برس کے بعد صد لقا نہیں۔ نوے برس کے آدمی تو بہت تھوڑے جیتے ہیں۔ اُن کا جینا مرنا برابر ہے۔ اگر سو برس کی عمر ہو تو اِس زندگی سے مردگی اچھی ہے۔ زندگی خواہ سو برس کی ہو یا پچاس برس کی وہ زادِ راہ کی تیاری کے لئے ہوتی ہے۔ اگر زادِ راہ نہیں تیار کیا تو عمر خواہ دس کی ہو یا سو کی سب برابر ہے۔

(۹) ڈاڑھی کے بال سفید ہو جاتے ہیں تو اُس سے وہ پیر نہیں بن جاتا۔ پس بالوں کی سفیدی سے پیر نہیں ہوتا جب تک وہ پیرانہ سری میں مثل کافور سر بسر اندر اور باہر پاک نہ ہو۔ اگر بال سفید ہوئے اور دل سیاہ ہوا تو نورِ خدا تیرا چراغ شب سیاہ میں نہیں بالے گا۔ — پیری میں جوانوں کی طرح لہو و لعب نہایت بُرا ہوتا ہے۔ پیری میں تو پیشۂ پیری اچھا ہوتا ہے۔ جو پیر جوانوں کی طرح بسر کرتا ہے تو وہ مردہ ہے اگرچہ اُس میں سو جانیں ہوں۔ جو جوان تدبیر سے پیر بنتا ہے وہ طفل ہے گو بالوں کے لحاظ سے پیر ہو۔ بوڑھا جوان ہونا بالوں پر موقوف نہیں ہے بلکہ کاموں پر اور

حسن اخلاق ہے۔ جو جوان بالوں کو گلاب سے سفید کرتے ہیں وہ اپنے ہی بوڑھے مسخرے ہیں
جو بالوں کو خضاب سے سیاہ کر کے جوان بنتے ہیں۔ کچھ عمر ایسے حیلوں سے نہیں بڑھ جاتی
پھر اِن رنگوں کے بدلنے سے کیا فائدہ ہے۔ بڈھے جو ہنستے ہیں اُن کو کیا دیکھنا ہے
اُن کی موت تو ہنس کر یٰسین پڑھ رہی ہے۔ آسمان کی چکی بڑی تیز چل رہی ہے۔
اُس میں کوئی دانہ کیا بنا کیا پُرانا بچ کر رہے گا نہیں۔ دنیا میں جو آج الحمد پڑھ رہے
ہیں کل اُن پر یٰسین پڑھنے کی نوبت آجائے گی۔ موت کی راہ بڑی مخوف ہے۔ اے
جوان تو سو نہیں اُٹھ کارواں پل پر سے اُتر گیا۔ اسباب کو پھینک دے اور پاؤں جلد اُٹھا
تاکہ راہ میں نہ رہ جائے۔ ابھی سپیدی نہیں نمودار ہوئی ہے تو رات ہی کو جاگ۔ جوانی
ہی میں تقویٰ بھلا لگتا ہے۔ بڑھاپے میں تو خوبان نازنیں تجھ سے ناز نہیں کرتے خواہ مخواہ
نماز میں دل لگتا ہے مطرب کہنہ چپکا نہ بیٹھے تو کیا کرے۔ وہ نے میں اپنے نفس کو پھونک
ہی نہیں سکتا۔ پیروں کا آئین کاہلی۔ جوانوں کی عادت رنج کشی ہوتی ہے۔ نقد بقا کے
واسطے عمل کر۔ قیمت فردا آج جمع کر۔ جو جوانی میں چراغ روشن نہیں کرتا اُس کا بڑھاپے
میں گھر تاریک رہتا ہے۔ جوانی میں زکاۃ دے۔ تیری تھیلی بھری ہوئی ہے۔ تیری
قدرت کی زکاۃ یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ راستی سے پیش آ۔ خدا کی راہ میں اُس کو
ختم کر۔ بہتر ہے کہ جوانی میں کمان قد تواضع کے لئے بن۔ پیری میں تو خود ایسا ہو
ایک تیر قد نے کسی پیر کمان قد سے ہنسی سے پوچھا کہ یہ کمان آپ نے کتنے کو مول
لی اُس نے کہا کہ مجھ مفلس سے کیا پوچھتا ہے تیرے پاس وہ مفت آجائے گی۔

(۱۰) فصول عمر

جیسے سال کی چار فصلیں ہوتی ہیں ایسی زندگانی کی بھی چار فصلیں ہیں۔
فصل اول آغاز تولد سے بیس سال تک یہ فصل بمنزلہ بہار ہے کہ جس میں رطوبت مزاج پر
غالب ہوتی ہے اور بدن کے نونہال بستان وجود میں اپنے جوارح واعضا کی شاخیں اور

حواس و قویٰ کے پتے نکالتے ہیں اور وہ خوب بڑھتے ہیں۔ اور قوت پکڑتے ہیں قابلیت و
استعداد و تعلیم کے شگوفے دمبدم کھلتے ہیں اور طراوت پاتے ہیں +
فصل دوم بیس سال سے چالیس تک ہے جو ایام جوانی ہیں فصل تابستان ہے کہ حرارت
مزاج میں کمال ہوتی ہے ۔ ہوا و ہوس کی سموم آرام سوز حد اعتدال سے باہر ہوتی ہے
سعادت و جہانی اور ہنر و کمالات انسانی قوۃ سے فعل میں آن کر شادابی و حلاوت
ایسی حاصل کرتے ہیں کہ اُن کا ذائقہ دل پسند ہوتا ہے اور یہی انسان کی زندگانی
کا حاصل ہے ۔ فصل سوم چالیس سال سے ساٹھ برس تک ہے کہ اُس کو سن کہولت
کہتے ہیں وہ بمنزلہ فصل خریف کے ہے کہ اُس میں میوے خاطر خواہ باغ عمر میں نہیں
لگتے۔ اور اعضا اور جوارح کی شاخوں پر حواس اور قوت کے پتے روز بروز خشک و
پژمردہ ہوتے جاتے ہیں اور جو جو مہینے اور برس اُن پر گذرتے ہیں وہ جھڑتے جاتے ہیں
فصل چہارم ساٹھ برس سے آخر عمر تک ہے وہ فصل زمستان ہے کہ مزاج میں نہایت
برودت ہوتی ہے جس میں حرکت اعضا اعصاب کے کارکنوں پر بڑی مصیبت ہوتی
ہے ۔ زمانہ کی سرد مہری سے دیدۂ بصیرت افسردہ ہوتا ہے اور خشکی زمانہ سے منظر
کے شیشہ پر ضعیفی کا یخ بن جاتا ہے +

(۱۱) اختصار مدت عمر

مدت عمر کی پیمانہ ہے۔ اگر کوئی اپنی عمر کوتاہ سے واقف ہو تو اُس کو اپنی حیات ناگوار
ہوتی ۔ زندگی تلخ لگتی جیسے کسی شخص کو اپنے مال پر زوال آنے وقت معلوم ہو جاتا
تو رات دن غم [illegible] اُس کے پیچھے لگ جاتا ہے۔ آٹھوں پہر مال ہی کے خیال
میں گذرتے ہیں جب یہاں جانے کا یقین ہوتا تو کیا حال ہوتا۔ اشعار

کیسہ خالی اگر ہو [illegible] تو ہو ۔۔ رنج ایسا نہیں ہے لوگوں کو
ہوں نقدی جاں سے لیکن ۔۔ [illegible] مرد و زن

مال کے فنا ہونے کی حالت میں تو آدمی مقصد پھر اُس کے حاصل ہونے کا ہوتا ہے مگر فنا زیست کا یقین ہو تو عود حیات کا وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی آدمی کو اپنی عمر دراز کا حال معلوم ہوتا تو وہ دُنیا کی لذتوں میں محو ہوتا اور یہ سمجھتا کہ اپنے گناہوں کا اصرار کرو جب وقت آئے گا توبہ کرلیں گے۔ گناہ سب معاف ہو جائیں گے

(۱۲) موت

موت نے کر دیا ناچار و گرنہ انساں　　ہے وہ خود بیں کہ خدا کا بھی نہ قائل ہوتا

سچ یہ ہے کہ جیسا انسان موت کے ہاتھ سے ناچار ہے ایسا کسی اور سے نہیں۔ وہ جانتا ہے کہ حضرت آدم سے لے کر اِس دم تک کوئی آدمی ایسا نہیں پیدا ہوا کہ جس نے ذائقہ موت نہ چکھا ہو۔

دو پاٹن کے بیچ آ کے ثابت بچا نہ کوئے　　چلتی چکی دیکھ کے دیا کبیرا رو

زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے　　یہ اقامت ہمیں پیغام سفر دیتی ہے

ایک تانتا لگا ہوا ہے ایک کے بعد ایک چلا جاتا ہے۔ اپنے ہم عمروں کو دیکھو کہ وہ ایسے بچھڑے ہیں کہ پھر کبھی ملنے کی امید نہیں وہ ہماری طرح سے چلتے پھرتے بولا کرتے تھے مگر اب اُن کے پاؤں کا پتا ہے نہ زبان کا نشان ہے۔ اُن کو کیڑے کھا رہے ہیں دانتوں کو مٹی چاٹ رہی ہے۔ سارے جوڑ ٹوٹے پڑے ہیں دہن شکستہ۔ دندان ریختہ زبان بستہ۔ سارے اعضا زخم خوردہ مرغ روح رمیدہ۔ سبزہ حسرت بر گور دمیدہ۔ خاک تیرہ بر خواب خیرہ خانماں خراب منزلِ مکان سراب۔ بدن کے پرزے پرزے۔ ہڈیاں ہاتھ۔ نہ کوئی یگانہ و بیگانہ پاس کیڑے مکوڑے آس پاس انسان کے حق میں موت نعمت عظمیٰ ہے۔ وہی اس کی تمام غفلتوں پر تازیانہ لگاتی ہے۔ خدا کا خیال دلاتی ہے اگر موت نہ ہوتی تو نہ وہ خدا کو یاد کرتا۔ نہ کسی اور برے کام سے ڈرتا۔ باوجودیکہ انسان کے پیچھے روز آفرینش سے تا دم مرگ ہزاروں خطرے آفتیں مصیبتیں لگی ہوئی ہیں۔ مگر اُن میں بھی اس کو وہ لذت آتی ہے کہ اِس دُنیا کے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔

نہیں جز بے مرگی کوئی مزا دنیا میں　　پر مزہ دار بنا دیتے ہیں غفلت کے مزے

جب زندہ تھا تو کہتا کہ یہ زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے ہم تو اِس جینے کے ہاتھوں مر چلے
مگر جب موت آتی ہے تو دنیا کے چھوڑنے کے وقت بڑے حسرت و افسوس کرتا ہے
اگر موت پر انسان کو قدرت ہوتی ؎
نفسِ بے مقدور کو قدرت ہو اگر تھوڑی سی ✤ دیکھ پھر ساماں اِس فرعون بے ساماں کا
موت سب کو برابر کردیتی ہے ؎
کتنے مفلس ہو گئے کتنے تونگر ہو گئے خاک میں جب مل گئے دونو برابر ہو گئے
اب موت کا آنا ناگزیر ہے۔ اب یہ سوچنا چاہئے کہ بعد مرگ وہ کونسی یادگار اچھی ہے جو
چھوڑنی چاہئے۔ اِس کا ذکر آگے دیکھو✤

(۱۲۳) آدمی کو مرنے کے بعد کونسی یادگار چھوڑنی سب سے اچھی ہوتی ہے

جب آدمی کی روح آب و خاک کے لباس سے مجرد ہو اور جسم اُس کا زندانِ عدم میں قید ہو
اُس کی خاک خاک میں مل جائے۔ اور تمام کاموں سے اُس کو کوتاہ دست کردے تو
تین چیزیں اُس کی باقی رہ سکتی ہیں اول صدقہ جاری یعنی خوان جو ایسا آراستہ کرے کہ جس
اخوانِ قُوتُ و قُوَّتُ پائیں۔ دوسرا علم جو نفع پہنچائے۔ یعنی اندھیرے میں ایسا نور
جو کبھی گھٹے نہیں روشن کرے جو اوروں کا شمع و چراغ جان بنے۔ تیسری اولادِ صالح
یہ تینوں باتیں اس تصنیفات میں پائی جاتی ہیں کہ جو فائدہ عام پہنچاتی ہے۔ اس کا نفع
متعدی ہونا لازمی اِس واسطے کہ تصنیفات کے صدق گفتار سے کونسا زیادہ صدقہ
جاری ہوگا۔ اور دسترخوان تو اجسام کے لئے بچھتے ہیں۔ یہ تصنیفات کا دسترخوان
ارواح کے لئے بچھتا ہے۔ اور میزبان تو وہ چیزیں کھلاتے ہیں جو طبیعت میں گرانی
کرتی ہیں مگر تصنیفات کا مائدہ تو جانوں کے روبرو بچھتا ہے جو اُس سے محظوظ ہو کر
مسرور ہوتی ہیں۔ علم کا نفع تو خاص اس میں موجود ہوتا ہے۔ فرزند سعادت مند تصنیفات
سے زیادہ کون ہوگا۔ کیونکہ وہ جوہر سینہ سے ترتیب پاتے ہیں نہ اجسام کے کسب سے ترکیب

پاتے ہیں۔ جو عاقل فرزانہ ہیں وہ فرزند فرزانگی کی نسل کو نہیں قطع کرتے۔ بلکہ اُن جسمی فرزندوں کی پروا نہیں کرتے جو جسمانی ہوتے ہیں۔ وہ تو روحانی فرزندوں کی پرورش و ترتیب میں اپنی ہمت صرف کرتے ہیں۔ پس جو تصنیفات کہ نفع عام پہنچاتے اُس سے بہتر کوئی یادگار نافع انسان کے لئے نہیں ہو سکتی۔ عمارات جو یادگار رکھنے کے لئے بنائی جاتی ہیں اُن کا حال ایسا پائدار نہیں ہوتا جیسا کہ تصنیفات کا

باب یازدہم

حکایات

(۱) اندھوں کی کہانی

ملک غور کے قریب ایک بڑا شہر تھا اُس میں سب آدمی اندھے رہتے تھے۔ ایک بادشاہ کا وہاں گذر ہوا اور اُس کا لشکر وہیں خیمہ زن ہوا۔ اُس میں ایک ہاتھی بھی بڑا مہیب ناک تھا۔ اندھوں نے سُنا کہ لشکر میں ایک عجیب جانور آیا ہے جس کا نام ہاتھی ہے۔ انھوں نے کبھی پہلے اُس کا نام بھی نہ سُنا تھا۔ اِس لئے انھوں نے آپس میں کہا کہ اُس کو پہچاننا اور ٹٹول کر دیکھ لینا ضرور ہے۔ غرض اُن میں سے چند اندھے تلاش کر کے اُس پاس پہنچے اُس کو ٹٹول ٹٹول کر اور ہاتھوں سے مل مل کر دیکھنے لگے۔ بعض کا ہاتھ اُس کے پاؤں پر پڑا اور بعضوں کا دانت پر اور بعضوں کا کان پر۔ ہر ایک نے اپنے خیال میں ہاتھی کی صورت کا تصور باندھ لیا۔ جب وہ پھر کر اپنے اہلِ شہر کے پاس آئے تو انھوں نے پوچھنا شروع کیا کہ ہاتھی کیسا جانور ہے۔ ہر ایک نے مختلف جواب دیا۔ جس نے پاؤں ٹٹولا تھا اُس نے تو یہ کہا کہ ہاتھی ایک کھردرے ستون کے موافق ہے مگر اُس سے کچھ نرم ہوتا ہے۔ جس نے دانت کو ہاتھ لگائے تھے اُس نے کہا کہ جیسا یہ شخص کہتا ہے ہاتھی ایسا نہیں بلکہ وہ سخت ہوتا ہے نرمی اُس میں نام کو بھی نہیں ہوتی چکنا ہوتا ہے کھردرا نہیں اور

موٹائی میں ستون جیسا نہیں موسل جیسا ہوتا ہے۔ جس نے کان ٹٹولا تھا اس نے کہا کہ وہ
کھردرا اور نرم ہوتا ہے مگر موسل اور ستون کی طرح نہیں ہوتا موٹے چرلے کی طرح پھیلا ہوا
ہوتا ہے۔ اب اگر ان سب بیانوں کو دیکھو تو من وجہ وہ سچ ہیں کیونکہ جس قدر جس کو
معلوم تھا اس نے بیان کیا۔ اور سب نے ہاتھی ہی کے اوصاف کہے مگر سب بیان
میں قصور ہے۔ پس یہی خدا تعالیٰ کی ذات کا حال ہے۔ کہ کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کیا ہے
ہر ایک اپنے علم کے موافق اسے بیان کرتا ہے۔ اس کی ذات کے بیان میں جو اختلافات
ہیں وہ اسی قسم کے ہیں بعض نے اس داستان کو یوں بیان کیا ہے کہ اندھیرے میں
ہاتھی تھا اس کو آنکھوں والوں نے جا کر اس طرح دیکھا جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے
نتیجہ دونوں کا ایک ہے +

(۲) حکایت احول

ایک استاد نے اپنے احول شاگرد سے کہا کہ گھر کے اندر جا کر شیشہ لا۔ یہ حکم سنتے ہی وہ
گھر میں گیا اور پھر وہاں سے آن کر استاد سے کہا کہ وہاں دو شیشے ہیں جس کا پتا دیجئے
وہ لے آؤں۔ استاد نے کہا کہ وہاں دو شیشے نہیں ہیں ایک ہی ہے۔ اپنی احولی کو چھوڑو
اور افزوں بین نہ ہو۔ شاگرد نے عرض کی حضرت مجھ پر احول ہونے کا طعنہ نہ کیجئے۔
استاد نے کہا کہ ایک شیشہ کو توڑ ڈال اور دوسرے کو لے آ۔ اس نے جب ایک شیشہ
توڑ ڈالا تو دونوں شیشے اس کی نظر سے غائب ہو گئے۔ پس یہی حال انسان کا ہے
کہ اس کو خشم و شہوت نے احول کر رکھا ہے اور استقامت سے روح کو مبدل +

(۳) حکایت

اونٹوں کی قطار جاتی تھی۔ ان میں سے ایک شتر مست ہو کر بیابان میں بھاگا۔ اور ایک
نادان کے پیچھے پڑا۔ نادان آگے آگے اور شتر پیچھے پیچھے بھاگتا تھا۔ رستہ میں
چاہ آیا مرد اس میں پناہ کے لئے گھسا گھاس کو ہاتھ میں پکڑ کر لٹکا۔ کنوئے کی تہ

جو دیکھا تو ایک اژدہا منہ کھولے پڑا ہے۔ اُس کے پاؤں کے نیچے چار سانپ سو رہے ہیں
اور ایک کالے سفید چوہوں کا جوڑا گھاس کو کتر رہا ہے جس سے آدمی کنوئیں میں نیچے
گر پڑے۔ مرد نادان نے جب یہ حال بد دیکھا تو کہا یا رب یہ کیا حالت ہے۔ میں کیا کروں
میں اژدہے کے منہ میں جاؤں۔ یا سانپوں سے کٹواؤں۔ شتر مست بر سر چاہ کھڑا
ہے۔ یہ کہہ رہا تھا کہ گھاس کے ایک کونے میں ترنجبین لطیف دیکھی کہ موجود ہے۔
اُس نے اِس میں سے تھوڑی لے کر منہ میں ڈالی جس کی لذت سے وہ بیہوش ہو گیا
اور سارا خوف فراموش۔ پس ہر انسان سمجھ لے کہ وہ مرد نادان میں ہوں اور دُنیا
چاہ ہے۔ چار طبیعت چار سانپ ہیں اور وہ سیاہ سفید چوہے رات دن ہیں کہ ہر دم
عمر کی جڑ کو کاٹتے ہیں۔ تہ چاہ میں جو اژدہا ہے وہ گور تنگ ہے۔ سر چاہ پر شتر
مست موت ہے جو منتظر کھڑی ہے۔ گھاس عمر یعنی زیست ہے۔ ترنجبین شہوت ہے
جس نے دونو جہان سے غافل کر دیا ہے۔

(۴) حکایت دنیا کی حقارت

ایک دیندار نے عاجز ہو کر ایک مالدار سے دینار کا سوال کیا۔ اُس ناہنجار نے
کچھ جواب نہ دیا۔ جب اُس مردار سے دو تین دفعہ سائل نے سوال کیا تو اس کا جواب
یہ دیا کہ اگر تو حق پرست ہے تو چپ لگا اور دین و دُنیا دونو حق سے طلب کر۔ دیندار
نے جواب دیا کہ دین خوب ہے اور دنیا زشت ہے۔ خدا سے نیک چیز طلب کرتا ہوں
اور تجھ سے زشت۔ کیونکہ حق سے حق اور باطل سے باطل طلب کرنا چاہیئے۔ تو باطل
ہے اور میں حق پر ہوں۔ اپنا حصہ تجھ سے طلب کرتا ہوں۔ دین کو دل دے رکھا
ہے کہ حق اُس کی پرورش کرے۔ اور وہ حق کے سامنے اپنا درد بیان کرے۔ اگر
بدن کا غم لگا ہو تو دین نہیں حاصل ہو گا۔ دین کا کابین طلاق تن ہے۔

(۵) حکایت بقال

ایک بقال کی دکان میں مال بہت تھا۔ شکر کے خم کے خم بھرے تھے اور گِل بھی کھانے
کی تھی۔ ایک بے وقوف شکر مول لینے اُس کی دکان پر آیا۔ بقال کو ایک درم دیا۔ اور کہا
کہ اس کی شکر دے دے۔ بقال نے ترازو اُٹھائی۔ تو اُس میں پاسنگ کا پتھر نہ تھا
اس لئے اُس نے گِل کو پاسنگ میں چڑھا کر دھر لیا۔ اور بے چڑھایا۔ مگر اس احمق نے
اس گِل کو چرایا تو بقال مسکرایا کہ اُس مسکین کو یہ خبر نہیں کہ جتنی گِل ایک پلڑے میں سے
چراؤں گا اُتنی شکر دوسرے پلڑے میں کم چڑھے گی۔ یہ اپنے زیان کو سود جانتا ہے۔
پس اہلِ دنیا بھی اس بھول میں پڑے ہوئے ہیں کہ سود کے واسطے زیان کے سامنے
اِس جہان کے بدلے میں اُس جہان کو دے کر برباد ہوتے ہیں*

(۶) بہرہ کی عیادت ہمسایہ کی

ایک فرزانہ نے بہرے کو اشاروں میں کہا کہ تیرا ہمسایہ بیمار ہے۔ یہ سمجھ کر بہرے نے اپنے
دل میں کہا کہ مجھے اِس بیمار کا حال کیا معلوم ہوگا خصوصاً ایسی حالت میں کہ بیماری کے
سبب سے اُس کی آواز اور ضعیف ہوگئی ہوگی۔ مگر وہاں جانے میں کچھ بُرائی نہیں جب اس
ہونٹ ہلتے ہوئے دیکھوں گا تو میں اپنی عقل سے قیاس کر لونگا کہ وہ کیا کہتا ہے جب
میں اُسے پوچھوں گا کہ آپ کا کیا حال ہے تو وہ یہ ضرور کہے گا کہ میں خوش و نیک ہوں تو
میں جواب میں کہوں گا کہ شکر ہے۔ پھر اس سے پوچھوں گا کہ آپ نے کیا کھانا کھایا تو وہ کوئی
شربت یا کوئی کھانا بتلائے گا تو میں کہوں گا کہ اُس سے خدا تم کو صحت دے۔ پھر پوچھوں گا
کہ کون طبیب تمھارا علاج کرتا ہے تو وہ کسی طبیب کا نام لے گا تو میں کہوں گا کہ وہ بہت
مبارک قدم ہے۔ اُس کے علاج سے آپ کو آرام ہو جائے گا۔ میں نے دیکھا ہے کہ وہ جس کا علاج
کرتا ہے اچھا ہو جاتا ہے۔ یہ قیاسی جواب اُس نے اپنے دل میں ٹھہرا لئے۔ مگر وہاں
سب باتیں بالعکس ہوئیں۔ بیمار کی خاطر اس بہرے سے رنجیدہ ہوئی۔ یہ بہرہ جب بیمار کے
پاس آیا اور اُس کے سر پر ہاتھ پھیر کر پوچھا کہ آپ کا مزاج کیسا ہے تو اُس نے کہا کہ مرتا ہوں

اُس نے کہا شکر۔ اس پر بیمار بے مزہ ہوا کہ یہ شخص میرا دشمن ہے جو ایسی بات پر شکر کرتا ہے
پھر پوچھا کہ کیا کھایا بیمار نے جواب دیا کہ زہر اُس نے کہا کہ نوشت باد۔ اس پر بیمار اور بگڑا
پھر پوچھا کہ کون طبیب علاج کرتا ہے اُس نے کہا کہ عزرائیل اس نے کہا کہ اُن کا قدم تو بڑا
مبارک ہے تم کو بہت خوش ہونا چاہیئے کہ ایسا طبیب حاذق مل گیا میں اُس سے ابھی مل کر
تمہارے پاس آیا ہوں اور اُس پر تاکید کر دی کہ تمہارا علاج بڑی غمخواری کے ساتھ کرے
اب یہ بہرہ اپنے گھر پر بڑا خوش آیا۔ اپنے بہرے پن کے سبب سے سارے قیاس اُس کے
معکوس تھے۔ بیمار نے کہا کہ میں نہیں جانتا تھا کہ یہ بہرا میرا دشمن ہے۔ عیادت دل آرامی
کے واسطے ہوتی ہے یہ عیادت نہیں ہے بلکہ عداوت ہے کہ اپنے دشمن کو آدمی زار و نزار
دیکھے جس سے اُس کی خاطر قرار پائے۔ پس یہی حال بہرے کا سا لوگوں کا ہے کہ بدی
کرتے ہیں اور نیکوئی جانتے ہیں خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے خدمت کی ہے ہمسایہ کا
حق ادا کیا ہے۔ یہ نہیں جانتے کہ ہم نے آگ جلائی ہے اور اُس سے ہمسایہ کا دل
جلایا ہے ؎

(۷) حکایت حضرت یوسف علیہ السلام کی ملاقات کے لیئے آشنا کا آنا

حضرت یوسف علیہ السلام کے ایک دوست لڑکپن کے ملاقات کو تشریف لائے۔ اور حضرت کو
اُن کے بھائیوں کے جور اور حسد کی باتیں یاد دلائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ ہم کو قضا سے کچھ گلہ
نہیں ہے۔ میں شیر تھا وہ زنجیر تھے۔ شیر کو زنجیر سے کچھ ننگ و عار نہیں۔ شیر کے گلے میں گو
زنجیر پڑ جائے تو بھی وہ زنجیر سازوں پر غالب ہی ہوتا ہے۔ پھر اُس نے پوچھا کہ آپ پر
زندان اور چاہ میں کیا کیا گذرا۔ انھوں نے جواب دیا کہ مجھ پر وہ گذرا جو چاند پر محاق
میں گذرتا ہے۔ اگرچہ وہ اس سے ہلال ہو جاتا ہے مگر پھر تھوڑے دنوں میں بدر ہو جاتا ہے
موتیوں کو ہاون میں کوٹتے ہیں تو بھی وہ دل اور آنکھوں کے نور کا باعث ہوتے ہیں
خاک کے تلے گیہوں کے دانوں کو دباتے ہیں تو خاک سے اُن کے خوشے اٹھتے ہیں

اور پھر اُن خوشوں کو چکی میں پیستے ہیں تو اُن کی قیمت کو بڑھاتے ہیں اور پھر جب اُن کی روٹی کو دانتوں تلے چباتے ہیں تو عقل و جان و فہم کو وہ سود مند ہوتے ہیں اسی طرح جتنی مصیبتیں مجھ پر پڑیں میں بہتر ہوتا گیا۔ اب میرے عنایت فرمایئے فرمایئے کہ میرے لئے کیا ارمغان لائے ہیں کیونکہ دوست پاس خالی ہاتھ جانا ایسا ہے جیسے کہ چکی پاس بن گیہوں کے جانا۔ دوست نے کہا کہ میں نے آپ کے واسطے بہت ارمغان تلاش کیے مگر کوئی آپ کے لائق میری نظر میں نہیں آیا جو لاتا۔ کان کے پاس حبہ اور دریا کے پاس قطرہ کیا ہدیہ لاتا — دل و جان آپ کے لئے ہدیہ میں دینا ایسا ہے جیسے کرمان کو زیرہ۔ میرے نزدیک کوئی دُنیا میں تحفہ آپ کے لئے بہتر نہیں تھا۔ اس لئے میں نے یہی تحفہ لائق دیکھا کہ آئینہ لے جاؤں جس میں آپ اپنا رُوئے خوب دیکھیں اور مجھے یاد کریں یہ کہہ کر بغل سے آئینہ نکال کر رکھ دیا۔ روئے خوب آئینہ سے مشتعل ہوتا ہی

باب دوازدہم

ضمیمہ متفرقات

(۱) علم تاریخ کے فوائد

انسان اپنی عقل اور حواس سے اشیا کو جانتا ہے کہ جتنی چیزیں کہ محسوسات میں داخل ہیں اُن میں بعض مشاہدات ہیں باقی اور مسموعات۔ اب یہ سب عقلمند جانتے ہیں کہ عالم کا احوال ہم فقط عقل سے جیسا کہ چاہیے نہیں دریافت کر سکتے ہیں اور یہ بھی ممکن نہیں کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے کوئی اُس کا رہنے والا اہل دنیا کے حالات اور واقعات مشاہدہ کرے اور اُن کی خیر و شر کو اپنی آنکھوں سے معائنہ کرے پس معلوم ہوا کہ عالم اور اہل عالم کا احوال اور اوضاع و اطوار کا علم اُسی علم سے حاصل ہوتا ہے کہ وہ ہم تاریخ

ہنی ہوا اور وہ علم تاریخ کا علم ہے۔

حواس انسانی میں سمع و بصر کا مرتبہ بڑا ہے جیسے کہ آنکھیں حسن صورت کو دیکھ کر محظوظ ہوتی ہیں اور کبھی اُن سے ملول نہیں ہوتیں ایسے ہی کان خبروں کے سُننے سے محظوظ ہوتے ہیں اور اُنکو ہر لحظہ مسرت اور خوشی اُن سے حاصل ہوتی ہے اسلئے کہ انسان کی جبلت میں اخبار و استخبار داخل ہے۔ اور اُس کی طبیعت میں رغبت اور میلان موجود ہے اسلئے وہ انسان کو علم تاریخ سے خوشی اور بشاشت حاصل ہوتی ہے اور دل سے ملالت اور کلفت دور ہوتی ہے۔ کان کبھی خبروں کے سُننے سے نہیں تھکتے مثل مشہور ہے کہ لا یشبع العین من نظر و لا سمع من خبر و الارض من مطر (آنکھیں دیکھنے سے کان سننے سے زمین بارش سے کبھی سیر نہیں ہوتی) جب آدمی کو فن تاریخ میں مہارت حاصل ہوگی حق اور باطل میں تمیز حاصل ہوگی۔ اسلئے کہ اُس کے سامنے اقوال مختلفہ پیش ہوتے ہیں یعنی وہ اُنمیں سے جس بات کا راوی ثقہ اور معتبر جانے گا اُس کو سچا جانے گا اور اُس کے برخلاف کو جو ہوگا اُسے جھوٹا۔

(۴) فن تاریخ میں باوجودیکہ بہت سے فائدے ہیں لیکن اُس کی تحصیل میں بہت محنت و مشقت نہیں اٹھانی پڑتی۔ اس علم کی بنا حفظ کرنے پر ہے۔ جب آدمی واقعات گذشتہ کا محافظ ہو تو اُن کی تتبع کرنے سے وہ اپنے مقصد و مطلب تک پہنچ سکتا ہے۔

فضائل انسانی میں تجربہ بھی داخل ہے اور اسی کے سبب سے انسان کی عقل اور رائے کو پختگی اور کمال حاصل ہوتا ہے۔ حکمانے عقل کے مرتبے مقرر کئے ہیں اور پھر اُن کے مناسب نام رکھے ہیں چنانچہ ایک عقل کا نام عقل تجاربی رکھا ہے۔ پھر تجربے کے تین درجے مقرر کئے ہیں۔ اول یہ کہ ایک شخص خود کوئی کام کرے جس کا نفع اور ضرر اسی کی ذات پر عائد ہو دوم دوسرے کو دیکھے کہ وہ ایک کام کر رہا ہے جس کا نیک و بد اسی کی طرف راجع ہے سوم احوال متقدمین کا سُن کر معلوم کرے کہ اُن کی نحوست و سعادت و عطا و بلا کے کیا کیا اسباب تھے۔ ان تینوں درجوں میں اس سے بڑھ کر تجربہ کا کوئی درجہ نہیں ہے کہ

کوئی شخص خود ہی صاحب واقعہ ہوا اور بذاتہ تجربہ کیا ہو لیکن تاریخ میں جناب سلف موجود
ہوتے ہیں اور اُن پر اعتبار ہو سکتا ہے کہ کیا کیا پہلے تجربے ہوئے۔ اس لئے یہ تجربہ
نائب اور قائم مقام درجۂ اول کا ہو سکتا ہے۔ جب کسی گروہ کی حزم و کاردانی کی
حکایت ایسی پڑھی جائے گی کہ جس سے اُس کو کامرانی اور فوز مطالب اور حسن عاقبت
حاصل ہوئی تو جو عقلمند ہوشیار ہیں اُس کا اقتدا کریں گے اور اپنے کاموں میں بھی
اُس تجربہ کو کام میں لاکر بخیر و خوبی اُن کو انجام دینگے۔ اور جب کسی قوم یا جماعت کی
سستی تدبیر اور ضعف رائے او غفلت و نادانی دیکھیں گے کہ جس سے اُن کی شامت
آئے کہ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ پر عمل کریں گے۔ غرض اوروں کے تجربہ کو کام میں
لاکر اپنا مطلب نکالیں گے ؛

علم تاریخ میں جو تامل و غور کرتے رہتے ہیں اگر کوئی واقعہ اُن کو پیش آتا ہے تو وہ اُس کے لئے
پہلے عقلاء عالم کے ساتھ مشورہ کر سکتے ہیں اور اس قسم کے شورہ کی برتری ابناء عصر کی مشورت
پر ظاہر ہے اس لئے کہ اکابر پیشیں کا تجربہ بے غرض خاص مصلحتوں کی رعایت سے مشورہ
دیتا ہے۔ اہل زمانہ مشورت دینے میں اس میں اپنے منافع کو غیر کے منافع پر ترجیح دیتے
ہیں اور اپنے احوال کے صواب اندیش زیادہ تر بہ نسبت غیر کے ہوتے ہیں اس سبب سے
مشورہ مذکورہ سابق بہ نسبت مشورہ حال کے اولی اور انفع ہوتا ہے۔ پس جب کوئی
واقعہ پیش آتا ہے اور علم تاریخ سے اُس کا استکشاف کیا جاتا ہے تو تمام عقلا کا نتیجہ
عقل اُس میں شامل ہوتا ہے۔ غرض جو چراغ پہلے لوگ روشن کر گئے ہیں اُن کی
روشنی میں چلنے سے وہ گمراہ و سرگشتہ و پریشان نہیں ہوتا۔ علم تاریخ زیادتی عقل کا
سبب اور ازدیاد فضل کا واسطہ اور صحت رائے و تدبیر کا وسیلہ ہوتا ہے۔ بزرجمہر
حکیم نے لکھا ہے کہ علم تاریخ رائے صواب کا مؤید و معین ہے۔ اس لئے کہ احوال سلف
کا علم خلف کی صحت آراء کے لئے شاہد عدل اور گواہ فضل ہے ؛

جو شخص علم تاریخ سے ماہر ہوگا جب کوئی سخت حادثہ اس کو رونما ہوگا تو وہ اس سے مضطر و بیقرار نہ ہوگا۔ وہ زمانہ گذشتہ کی تاریخ میں دیکھ چکا ہے کہ انسانوں کو ہزاروں دفعہ مشکل معاملات پیش آئے مگر وہ آسان اور سہل ہوگئے ہیں اسلئے وہ مصیبت و صعوبت میں اپنی توقع فتح کو منقطع نہیں کرے گا۔ زمانہ ہزاروں رنگ دکھاتا ہے جس میں سے ہمارے تصور میں ایک بھی نہیں ہوتا*

اخبار تواریخ پر جو شخص مطلع ہوگا وہ رضا اور صبر پر فائز ہوگا جب وہ انبیاء کرام اور رسل عظام کے حالات کو دیکھے گا کہ کیسے کیسے مصائب سخت ان پر واقع ہوئے اور کس صبر و رضا سے انھوں نے اُن کو جھیلا۔ یہ بھی اپنے میں یہ اوصاف پیدا کرے گا*

سلاطین اور بادشاہ اور ارکانِ دولت اور اعیانِ مملکت کو اُن غرائب انقلابات اور عجائب تحویلات پر علم تاریخ سے اطلاع ہوگی۔ تو وہ اُس میں خدا کی یہ قدرت دیکھیں گے کہ نعمت و نقمت و محبت و محنت کو کچھ بقا نہیں ہے۔ تعاقب اقبال پر مغرور اور تواتر ادبار پر ملول نہ ہونا چاہیئے۔ اصحاب قدرت پر یہ امر ظاہر ہوجائے گا کہ امور جہانداری میں نیکوکاری کے کیا ثمرے ہیں اور بدکاری کے کیا پھل ہیں۔ وہ یہ جان کر مذموم کاموں سے بچیں گے اور محمود کاموں کی طرف رغبت کریں گے

(۳) علم تاریخ کی احتیاج سب سے زیادہ ارباب فرمان کو ہے

اہل فرمان سے زیادہ کوئی فرقہ فن تاریخ کا محتاج نہیں ہے اُس کی یہ وجوہ ہیں اول مصالح کلیہ عام کی اہل فرمان کی رائے و روایت پر مفوض ہیں وہ مامور اور مکلف ایسی بات پر ہوتے ہیں کہ خیر کے کام کریں اور شر کے کاموں سے آدمیوں کو بچائیں اس لئے اُن کو وقائع اور حوادث ملکی و مکائد حرب و تدابیر اصحاب رائے سے چارہ نہیں ہے اور یہ تمام حالات فن تاریخ ہی سے معلوم ہوتے ہیں دوم جب وہ اس فن میں تامل کریں اور جب محصول مہمات اور جریان امور ملوک سابقہ و حکام گذشتہ کا اُن کے کان میں

پہنچے گا تو وہ محاسن اخلاق عدل و رافت و رعیت پروری اور جو اسباب بقاء ملک و داری ہیں اُن میں کوشش کریں گے اور جو باتیں کہ موجب محنت و آفت و زوال منصب و دولت حکومت کا ہونگیں اُن سے اجتناب و احتراز کرنا واجب جانیں گے۔ اور جو صاحب بلند ہمت ہونگے وہ لوگونکی خوش اخلاقی میں کوشش کرکے چاہیں گے کہ ہم وہ کام کریں کہ جن سے قوم سابق سے زیادہ فائق ہو جاویں۔ سوم جب اہل دل کے معاملا میں طبیعت اُلجھتی ہے اور پریشان ہوتی ہے تو تاریخ کے سننے سے اُن کی پریشانی دور ہو جاتی ہے۔

(۳) علم تاریخ پر اعتراض

اکثر جاہل علم تاریخ پر یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ مورخ کی برابر کوئی جھوٹا نہیں ہوتا۔ تاریخ و اخبار پر اعتبار کرنا نہیں چاہئے وہ سارے قصوں اور افسانوں سے بھری ہوئی ہیں اور جب خبر کی شان یہ ہو کہ اُس میں جھوٹ سچ کا اور خطا و صواب کا احتمال ہو تو پھر اُنمیں سچ کی تمیز کرنی دشوار ہے اور اُس سے کوئی فائدہ بھی نہیں حاصل ہوتا لیکن یہ سمجھنا چاہئے کہ اس علم کی بنا راستی پر رکھی گئی ہے جو علماء اخبار ہیں وہ افترا اور کذب کو اپنے کلام میں نہیں داخل ہونے دیتے اور نہ اُن کو مفتریات اور مصنوعات کے داخل کرنے کی جرأت ہوتی ہے وہ وہی باتیں لکھتے ہیں جن کی نوبت تواتر کو پہنچ گئی ہے اور وہ سب طرح سے خلل اور زلل سے محفوظ ہیں۔ اگر کوئی مفتری کذاب اپنے دل سے گھڑ کر خبیث معاملات ناموجہ کا بیان اکابر سلف پر لگاتا ہے اور اُون اوراق پر نقش کر دیتا ہے تو اس علم کے جو نقاد ہیں وہ اُس کے افترا اور بہتان کو ظاہر کر دیتے ہیں تاکہ سب پر ظاہر ہو جائے کہ یہ تصنیف بے توصیف سر بسر حشو و لغو ہے *

(۴) تدوین علم تاریخ کے لئے کیا شرائط ضرور ہیں

سب عاقل عالم جانتے ہیں کہ تصنیف کرنا اور تالیف سے شغل کرنا خود ایک امر بزرگ ہے خصوصاً جمع و ترتیب تاریخ اور زیادہ دشوار ہے اس سبب سے کہ وہ پادشاہان ذوی الاقتدار اور امرائے عالی مقدار کی اور علماء و فضلاء کی نظر سے گذرتی ہیں پس جہاں مصنف

زائچہ کا وہیں اُس پر لعنت ملامت ہونے لگتی ہے۔ اس لئے تاریخ لکھنے کے لئے یہہ چند شرائط ضروری ہیں +

شرط اول تاریخ نویس سالم العقیدہ و پاک مذہب ہو کیونکہ بہت سے بے دین مشہور و مجہول و مردود و مقبول باتیں اپنی تصنیفات میں داخل کرکے آدمیوں کو فریب دیتے ہیں اور جس شخص کو اُن کے اصل کید خداع پر اطلاع نہیں ہوتی وہ اُسکی سب باتوں کو صحیح جانتا ہے

شرط دوم۔ مورخ جو کچھہ لکھے وہ بیان واقعہ ہو اور تمام حالات کو قید کتابت میں لائے جیسے اعیان اور اکابر کے فضائل و خیرات و عدل و احسان کا بیان ہو ایسے ہی اُن کے رذائل اور عیوب کا ذکر ہو۔ اُن میں سے کوئی چھپایا نہ جائے اگر دوسری بات کو بالتصریح نہ بیان کرسکے تو رمز و کنایہ و ایما و اشارے سے بیان کرے

شرط سوم۔ مورخ دوم افراط تفریط سے خالی ہو۔ اپنے طلب منفعت اور دفع مضرت پر نظر نہ ہو بلکہ صدق معاملہ اور صحت واقعہ پر توجہ ہو۔

شرط چہارم۔ تاریخ نویس جو کچھہ لکھے اُس میں تکلف و بناوٹ نہ ہو اور سیاق کلام السیاق اختیار کرے کہ اُس کے کلمات وافی اور تقریرات شافی ہوں اور عبارت پاک سلیس عام فہم ہو اور رکاکت کلمات و دنائت الفاظ اور لغات نازلہ و عبارات سافلہ سے استعمال اور اجتناب لازم جانے تاکہ ہر ایک آدمی عوام میں سے بقدر اپنی عقل و فہم کے اس سے لطف اُٹھائے۔ ایسی تالیف اکثر مقبول ہوتی ہیں اور یہ نہیں ہوتا کہ وہ تھوڑے دنوں کے بعد مردود ہو جائیں +

شرط پنجم۔ تاریخ نویس امانت و دیانت میں معروف اور صدق گفتار اور حسن کردار میں مشہور ہو کیونکہ قضایا و سلاطین کوئی سند نہیں رکھتے سوا اُس کے کہ کسی معتبر و متدین شخص سے سُنے جائیں پس مورخ پر یہ اعتبار ضروری ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی راستی کو دنیا کے لئے نہیں فروخت کریگا اور جھوٹ لکھہ کر اپنے تئیں بدنام نہیں کرے گا +

(۵) قدیم ویران عمارتیں

آدمی کو اُن ویران عمارتوں کو بھی دیکھ کر عبرت پکڑنی چاہئے اور نفس کو جو ہوائے نفسانی میں اُڑ رہا ہے اُس کے کان میں یہ آواز پہنچانی چاہئے کہ یہ وہی عمارتیں ہیں جنمیں کل سلاطین ذی شان بستے تھے آج وہ بے نشان ہیں جہاں اُن میں گل ریزی ہوتی تھی وہ خارزار ہیں جن میں لاکھوں چراغ روشن ہوتے تھے وہ بے چراغ ہیں۔ وہ لوگ کہاں مٹ گئے جو سو شوق و ذوق سے یہ در و دیوار بناتے تھے۔ اپنی عمر کی سُست بنیادی کا کبھی خیال نہیں کرتے تھے۔ اُنھوں نے اِن حصاروں کے بنانے میں سیکڑوں گناہوں کے حصار بنائے۔ اور اُن کے برج بناکے اپنی مباہات کے برج اڑائے۔ اُن درگاہوں کے بنانے میں اُنھوں نے اپنے لئے خدا کی محبت کا دروازہ بند رکھا۔ یہ وہ دہلیزیں ہیں کہ جن پر صبح و شام خلقت کا اژدحام امیروں اور وزیروں کے انتظار میں رہتا تھا۔ اِن حصاروں سے کیا گیر و دار کی آوازیں نکلتی تھیں وہ سب خاک میں مل گئے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ قوم کہاں مٹ گئی اور کہاں چلی گئی وہ سب گئے اور اُن کے خاندان کوئی متمتع اِن عمارتوں سے نہ لے گئے۔ اے غافل تو بھی انسان ہے اور اُن کے ساتھ خلقت میں یکساں ہے۔ کل مرگ بے اماں کی سیل تجھے بھی مٹائے گی اور عالم فنا میں لے جائے گی نہ تیرا نام رہے گا نہ نشان نہ مغز نہ استخوان پس ہوشیار ہو خدا سے دل لگا۔ مرگ کو یاد کر۔

(۶) نجوم و فال و شگون

ایک گروہ آدمیوں کا ایسا ہے کہ وہ نجوم و فال و شگون سے احکام لگاتے ہیں گردش نجوم کا حساب کرتے ہیں مہ و سال سے سعد و نحس کی فال نکالتے ہیں انجم و افلاک کی جاسوسی کرتے ہیں جو معلوم ہوتا ہے اُس کو قلم سے تختہ و خاک پر لکھتے ہیں اپنے اپنے حکم لگانے میں خود رائے و یاوہ سرا ہوتے ہیں۔ فریب و زرق کا دم بھر کے رزق پیدا کر لیتے ہیں نگران کار سپہر ہے۔ حکیم جالینوس کو وہ یہ نہیں جانتے کہ وہ کوس پر فغاں اور

یہی میان تھا اس حکیم بے بضع کی وضع اختراع سے ناواقف ہیں کہ آخر جو اُس نے جنم پترہ بنانے کے قواعد شرف و وبال و صعود و ہبوط پر موقوف رکھے ہیں اُس نے راہ دکھلائی ہے مگر دروازہ بند رکھا ہے۔ اُسنے اپنے عمل تباہ سے ایک خلق کو سرگردان کیا ہے۔ جب انسان عدم سے وجود میں آتا ہے اُس کا خانہ نحس و سعد ما باپ کا گھر ہوتا ہے۔ آسمان پر کوئی ستارہ نہیں ہوتا۔ اُسے بہن بھائیوں سے کام پڑتا ہے وہی اُس کے رنج و غم کے سبب ہوتے ہیں۔ پھر شادی ہوتی ہے۔ اولاد ہوتی ہے۔ وہی خانہ دوست و خانہ دشمن سمجھو غرض یہ ساری شادی و غم و درد و الم۔ دوست دشمن سعد و نحس گھر میں موجود ہیں۔ آسمان پر تلاش کرنے کیوں جاتے ہو۔ اور بیہودہ باتیں بناتے ہو۔ ایک بادشاہ نے ایک منجم کو بلا کے اپنے آگے بٹھایا۔ اُس سے باتیں نجوم کی کیں بادشاہ بڑا زیرک اور نہاں بیں تھا۔ اُس نے منجم سے کہا کہ اپنی تقویم کو خوب دیکھ بھال کر ایک دن ایسا تجویز کر کہ کواکب کمال پر ہوں اور وبال سے بالکل خالی ہو ــــ طالع کو سرتاسر شرف کوئی نکبت کی نشانی نہ ہو۔ اُس وقت خوشی خوشی میرے پاس آؤ کہ میں تم کو خلعت دولت اور فقر و فاقہ تمہارا دور کروں یہ احمق منجم تقویم میں ایسا وقت دیکھ کر بادشاہ کے روبرو گیا جب بادشاہ نے اُسے دل شاد دیکھا تو اُس کی گردن اُڑانے کا حکم دیا۔ وہ بیچارہ خود نہیں جانتا تھا کہ کونسا دن نیک اور کونسا بد ہوتا ہے۔ فقط تقلید اُس کی امام تھی۔ خرد بیشوا نہ تھی ہر شخص کے واسطے حیلہ حوالہ رزق چاہیئے۔ پس یہ علم بھی ذریعہ معاش ہے۔ اسی سے ایک گروہ روٹی کما لیتا ہے۔ مگر وہ دنیا کے کاموں سے غافل ہوتا ہے۔ اور اپنے کام میں بیدار دل نہیں ہوتا ٭

(۷) طبیب

بعض طبیب عالم ہوتے ہیں وہ اُستاد کی تعلیم کو قبول کرتے ہیں اور بہت سے اصول کی کتابیں پڑھتے ہیں ریاضی اور طبیعی سے آگاہ ہوتے ہیں اسرار علمی و عملی سے واقف ہوتے ہیں

خلافی جدلی مسائل کو جانتے ہیں۔ صورت کو دیکھ کر مرض پہچان جاتے ہیں۔ باہر سے اندر کا حال جان جاتے ہیں علت و امراض کو دیکھ کر جو سرد اعراض کے اسباب سمجھ لیتے ہیں۔ رنگ و نبض۔ قارورہ کی علامات سے اسباب مرض کو پہچان جاتے ہیں لیکن اکثر طبیب ایسے علم طب سے خالی ہوتے ہیں کہ نوبت غضب کو نہیں جانتے۔ قاروروں کی نوع کبھی سمجھی نہیں نبض و کیفیتی نہیں آتی۔ تبرید و محررات میں تمیز نہیں۔ سرد و گرم و تر و خشک سے غافل۔ سرگین و مشک اُن کے نزدیک یکساں۔ امراض میں جو چیزیں نفع و ضرر کرتی ہیں اُن سے غافل۔ اگر اُن سے یہ پوچھیے کہ یہ خلل و مرض کیوں پیدا ہوا ہے تو لڑنے کو موجود ہوتے ہیں بخدا کبھی حق جواب نہیں دیتے۔ گو حکمانے سواد بیاض میں پچاس امراض کی تعریف لکھی مگر جاہل طبیبوں کو ایک بھی معلوم نہیں اپنے جہل کے سبب شئے رمچاتے ہیں اور اپنے اندھے و بہرے ہونے کو نہیں جانتے۔ ہر سال لاکھوں مریضوں کو اپنی نادانی سے ہلاک کرتے ہیں + حضرت عزرائیل کے بڑے دوست ہیں وہ قاتل ہیں خلق قتیل ہے۔ افسوس اس حاجت مندی پر ہے جو ان اندھوں کے پاس لے جاتی ہے۔ ایسے حکیموں سے خدا اپنے فضل سے خلق کو رہا کرے جو شہروں کو ویران کرکے قبرستان آباد کرتے ہیں۔ بہتر ہو کہ وہ خود ہی ویران ہو جائیں +

(۸) تکلف

اے ذوق تکلف میں ہے تکلیف سراسر　　آرام سے وہ ہے جو تکلف نہیں کرتا

تکلف کی کیفیت بلحاظ آدمیوں کی حالت کے مختلف ہوتی ہے۔ ایک ہی چیز ایک شخص کے نزدیک تکلف میں داخل ہے۔ دوسرے شخص کی ضروریات میں امیروں کے لئے جو چیزیں ضروریات زندگی میں داخل ہیں وہ غریبوں کے لئے تکلفات ہیں۔ مگر تکلفات ہیں سراسر تکلیف ہیں۔ ایک کھانے کو دیکھو کہ جب اُس میں تکلف کیا جاتا ہے

تو وہ معدہ میں ایسا فساد پیدا کرتا ہے کہ مدتوں تک اُس کا خمیازہ اُٹھانا پڑتا ہے جو غذا میں تکلف نہیں کرتے وہ بیمار نہیں پڑتے۔ اگر بیمار ہوتے ہیں تو سہج علاج کر کے اچھے ہو جاتے ہیں برخلاف امرا کے کہ اگر وہ مرض میں مبتلا ہوتے ہیں تو پھر ہفتوں منضج پیتے ہیں مہینوں مار الجبن میں پڑے گھلتے ہیں ہزار دوا کی ایک دوا غذا سادہ ہے غربا کو دیکھ لو کہ وہ بیمار کم ہوتے ہیں اور کیسے موٹے تازے ہٹے کٹے ہوتے ہیں اُن کی غذا میں کچھ تکلف نہیں ہوتا۔

(۹) ڈاڑھی

ڈاڑھی بھی بنی آدم کو زینت دیتی ہے۔ وہ مردوں کی ایسی زیبائش ہے کہ عورتوں سے اُس کو ممتاز کرتی ہے۔ کبھی تو ریش دراز آدمی کی تعظیم کا سبب کبھی وہ لڑکوں کی ریش خند کا باعث ہوتی ہے۔ لمبی ڈاڑھی والے کو بر خفش جانتے اُس سے ہنسی اور مسخرا پن کرتے ہیں بعض آدمی ڈاڑھی کے دراز ہونے کو حماقت کی نشانی اور عقل کے خفت ہونے کی علامت جانتے ہیں طرح طرح سے لوگ اُس کو رکھتے اور منڈواتے ہیں۔ کوئی بڑھاتا ہے کوئی خشخاشی رکھتا ہے۔ کوئی گل مچھے۔ کوئی متوسط۔ یکمشت و دو انگشت۔ کوئی اُس کے کترانے کے بڑے اہتمام کرتا ہے۔ اپنی صنعتیں اُن میں حجام دکھاتا ہے۔ جن لوگوں کو یہ شوق ہے کہ ہم کم عمر معلوم ہوں وہ جوانی میں ڈاڑھی منڈواتے ہیں کہ امرد معلوم ہوں۔ بڑھاپے میں خضاب کرتے ہیں کہ جوان معلوم ہوں جوانی میں وقار اور شائستگی کے سبب سے بوڑھوں کی صورت بنانی تو اچھی ہے۔ مگر بڑھاپے میں سفید بالوں کو جن سے چہرہ نورانی معلوم ہوتا ہے خضاب سے سیاہ کر کے جوانوں کی صورت بنانی معیوب ہے۔ خضاب لگانے کا برا بھلا ہونا انسان کی نیت پر موقوف ہے اگر وہ بڑھاپے کو اس سبب سے چھپاتا ہے کہ میں جوان سپاہی معلوم ہوں کہ جس سے دشمنوں پر ہیبت ہو تو اچھا ہے۔ لیکن اگر خواہش نفس اور شہوت کی

پابندی سے ہے تو خضاب لگانا نہیں ہے منہ کالا کرنا ہے۔ زیادہ تر لوگ خضاب اسی نظر سے لگاتے ہیں کہ عورتوں کو جوان معلوم ہوں اور وہ ہم کو پسند کریں۔ بعض نے دولھا بننے کے لئے خوب داڑھی کو خضاب سے سیاہ کر کے جوان دُلہن بیاہ لاتے ہیں۔ مگر جب کھونٹیاں نکلتی ہیں تو قلعی کھلتی ہے۔ دلہن اپنے نصیبوں کو روتی ہے۔ کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ گندک سے بالوں کو سفید کرتے ہیں اسلئے کہ جلدی سے عمر زیادہ معلوم ہو۔ اس خیال سے کہ عمر میں زیادہ ہونا عزت پیدا کرتا ہے۔ مگر یہ حماقت کا خیال ہے۔ احمق جاہل کی عمر کا زیادہ ہونا اُس کی جہالت و حماقت کو بڑھاتا ہے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ

کودکے کو بہ عقل پیر بود	نزد اہلِ خرد کبیر بود

اگر اُن کی سرشت میں حماقت ہے تو کیا یہ بالوں کا سفید کرنا اُن کی سرشت کو بدل دے گا۔ اور حمق کو دور کر کے عقلمند بنا دے گا۔ ہرگز نہیں۔ بعض آدمی جن کی داڑھی نہیں نکلتی یا کہیں اُس میں بال نہیں نکلتے تو وہ سیکڑوں اُس کے علاج کرتے ہیں۔ اور ایسے شائق داڑھی کے ہوتے ہیں کہ اگر دس پانچ ہزار روپیہ کو داڑھی بکتی ملتی ہو تو وہ مول لینے کو موجود ہوتے ہیں۔ بعض شوقین نوجوان جن کی جھگی داڑھی ہوتی ہے اُس کو اس لئے خوب گھٹواتے ہیں کہ وہ چہرہ پر بدنما معلوم ہوگی۔ داڑھی پر لوگ بڑی بڑی چٹکیاں کرتے ہیں غصہ میں داڑھی پر تھوکتے ہیں ریشش بدستِ دیگرست۔ ریش خود را بدستِ دیگر دہ۔ ریش در آسیا سفید کردہ۔ ریش آمد یا جی شد۔ سیکڑوں کالیاں اس داڑھی کے اوپر بنائی گئی ہیں۔

خاتمہ

جب اِس کتاب کی ایک کاپی کاتب نے مجھے دی اور میں اُسے صحیح کرنے بیٹھا تو میری نظر آخر صفحہ کے ہندسہ ۳۴۴ پر جا پڑی تو مجھے حیرت ہوئی کہ اِس کتاب کی نوبت اِس صفحہ ۳۴۴ تک آن پہنچی جو میرے اندازہ سے باہر تھا اسلئے میں نے اِن چند سطروں کا خاتمہ لکھ کر کتاب کو ختم کر دیا ہے

یقین تھا کہ اگر ایسی کتاب کا میں مصنف ہوں گا تو وہ کسی ارباب علم کو پسند خاطر نہ ہو گی۔ اس لیے
میں اس کا مولف و مہتمم بنا اور یہ اہتمام کیا کہ ایسی اخلاق کی باتیں نہ چھپائی جائیں جو اندر ہی
اندر آدمیوں کے دلوں میں گھاؤ ڈال کر ناسور بنا دیتی ہیں ہر قسم کے آدمیوں کی خصائل
وہ بیان کئے جائیں جو اُن میں ہوتے ہیں اور جو اُن میں ہونے چاہئیں پیر ہوں حکیم ہوں طبیب ہوں
نجومی ہوں محتسب ہوں۔ واعظ ہوں غرض کوئی ہو اُن کے اصلی اخلاق کے باب میں جو ارباب
فضل و کمال نے اپنے مختلف خیال ظاہر کئے ہیں اور اُن کی دلائل ظرافت لطافت فصاحت
ذکاوت کے ساتھ مدلل لکھی ہیں اُن کو نقل کر دوں اور اس مقصد اعظم کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھوں کہ
یہ سب کو معلوم ہو جائے کہ کیونکر حق نیکی عصمت عزت کے زیوروں سے آدمی آراستہ ہوا کرتے ہیں یہ امر
ضرور ہوتا ہے کہ جب ذیل خصائل کا بیان ہوتا ہے تو بدخصالوں پر سخت لعنت ملامت
کی جاتی ہے۔ اس کا بیان اس انداز سے ہوتا ہے جیسے کوئی بڑا مقدس نیک نہاد ستودہ صفات
برائی سے سخت متنفر ہو دوسروں کی برائیاں بیان کرتا ہے پس مجبوری میں نے بھی اس شیوہ کو اختیار
کر کے اپنے گناہوں پر ریاکاری کا گناہ اور اضافہ کیا ہے۔ جہاں برائی کا بیان کیا ہے
وہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑا خوش خصال نیک فعال بدی کی مذمت شد و مد سے کرتا ہے
جن برائیوں کا رواج ہو جاتا ہے اُن کے دور کرنے کے لئے جو حملہ آوری میں آزادی کا برتاؤ
ہوتا ہے تو وہ لوگوں کو سخت ناگوار ہوتا ہے۔ اس باب میں خواہ حسن بیان کیسا ہی مدلل ہو
وہ دلوں پر اثر نہیں کرتا مگر ہاں بزرگوں کا کلام ایسے موقع پر تاثیر سے خالی نہیں ہوتا اور
مقبول ہوتا ہے پس اگر اس کتاب کے مقبول ہونے کی امید ہو سکتی ہے تو فقط اس سبب سے کہ اس میں وہ
اصول و دلائل و براہین حسن اخلاق کے نقل کئے ہیں جو مقدس متبرک پاک نہاد بزرگوں
نے لکھے ہیں اس لئے اگر یہ کتاب مقبول ہو تو میرا افتخار نہیں ہے بلکہ انہیں بزرگوں کے
کلام کی برکت کا اظہار ہے فقط ۶ جنوری ۱۹۱۶ء

فہرست مضامین مکارم الاخلاق

باب اوّل
خداتعالےٰ

صحت نامہ مکارم الاخلاق

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۶	رہی	ہے	۸۳	۲۱	زیبا	رہنا
۳	۱۸	پایۂ	پائے	۸۹	۱۸	سول	سوال
۷	۱۳	ظاہرہی	ظاہری	۹۲	۱	بات کا دوسرے	بات کا حکم دوسرے
۱۰	۱	چور	اور چور	۱۰۱	۱	بعض آدمیوں	بعض آدمی
۱۵	۸	حیات	حیا۔	۱۰۹	۵	بڑے آدمی کے	بڑے آدمی کے سامنے میری
۱۶	۱۴	ربر	زبر	۔۔	۴	پہلے کی	پہلے سے ہی اسکی
۱۸	۲۱	ے	نے	۱۱۴	۱۶	دورحا	دورخا
۲۸	۱۵	مصلق	مطلق	۱۱۵	۱۸	امرو	امرد
۳۲	۱۰	جہات	جہات	۱۲۱	۱۴	خوخرو	جوخرو
۴۲	۱۳	نقائص	نقائص	۱۲۹	۱۴	داخل	دخل
۴۴	۱۸	برکات	حرکات	۱۳۷	۱۰	اجاتی	آجاتی ہے
۴۵	۱۵	بہ تبعیت	نہ بہ تبعیت	۱۳۹	۱۸	(۱)	۲۲
۴۹	۱۳	پسندیدہ وے	پسندیدہ وے	۔۔	۲۰	پاپچ	پانچ
۶۱	۲۱	بھرلی	جھڑکی	۱۵۰	۱۸	رکھے	رکھیں
[illegible]	۵	برا	بڑا	۱۵۳	۱۳	ہوتا	ہونا
۷۵	۱۴	[illegible]کالہ	پیشکار	۔۔	۱۸	چھورتیے	چھوڑ دیتے
۷۶	۱۴	حبال	جبال	۱۵۴	۸	ثمرہ	ثمر
۸۱	۱۴	زمی	نرمی	۱۶۷	۱۹	جومعشوق	معشوق
۸۲	۱۹	جذت	جذب	۔۔	۲۰	دیکھتا	دیکھنا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۶۴	۱۲	ابزرگوں	بزرگوں
۱۸۶	۱۸	اررون	آرزوؤں
"	۳۰	از	ار
۱۹۱	۱۱	میں نے	میں
۱۹۵	۱۷	باہم گر	باہم دگر
۲۰۰	۱۷	ہم سرکو	ہم سرکا
۲۱۵	۱۷	داکے	والے
۲۲۳	۱۱	جسن	حُسن
۲۲۴	۱۶	ے کا	رہے گا
۲۲۷	۹	تلخ کہ	تلخ
۲۳۳	۱۰	اسکے	اپنے
۲۳۳	۴	رہنا	رہتا
۲۳۵	۲	کہتے	کھیتی
۲۵۶	۱۳	حاسد کو	حاسد
۲۵۷	۶	پادشاہی کے	بادشاہ کے
۲۵۸	۵	اور یہہ لو	یہہ تو
۲۶۰	۲۰	والی	وافی
۲۷۱	۱۷	سکتات	سکتان
۲۷۲	۱۹	ہے ذی	اور
۲۸۰	۹	حاجت سے ہو	حاجت سے پیہم میسر ہو

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۸۴	۱۸	یہ ہے	یہ ہیں
۲۹۶	۱۵	کھینچو	کہنچے
۲۹۷	۱۸	حمت	رحمت
۲۹۹	۴	کرتا	[illegible]
۳۰۳	۹	ولہ	[illegible]
۳۰۶	۲	[illegible]	[illegible]
"	۴	"	"
۳۰۶	۸	چاہتے ہیں	جا بیٹھتے
۳۰۶	۱۷	حقیر	فقیر
۳۰۷	۴	آئنے	آنے
۳۲۲	۳	جائیں گی	جائیگی
۳۳۳	۵	احبار	اخبار
۳۳۹	۲	غیرت	عبرت
۳۴۲	۱۱۰	جُرہ	جُزہ

قیمت ۸ر ## تہذیب الاخلاق محصول ۲ر

زمانہ دراز گذرا کہ شہنشاہ چین کو جب معلوم ہوا کہ ملک ہندستان میں لاماگرو کے مندر میں ایک کتب خانہ ہے جس میں
مقدس قدیمی کتابیں سنسکرت کی موجود ہیں اُسکو ان کتابوں کا اشتیاق پیدا ہوا۔ اُس نے لاماگرو کو ایک خط اِس مضمون کا
لکھا کہ میں حکیم سے فو کو بھیجتا ہوں آپ عنایت فرماکر اُسکو کتب خانہ کی اجازت دیجئے۔ فو کی عمر پچاس سال کی تھی وہ
نہایت فہیم اور فصیح اور صاحب علم تھا۔ وہ یہاں نہایت عزت اور احتشام سے لیا گیا اور مندر میں بہت کچھ جڑا پایا اور
کتب خانہ کی کتابوں کو چھ مہینہ تک مطالعہ کیا۔ اس مطالعہ میں اُس کی بڑی امداد ایک فاضل نے بھی لاماگرو
کی طرف سے کی۔ اُس نے بہت سے مضامین انتخاب کر کے نقل کیے۔ اور پھر اُن کو چین لیجا کر اپنی زبان میں
ترجمہ کیے۔ اس ترجمہ کو اہل چین بڑے ذوق شوق سے پڑھتے تھے۔ اُنکا ترجمہ انگریزی زبان میں ہوا ہے
میں نے ابتدا میں زیادہ تر مضامین اسی کتاب سے لکھے ہیں۔ پھر میں نے رامائن کو پڑھا اور جو حصہ اُس کا اخلاق کے
مضمون سے متعلق تھا اُس کو انتخاب کیا۔ جناب سر جان میور صاحب نے کتاب مہابھارت اور اور مستند کتابوں
سے اخلاق کے مضامین انتخاب کر کے انگریزی زبان میں نظم و نثر میں ترجمہ کئے ہیں میں نے اُن میں سے بھی
بہت سے مضامین انتخاب کیے۔ راجہ بھرتری کے شلوکے کے مضامین بھی انگریزی سے ترجمہ کئے ہیں غرض اس طرح سے
یہ مجموعہ ۱۰۰ مضامین اخلاق اور ۱۲ اور مضامین متفرق کا میں نے لکھا ہے +

قیمت ۸ر ## مبادی الانشا حصہ اول محصول ۱ر

(۱) کاغذات امتحان لکھنے کے قواعد جن کے پابند نہ ہونے سے سالانہ امتحانوں میں طالب علموں کے نمبر کم ہو جاتے ہیں یا فیل ہو جاتے ہیں
(۲) علم ادب کی تعریف و موضوع۔ انشا پردازی کے کونسے مصالح اور اسباب لازمی و ضروری ہیں اور انہیں سے اُن
مدارس میں معلموں و متعلموں کے لیے کہاں تک موجود ہیں اور کہاں تک وہ اُن کے لیے مہیا ہو جانے چاہئیں کن کن باتوں کو ملحوظ
خاطر رکھنا چاہیے کہ جن سے اُن کی استعداد اور لیاقت کا اظہار اچھی طرح ہو اور اُن کا وقت ضائع نہ ہو جائے۔
(۳) جب صرف و نحو کی تعلیم کا آغاز ہو تو اُن کو قواعد کی مشق کی طرز کیا اختیار کیجائے کہ جن سے اُنکو الفاظ کے اشتقاق
کے طریقے اور عبارتوں کی ترکیبیں معلوم ہو جائیں اور غیروں کی عبارتوں میں عیب و صواب جانچنے کی لیاقت پیدا
ہو جائے۔ علم بیان میں استعارات و تشبیہات وغیرہ کا بیان لکھا گیا ہے کہ جس سے طالب علموں کو معلوم ہو کہ اُنکو کیونکر استعمال کرتے ہیں
(۴) ہیر پھیر (جسکو ترجمہ کرنا کہتے ہیں) کرنے کے قواعد جن کہ طالب علموں کو اور دوسروں کی نظم و نثر کا بیان کرنا
اپنی عبارت میں اس طرح سے کہ عبارت بدل جائے اور مضمون میں فرق نہ آئے +

(۵) خطوط نویسی کے آئین وقوانین وطرز وروش عبارت +

(۶) مضامین بیانیہ کے قواعد کہ جنسے طالبعلموں کو ایسے مضامین لکھنے آئیں کہ جنمیں کسی شے کے حالات بیان ہوں

(۷) مضامین تاریخیہ کے قواعد کہ جنسے طالب علموں کو تاریخی واقعات اور انکے اسباب و نتائج کا بیان کرنا آجائے +

(۸) مضامین مستدلالیہ کے قواعد جنسے وہ مضامین لکھنے آئیں کہ جنمیں دلائل منطقی اور براہین حکمیہ سے کام پڑتا
اور کسی امر کی نسبت دلائل موافق ومخالف کو یکجا کرکے نتائج نکالے جاتے ہیں +

قیمت ۸/	مبادی الانشا حصہ دوم	محصول ۱/

(۱) تمہید میں انشا پردازی کی تعریف وطرز ادائے سخن کا بیان +

(۲) علم معانی کا بیان جسقدر اردو زبان سے متعلق ہے +

(۳) علم بدیع کا بیان ایک نئے طرز سے لکھا ہے کہ صنائع وبدائع کو کیونکر کام میں لانا چاہیے صنائع جو مشہور ہیں
وہ کیونکر اور کہاں استعمال کرنے چاہئیں اور بعض صنائع جدید لکھے ہیں +

(۴) قوت بیانیہ وقوت فہم سخن کیونکر بڑھتی ہے +

(۵) مذاق سخن واحتراز سخن کا بیان اور کتابوں کے پڑھنے کے لئے ہدایتیں کہ کیونکر پڑھنا چاہئے
اور اُن کے برے بھلے پرکھنے کے طریقے +

مضامین تاریخیہ وبیانیہ ومستدلالیہ کی مثالیں لکھی ہیں +

(۶) اوضاع واطوار لکھنے کے مظاہر قدرت ونیچر کے عمل وآثار وپیداوار کے بیان کرنیکے فضائل [illegible]
بیان کرنے کے قواعد لکھے ہیں اور اُن کی توضیح مضامین لکھ کر کی ہے +

(۷) آدمیوں کی یادگار لکھنے کی - اپنی حال لکھنے کی دوست - واعظ مقرر اور کسی پیشہ ور ہنر کے حال لکھنے کے قواعد +

(۸) ہجو وظرافت کے مضامین لکھنے کے طریقے ہر ایک قاعدے کے ساتھ کئی کئی مثالیں لکھی ہیں

غرض ان دونوں حصوں کے پڑھنے سے اصول انشا پردازی سے مڈل اسکولوں کے طالبعلموں کو
ایسی واقفیت حاصل ہوسکتی ہے کہ وہ جواب مضمون آسان آسان جیسے اُن کے امتحانوں
میں آتے ہیں باقاعدہ لکھ سکیں گے +

محمد عطاء اللہ دہلی چیلوں کا کوچہ